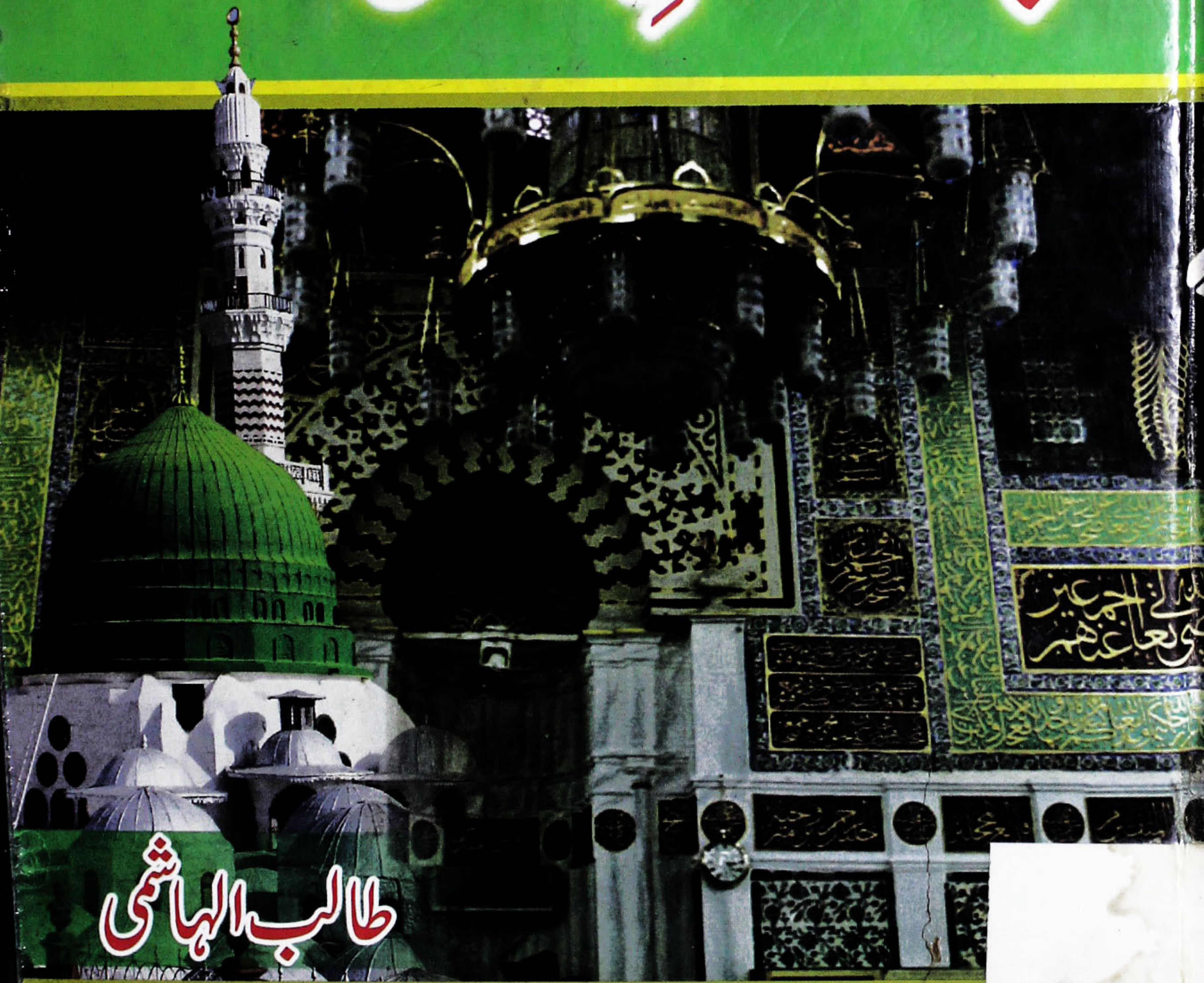




خیر البشر کے

بارہ خادمانِ خاص
رضی اللہ عنہم



طالب الہاشمی

ظہ
پبلی کیشنز

خیر البشر کے
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بارہ خادمانِ خاص (۱۲)
رضی اللہ عنہم

حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت بلال بن رباح،
حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ثوبان، حضرت ایمن، حضرت اسلم بن شریک تمیمی،
حضرت انس بن مالک، حضرت ربیعہ بن کعب، حضرت معقیب، حضرت ذونجر
اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز اور روح پرور تذکرے

طالب الہاشمی

طاہر اپیلی کیشنز

19- ملک جلال الدین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-6120422 موبائل فون: 0333-4470509

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ طہ پبلی کیشنز سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا، اگر اس قسم کی کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔ (قانونی مشیر: فیاض احمد مہراڈو وکیٹ ہائیکورٹ)

207-9922

23

11045



جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

ناشر : محمد عقیف طہ
 اشاعت اول : فروری 2009ء
 اشاعت دوم : اگست 2012ء
 کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل
 قیمت : 300 روپے
 بیرون ملک : 5 امریکی ڈالر
 مطبع : علی اعجاز پرنٹرز، لاہور

ISBN 978 - 969 - 8810 - 18 - 4

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
13	☆ عرض مؤلف طالب الہاشمی
17	☆ تعارف: علامہ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی
43	☆ جملہ معترضہ ----- پروفیسر عمران احمد ہاشمی
45	1- حضرت زید بن حارثہؓ (رسول اللہ کے محبوب)
48	☆ نام و نسب -----
48	☆ ابتدائی حالات -----
50	☆ زیدؓ کی قسمت جاگ اٹھی -----
51	☆ والد کو گم شدہ فرزند کا سراغ مل گیا -----
52	☆ حارثہ کی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضری -----
53	☆ حضرت زیدؓ کا فیصلہ -----
54	☆ آنحضورؐ نے منہ بولا بیٹا قرار دیا -----
56	☆ قبول اسلام میں سبقت -----
57	☆ حضرت حمزہؓ کے ساتھ بھائی چارا (رشتہ مواخاۃ) -----
57	☆ حضرت ام ایمنؓ سے شادی -----
59	☆ تبلیغی دوروں میں حضور ﷺ کی معیت -----
64	☆ حضرت زیدؓ کی ہجرت مدینہ -----

۱۳۰۱۳ - ۲۰۱۳ - ۱۲

شیریں اور ہوا

۳۰۰۷

- ☆ حب رسول، وفا شعاری، شوق جہاد اور شجاعت ----- 84
- ☆ جیشِ اسامہؓ (۱۱ ہجری) ----- 86
- 2- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ** ----- 89
- ☆ نام و نسب ----- 91
- ☆ قبولِ اسلام ----- 92
- ☆ بارگاہِ رسالت کے خدام خاص میں شمولیت ----- 94
- ☆ جوشِ ایمان ----- 94
- ☆ راہِ حق میں بلاکشی ----- 95
- ☆ میدانِ جہاد میں ----- 96
- ☆ بارگاہِ رسالت اختصاص و تقرب ----- 100
- ☆ جنگِ یرموک میں داؤد شجاعت ----- 105
- ☆ خانگی زندگی ----- 106
- ☆ عہدہٴ قضاء ----- 109
- ☆ درس و تدریس (اشاعتِ علم) ----- 112
- ☆ سفرِ آخرت ----- 115
- ☆ سیرت و کردار ----- 116
- ☆ حلیہ ----- 119
- ☆ عبادت و خشیتِ الہی ----- 119
- ☆ علم و فضل ----- 121
- ☆ خطابت ----- 124
- ☆ فقہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ----- 127

- ☆ روایتِ حدیث ----- 129
- ☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تیس احادیث --- 130
- ☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی چند بیانیہ احادیث ----- 134
- ☆ حضرت ام عبدالرضی اللہ عنہما ----- 138
- ☆ حضرت عتبہ بن مسعودؓ جسم و جان اور اپا سوزِ عشق ----- 139
- 3- حضرت بلال بن رباحؓ** ----- 143
- ☆ نام و نسب ----- 145
- ☆ قبولِ اسلام ----- 146
- ☆ راہِ حق میں بلاکشی ----- 147
- ☆ حضرت بلالؓ نعرہٴ امتحان میں ----- 151
- ☆ پنجہٴ ستم سے حضرت بلالؓ کی رہائی ----- 152
- ☆ بارگاہِ رسالت سے وابستگی ----- 154
- ☆ سیدنا حضرت بلالؓ رضی اللہ عنہ ----- 154
- ☆ ہجرت ----- 155
- ☆ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر میں حصہ لیا ----- 157
- ☆ عقدِ مواخاۃ یا بھائی چارا ----- 159
- ☆ اذان کی ابتدا ----- 161
- ☆ یہ رتبہٴ بلند ملا جس کو مل گیا ----- 165
- ☆ غزوات میں شرکت ----- 167
- ☆ غیبی مددِ رسالت کا ایک واقعہ حضرت بلالؓ کی زبانی ----- 171
- ☆ محبوب آقا ﷺ کی دائمی جدائی ----- 174

- 175-----☆ شام کے میدانِ جہاد میں
- 177-----☆ شام میں مستقل قیام
- 179-----☆ عائلی زندگی
- 181-----☆ حضرت بلالؓ کی اہلیہ کو رسول اکرم ﷺ کی نصیحت
- 181-----☆ حضرت بلالؓ کے ایک بھائی کی شادی
- 182-----☆ سفرِ آخرت
- 183-----☆ محاسنِ اخلاق اور شغفِ عبادت
- 185-----☆ حلیہ
- 185-----☆ روایتِ حدیث
- 187-----☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول ﷺ
- 188-----☆ سیدنا بلالؓ
- 189-----☆ بارگاہِ رسالت ﷺ میں تقرب
- 192-----☆ فضائل
- 195-----**4**۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ
- 197-----☆ نام و نسب
- 199-----☆ حضرت عقبہ بن عامر کا قبولِ اسلام
- 201-----☆ خادمانِ خاص میں شمولیت
- 201-----☆ فیضانِ نبوی ﷺ سے اکتساب
- 202-----☆ سپاہیانہ فنون سے شغف
- 202-----☆ میدانِ جہاد میں
- 204-----☆ سفرِ آخرت

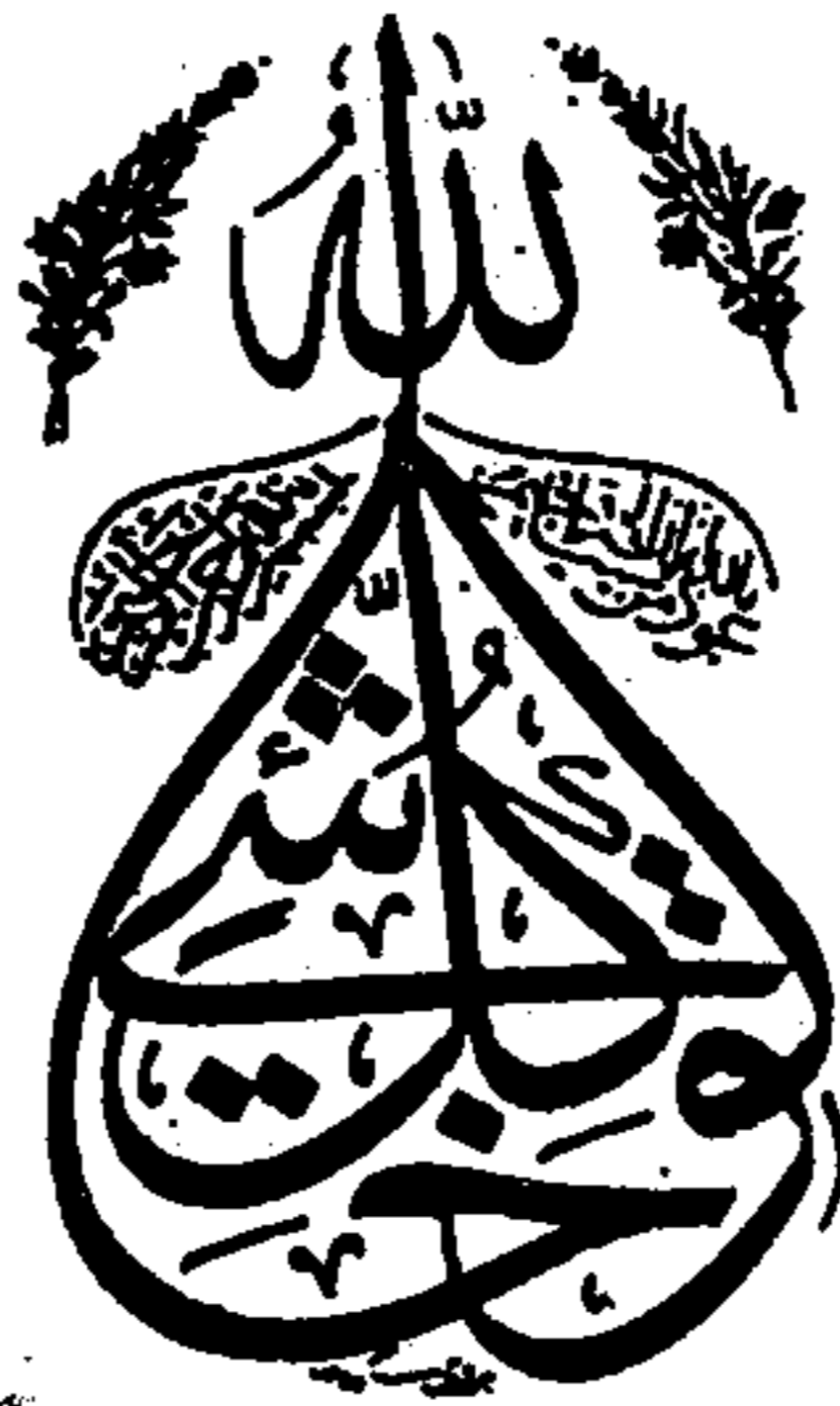
- ☆ علم و فضل ----- 204
- ☆ حدیث ----- 205
- ☆ اخلاق و عادات ----- 206
- ☆ حضرت عقبہؓ بن عامر سے مروی ۱۱۵ احادیث ----- 208
- 5- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ----- 213**
- ☆ نام و نسب ----- 215
- ☆ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ----- 216
- ☆ رسول اکرم ﷺ سے محبت ----- 217
- ☆ فضل و کمال ----- 218
- ☆ میدان جہاد میں ----- 219
- ☆ اخلاق و عادات اور سفر آخرت ----- 219
- ☆ حضرت ثوبانؓ سے مروی تیرہ احادیث ----- 220
- 6- حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ ----- 225**
- ☆ نام و نسب ----- 227
- ☆ جلیل القدر والدہ ----- 228
- ☆ رسول پاک ﷺ کے خدام خاص میں شمولیت ----- 230
- ☆ غزوہ حنین میں شرکت اور شہادت ----- 231
- 7- حضرت اسلع بن شریک تمیمی رضی اللہ عنہ ----- 235**
- ☆ نام و نسب ----- 237
- ☆ حضرت اسلع کا بیان ----- 237

- ☆ صحیحین کے مطابق آیت تیمم کا نزول ----- 240
- 8- حضرت انس بن مالک انصاریؓ خادم رسول اللہ ﷺ ----- 243**
- ☆ خادم رسول ----- 245
- ☆ نام و نسب ----- 246
- ☆ حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمہ ----- 246
- ☆ حضرت انسؓ کا قبول اسلام ----- 259
- ☆ جب یشرب مدینہ النبی ﷺ بنا ----- 259
- ☆ خیر البشر ﷺ کے خادم خاص بن گئے ----- 260
- ☆ رسول کریم ﷺ کی والہانہ خدمت ----- 261
- ☆ رحمت عالم ﷺ کی بے پایاں شفقت ----- 263
- ☆ غزوات میں رسول اکرم ﷺ کی ہمرکابی ----- 266
- ☆ رسول پاک ﷺ کا وصال ----- 270
- ☆ خلیفۃ الرسول صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں ----- 270
- ☆ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ----- 271
- ☆ بصرہ میں مستقل اقامت ----- 273
- ☆ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ----- 274
- ☆ گوشہ نشینی کی زندگی ----- 275
- ☆ حضرت انسؓ اور حجاج بن یوسف ثقفی ----- 276
- ☆ حضرت انسؓ کا سفرِ آخرت ----- 276
- ☆ آل اولاد ----- 277

- 278-----☆ حلیہ، لباس و خوراک
- 279-----☆ علم و فضل
- 280-----☆ روایتِ حدیث
- 281-----☆ حضرت انسؓ سے مروی چالیس احادیث
- 289-----☆ تفقہ فی الدین
- 289-----☆ اخلاق و عادات
- 290-----☆ انکسار و تواضع
- 390-----☆ عشقِ رسول ﷺ
- 292-----☆ اتباعِ سنت
- 295-----☆ امر بالمعروف اور حق گوئی
- 296-----☆ شجاعت و بسالت
- 296-----☆ گفتگو اور اجازت طلبی
- 297-----☆ حضرت ربیعہ بن کعب سلمی رضی اللہ عنہ
- 299-----☆ نام و نسب
- 300-----☆ قبولِ اسلام
- 300-----☆ ہجرت اور مدینہ منورہ میں مستقل قیام
- 301-----☆ رسالتِ مآب کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا
- 302-----☆ شادی کرنے کی ہدایت
- 303-----☆ حضرت ربیعہؓ کی شادی
- 304-----☆ شادی کے بعد
- 304-----☆ غزوات میں رسولِ پاک ﷺ کی ہم رکابی

- ☆ ایک عجیب مقدمہ ----- 304
- ☆ نقل سکونت اور وفات ----- 306
- 10- حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الدوسیؓ خاتم بردار رسول اللہ ﷺ** 307
- ☆ نام و نسب ----- 309
- ☆ قبول اسلام اور ہجرت ----- 309
- ☆ حبشہ سے واپسی ----- 310
- ☆ غزوہ خیبر کے بعد ----- 311
- ☆ عہدِ شینینؓ میں ----- 312
- ☆ عہدِ عثمانی میں ----- 313
- ☆ وفات ----- 314
- ☆ علمی مقام و مرتبہ ----- 314
- ☆ حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسیؓ سے مروی دو احادیث ----- 314
- 11- حضرت ذومخر حبشیؓ** ----- 315
- ☆ نام و نسب ----- 317
- ☆ قبول اسلام اور بارگاہ رسالت میں حاضری ----- 317
- ☆ یہ نصیب اللہ اکبرؓ لوٹنے کی جائے ہے ----- 321
- ☆ سفر میں رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی ----- 321
- ☆ وفات ----- 322
- ☆ علم و فضل ----- 324
- 12- حضرت ابورافعؓ** ----- 325
- ☆ نام و نسب ----- 327

- ☆ غلامی اور آزادی ----- 327
- ☆ قبولِ اسلام ----- 328
- ☆ آزاد ہونے پر حضورؐ کے خادم بن گئے ----- 329
- ☆ ہجرت ----- 330
- ☆ غزوات میں شرکت ----- 331
- ☆ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت ----- 332
- ☆ وفات ----- 332
- ☆ رسولِ اکرم ﷺ کی غلامی پر فخر و ناز ----- 332
- ☆ علم و فضل ----- 333
- ☆ کتابیات ----- 336



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مؤلف

اُس ذاتِ بے ہمتا کا جتنا بھی شکر ادا کروں، کم ہے کہ اس نے مجھ جیسے بیچ میرز کو زیر نظر کتاب (خیر البشر ﷺ کے بارہ خادمانِ خاص) کی صورت میں سیرِ الصحابہ کا وہ سلسلۃ الذہب مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس کا آغاز آج سے نصف صدی قبل کیا گیا تھا۔ اللہ جلّ شانہ نے اپنے اس عاجز بندے کو نہ صرف اپنی تالیفات میں سینکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقوشِ سیرت اجاگر کرنے کی سعادت سے نوازا بلکہ ان تالیفات کو اتنی مقبولیت بھی بخشی کہ گزشتہ پچاس سالوں میں ان کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب کو جن بارہ نفوسِ قدسی کے تذکار سے آراستہ کیا گیا ہے، ان کو ساہا سال تک اس ذاتِ گرامی کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا جو دعائے خلیلؑ و نوید مسیحا، امام و خاتم الانبیاء و المرسلین، محبوبِ حق تعالیٰ، تمام کمالات و صفات کی جامع، عبدیت و انسانیت کی معراج اور ”بعد از خدا بزرگ تر“ تھی اور جس کی شان بیان کرتے ہوئے غالب جیسے باکمال شاعر نے یہ کہہ کر قلم ہاتھ سے رکھ دیا تھا۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

حضور ﷺ کے ان بارہ خادمانِ خاص میں سے کچھ کے سوانحِ حیات راقم الحروف کی سابقہ تالیفات میں آچکے ہیں لیکن وہاں کے پیرایہ بیان اور زیر نظر کتاب کے

اسلوب نگارش و انداز تحقیق میں نمایاں فرق ہے۔ جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقام و مرتبہ اور دینی کارناموں کا ذکر راقم الحروف اپنی دوسری تالیقات میں تفصیل سے کر چکا ہے یہاں تشکر کے ان جذبات کا اظہار مقصود ہے جو راقم الحروف کے دل میں اس وقت پیدا ہوئے جب رب رحیم و کریم نے اس کو اپنی عمر کے آخری دور میں علیل ہوتے ہوئے بھی بعض دوسری کتب سیرت کے علاوہ یہ کتاب بھی تالیف کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

یہ ناچیز اپنے کرمفرما علامہ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی صاحب کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے کہ انھوں نے ناسازی طبع کے باوجود اس کتاب کی تقدیم لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تقدیم میں احقر کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

کے مصداق ہیں۔ فی الحقیقت ان کے یہ محبت بھرے جذبات ایک گوشہ نشین بندہ

عاصی کے لیے حسن ظن اور ذرہ نوازی کے آئینہ دار ہیں۔

ورنہ من آنم کہ من دانم

اپنے جذبات تشکر کے اظہار کے لیے احقر الحاج معید محمد عبدالعزیز شرقی کی ایک نظم

(زیر عنوان ”میں تو اس قابل نہ تھا، اپنا وسیلہ بنا رہا ہے“ (صفحہ ۵۵ پر) قارئین کرام سے بارگاہ

رب العزت میں اس دعا کی درخواست ہے کہ وہ مؤلف، علامہ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی اور

سید محمد عبدالعزیز شرقی کو آخرت میں اپنے ان محبوب بندوں کے قدموں میں جگہ دے جن

سے ان تینوں کو محبت اور عقیدت رہی ہے۔

راجی غفران و شفاعت

(محمد یونس) طالب الہاشمی

۱۱۸- رضوان بلاک اعوان ٹاؤن لاہور

۱۵ جنوری ۲۰۰۸ء

میں تو اس قابل نہ تھا

چمکا قسمت کا ستارا میں تو اس قابل نہ تھا
ہے کرم مجھ پر تمھارا، میں تو اس قابل نہ تھا

دشت عصیاں میں تھا میں حیرت زدہ گم کردہ راہ
تیری رحمت نے پکارا، میں تو اس قابل نہ تھا

ڈوبنے والی تھی کشتی بحرِ عصیاں میں مری
مل گیا تیرا سہارا، میں تو اس قابل نہ تھا

گوشہ چشمِ کرم نے اور نسبت نے تری
میری بگڑی کو سنوارا، میں تو اس قابل نہ تھا

ہو گیا ہے تیری رحمت کے تصدق میں رفو
میرا دامن پارہ پارہ، میں تو اس قابل نہ تھا

تیری بخشش کے میں صدقے تیری رحمت کے نثار
میں ہوں اور دامن تمھارا، میں تو اس قابل نہ تھا

لے گیا سیلاب رحمت میرے عصیاں لے گیا
مل گیا مجھ کو کنارہ، میں تو اس قابل نہ تھا

میرے سجدوں کی حقیقت تجھ سے پوشیدہ نہیں
ہیں حرم کو یہ گوارا، میں تو اس قابل نہ تھا

مغفرت نے دھو دیے ہیں داغہائے معصیت
زندگی کا رخ نکھارا، میں تو اس قابل نہ تھا

درد میرا اس طرح کا تھا، نہ تھی جس کی دوا
کر دیا ہے تو نے چارا، میں تو اس قابل نہ تھا

میرے جیسے بے ٹھکانا بے نوا محتاج کو
مل گیا ہے درتمھارا، میں تو اس قابل نہ تھا!

☆☆☆

تقدیم

از علامہ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی صاحب - ایم اے - پی ایچ ڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انسانی زندگی کا بگاڑ اور اس کی قسمت کا آشوب جب اپنی انتہا کو چھو رہا تھا اور زندگی کا ہر شعبہ جب بربادی و ہلاکت کی آخری حدوں تک پہنچنے والا تھا اور بروہر کا ایک ایک کونہ افکار و کردار اور اعمال و اخلاق کے فساد سے معمور ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر رحم فرمایا اور سرزمین مکہ نے وہ ودیعت نوع انسانی کے سپرد کی جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں کیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوید سنائی اور محمد ﷺ کے اسم گرامی سے اسے موسوم کیا گیا۔ محمد اور احمد نام پانے والا یہ بچہ اپنا پیارا بچپن اور دلآویز لڑکپن اور بے عیب جوانی کا دور گزار کر چالیس سال کی عمر کو پہنچا کہ غار حرا کی تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت سے نوازا اور اس پر وہ نسخہ کیمیا نازل فرمایا جو اپنے اندر ایسا حیات بخش پیغام لے کر آیا جسے قبول کر لینے اور جس پر عمل کے نتیجے میں حیات طیبہ اور فوز و سعادت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اس نسخہ کیمیا اور صحیفہ مطہرہ کے حوالے سے نبی کریم ﷺ پر چار فرائض عائد کیے گئے۔ (۱) تلاوت کتاب (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت اور (۴) تزکیہ نفوس۔ کیونکہ قرآن کریم ایک ایسا صحیفہ ہدایت بن کر نازل ہوا تھا جس کی حیثیت صرف ضابطے اور قانون کی نہیں تھی کہ انسانوں کو اس کا حکم دے دیا جاتا کہ اس میں تمہارے لیے چند اصول اور ضوابط نازل کیے گئے ہیں جن پر عمل کر کے تم دنیا اور آخرت کی فلاح حاصل کر سکتے ہو بلکہ یہ کتاب انسانی زندگی کے لیے ہمہ جہت تبدیلی کا پیغام بن کر آئی تھی۔ اس کے لیے

جہاں صالح اور مؤثر اصول و ضوابط کی ضرورت تھی وہیں نیا علم و حکمت، نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا علم و یقین اور نئے ذوق و شوق کی بھی ضرورت تھی۔ اصول و ضوابط کے لیے صرف صحیفہ آسمانی کافی تھا لیکن نئے معاشرے کو ڈھالنے اور نیا علم و یقین پیدا کرنے اور نئے احساسات کو جنم دینے اور نئے مقاصد کا احساس دلانے اور دنیا کی بجائے آخرت کا ذوق پیدا کرنے اور نئے جذبات و کیفیات سے انسانی زندگی کو ہم آہنگ کرنے کے لیے اصول زندگی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس سے زندگی کو جلا ملتی، جس سے اعمال کو صحیح صورت نصیب ہوتی، جس کے اثر سے قانون اور اخلاق کا رشتہ پیوست ہوتا اور غیبی حقیقتوں پر ایمان و یقین کی کیفیت کا پیدا کرنا آسان ہو جاتا۔ انسانوں کو جن باتوں پر صالح اعمال کا حکم دیا جاتا ان کے لیے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی نصیب ہوتی جس میں حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے حقائق بھی ہوتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس پر کتاب نازل فرمائی اسے اپنا رسول بنایا۔ اس پر کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت بھی نازل فرمائی اور اسی بنیاد پر اس نے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ فرمایا۔ چنانچہ جہاں اس نے قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے وہاں اس کی تعلیم دیتے ہوئے اس کی تفصیلات بھی ذکر فرمائیں، قول کو عمل کی شکل عطا فرمائی، اجمال کو تفصیل دی، ابہام کو شرح عطا کی اور اصول کو عملی زندگی پر منطبق کر کے دکھایا۔ اس سے قوانین کی تکمیل اور اداروں کی تشکیل ہوئی، تہذیب و تمدن وجود میں آئے اور انسانی زندگی کی انفرادیت اجتماعیت سے ہم آغوش ہوئی اور انسانی زندگی کو ہموار رکھنے کے لیے حکومت و اقتدار کی تشکیل ہوئی۔ اس طرح سے زندگی کا وہ صالح اور اجتماعی ڈھانچہ وجود میں آیا جو انسانی زندگی کو بگاڑ سے بچانے کا ضامن ہے۔ اس تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کے لیے مسلسل تربیت اور اپنی زندگی کے نمونے سے دلوں میں یقین و ایمان، ذوق و شوق، جذبہ ایثار، شوقِ آخرت، جذبہ زہد و قناعت

کے چراغ روشن کیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی سیرت و کردار کا اصل سرچشمہ قرآن کریم ہے، لیکن قلب و نگاہ کی تربیت خواہشات نفسانی کا امالہ اور ایسے صالح جذبات کی انگلیخت جو زندگی میں تحمل، بردباری، رفق، عفو و درگزر اور خدا خونی کو پیدا کریں اس کے لیے وہ زندگی درکار ہے جس میں یہ تمام اقدار اور جذبات اُبلتے ہوئے اور چلتے پھرتے دکھائی دیں۔ چنانچہ یہی وہ زندگی ہے جسے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، آپ کا خلقِ عظیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس طرح دیے سے دیا جلتا ہے اسی طرح اس زندگی کے چراغ نے صحابہ کرام کی زندگی کے چراغوں کو روشن کیا کہ آج بھی کوئی شخص جب ان کی تابانی کو دیکھتا ہے تو حیرت سے پکار اٹھتا ہے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

میں چند مثالوں سے اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ قرآن کریم نے اقامتِ صلوة کا حکم دیا اور الذین ہم فی صلوتہم خاشعون سے اس کی تعریف بھی فرمائی، لیکن صحابہ کرام کو خشوع سے نماز پڑھنے کی صحیح کیفیت اس وقت معلوم ہوئی جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کے رکوع اور سجود کی کیفیت دیکھی جسے خود انھوں نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ نَسْمَعُ لَهُ أَزِيْرًا كَأَزِيْرِ الْمَرْجَلِ ہم آپ ﷺ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے قرآن مجید میں یہ پڑھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبانِ نبوی سے قُسْرَةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ کا ارشاد نہیں سنا اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ اِرْحِنِي يَا بِلَالُ ”بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ“ کی کیفیت نہیں دیکھی، ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ صحابہ کرام نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائنداری کا ذکر پڑھا اور آخرت کا

گھر ہی اصل زندگی ہے، یہ الفاظ بھی ان کو یاد تھے مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ ﷺ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفیق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے۔ صاحب زبان تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے۔ لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق نیز ان پر صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انھوں نے آنحضرت ﷺ کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب و اہل خانہ اور خادمان کے ساتھ برتاؤ دیکھا۔ تب انہیں ان الفاظ کا صحیح مفہوم معلوم ہوا۔

کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لیے جہاں قرآن کریم نازل فرمایا وہیں ایک عظیم رسول بھی بھیجا کیونکہ انسانوں کی ہدایت کے لیے جس طرح ایک صحیفہ خداوندی کی ضرورت ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ضرورتوں کے لیے افکارِ صالح اور اصول و ضوابط عطا فرمائے جس سے انسانی زندگی کا ہر شعبہ اپنی صحیح تشکیل پاسکے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ساتھ ایک رسول آتا جو اپنی زندگی سے زندگیوں میں انقلاب برپا کرتا کیونکہ بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پاسکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو۔

سید سلیمان ندوی خطباتِ مدراس میں فرماتے ہیں کہ جس جہاز کو کوویا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۳ء میں حجاز و مصر سے واپس آرہے تھے، اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے۔ ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہموسماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلح کل کے تھے۔ اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذاہب سچے اور کل مذہبوں کے بانی سچے اور نیک لوگ تھے۔ اس

میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی۔ وہ موجودہ تمدن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا۔ تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی۔ فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اس لیے ناکام ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور کوئی عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجہ کا مرکز بنتی اور ہماری نیکو کاری کا نمونہ بنتی۔ اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا اور انہوں نے اس حوالے سے تین کام کیے۔

۱۔ پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت، قرآن کریم کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت میں جوابدہی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اور پھر اس پر استقامت اور ثابت قدمی دکھا کر ان کی حقانیت کو اجاگر کیا۔ آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تربیت میں رہ کر ایک ایک اسلامی عقیدے پر ایسا یقین اور اذعان پیدا کیا کہ ان میں سے ہر بات ان کے لیے حقیقت ثابتہ بن گئی۔ وہ ان پر ایسا یقین رکھتے تھے جیسا یقین آدمی اپنی دیکھی ہوئی چیزوں اور سنی ہوئی باتوں پر رکھتا ہے۔ ان کے سامنے غیب اور شہادۃ ہم معنی تھے۔ حضرت علیؑ نے ٹھیک فرمایا کہ میں جن مغیبات پر ایمان رکھتا ہوں وہ اگر محسوس شکل میں بھی میرے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور پھر اس راستے میں آنے والی ہر مصیبت و تکلیف کو انہوں نے اس طرح برداشت کیا کہ تاریخ اس سے ادنیٰ مثال لانے سے بھی عاجز ہے۔ قرآن حکیم نے جن صحابہ کو **السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ** کہہ کر یاد فرمایا ہے ان میں سے ایک ایک شخص کی زندگی استقامت، استقلال، تقویٰ اور توکل علی اللہ کی ایسی تصویر ہے جس کا کوئی رنگ آج تک پھیکا نہیں پڑ سکا۔ ان میں سے ایک ایک شخص کے صبر و استقامت نے بدترین دشمنوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہ لوگ جن حقائق پر ایمان لانے کے نتیجے میں ایسی جان لیوا اذیتوں کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں

اگر ان کی سچائی میں کوئی کمی ہوتی تو یہ لوگ کبھی ایسی استقامت نہ دکھا سکتے۔ انسانی عقل اگرچہ تملون واقع ہوئی ہے لیکن وہ بھی جب کسی کو دیکھتی ہے کہ وہ شخص کسی صداقت پر جان دے دیتا ہے لیکن اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا تو اسے ماننا پڑتا ہے کہ اس چیز کے صداقت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت بلال حبشیؓ کی استقامت ابوفکیہہ یسار ازدیؓ کا صبر، حضرت یاسر بن عامر کی ثابت قدمی، حضرت مصعب بن عمیر کی قربانی، حضرت ابوذر غفاریؓ کا قبول حق اور اس پر پامردی، حضرت طلحہؓ کا ایثار غرضیکہ ایک کہکشاں ہے جس کا ایک ایک ستارہ اسلام کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت اور ترجمان ہے۔

۲- صحابہ کرامؓ نے دوسرا کام یہ کیا کہ قرآن کریم سیکھا، سمجھا، اس پر عمل کیا اور اس کی نشر و اشاعت کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ ان کے سینے قرآن کریم کا مخزن بنے، ان کی زبانیں ہمیشہ اس کی تلاوت سے زمزمہ سنج رہیں اور قرآن کریم کا ایک ایک حکم ان کی زندگی پر حکمرانی کرتا رہا لیکن آنحضرت ﷺ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد انہوں نے اسے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا اگرچہ حفاظت کا اصلی ذریعہ ان کے سینے ہی رہے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے ایسے قراء تیار کیے جنہوں نے تلاوت قرآن کریم کو ایک مستقل فن کی شکل دے دی۔ اس کے مفہوم اور مراد کو واضح کرنے کے لیے فن تفسیر کو ایجاد کیا اور اصول تفسیر وضع کیے اور قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کو تعامل اور روایت بنا دیا۔ گھر کی زندگی سے لے کر ایوان حکومت تک قرآن کریم کی حکومت کو اس طرح منظم اور مرتب کیا کہ کوئی مسلمان بھی اس سے ہٹ کر عمل کرنا تو دور کی بات ہے سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ قرآن کریم ایک حصار تھا جس کے اندر پوری امت مسلمہ محصور تھی۔

۳- صحابہ کرام نے تیسرا کام یہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی سنت آپ ﷺ کی زندگی کا روزنامہ، آپ ﷺ کی پسند و ناپسند، آپ ﷺ کے خصائل و شمائل اور آپ ﷺ کی وہ کیفیات جن کا عبادات، اعمال اور اخلاق کی بجا آوری میں آپ ﷺ سے ظہور ہوتا تھا اور جس سے دیکھنے والوں کی طبیعتیں متاثر ہوتیں اور جذبہ عمل پاتی تھیں، انہیں پوری توانائی، تندہی اور محنت و ریاضت کے ساتھ اس طرح محفوظ کیا کہ دنیا کی کوئی قوم اس معاملے میں ان کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ ایک صحابی کو دیکھا گیا کہ وہ سخت جھلستی ہوئی ٹو میں بھی اپنا گریبان کھلا رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے سینہ سیاہ ہو گیا تھا۔ لوگوں نے توجہ دلانی تو فرمایا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو ایک ہی دفعہ دیکھا ہے، اس وقت آپ ﷺ کا گریبان کھلا تھا۔ میں اپنا گریبان اس لیے کھلا رکھتا ہوں تاکہ آپ ﷺ کی وہ ادا میرے تصور سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوچ کے سفر میں دیکھا گیا کہ آپ کسی درخت کے نیچے سے جھک کر گزر رہے ہیں جبکہ اس کی شاخیں آپ کے سر سے اونچی تھیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع کے سفر میں نبی کریم ﷺ کو اس درخت کے نیچے سے سر جھکا کر گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ کا قد چونکہ لمبا تھا اس لیے آپ کو جھکنے کی ضرورت پڑی لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ضرورت نہ ہونے کے باوجود اس لیے جھک کر گزرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ادا بھولنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی نہ صرف ان چیزوں کو محفوظ رکھا جن کی حیثیت شریعت میں فرائض، واجبات، سنن یا مستحبات کی تھی بلکہ ان چیزوں کو بھی حفاظت کی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا جو آپ ﷺ کے طبعی خواص یا وقتی ضرورت کی حیثیت رکھتی تھیں کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی میں کوئی بات ایسی نہیں جس نے صحابہ کرام کی تربیت میں کوئی رول ادا نہ کیا ہو اور پھر اس کے لیے اس قدر محنت کی کہ آج ہمارے پاس حدیث کا جو وسیع ذخیرہ

موجود ہے یہ سارا وہ ہے جسے صحابہؓ کے حافظے اور عمل نے محفوظ رکھا اور اگلی نسل کے حوالے کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ نے تمام صحابہؓ کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی اور پھر یہ ذخیرہ تابعین کے حوالے کیا۔ یہ موضوع نہایت دلچسپ اور بسیط ہے لیکن میں صرف یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہؓ کرامؓ نے حدیث اور سنت کی روایت اور حفاظت کے لیے جس عرق ریزی اور محنت و ریاضت سے کام لیا۔ اس کی صرف ایک مثال عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جنہیں میزبان رسول ﷺ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ حضرت جابرؓ کے پاس ایک حدیث ہے جو میں براہ راست آنحضرت ﷺ سے نہیں سن سکا۔ حضرت جابرؓ چونکہ اس حدیث کے عینی اور سمعی شاہد تھے اور وہی اس کے اولین راوی تھے، لیکن وہ مصر جا چکے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس حدیث کو براہ راست ان سے سننے کے لیے مصر کا سفر کیا۔ مصر کم و بیش مدینہ منورہ سے چودہ سو میل کی مسافت پر ہے۔ آپؓ یہ فاصلہ طے کر کے مصر پہنچے۔ حضرت جابرؓ کا گھر تلاش کیا، دستک دی۔ وہ باہر نکلے، نہایت خوشی سے استقبال کیا۔ انہوں نے سلام و مصافحہ کے بعد اس حدیث کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے وہ حدیث سنائی تو اسی وقت واپسی کے لیے اپنے اونٹ کی طرف لپکے۔ حضرت جابرؓ نے ہر چند روکا لیکن حضرت ابو ایوبؓ نہیں مانے۔ فرمایا: میں صرف اس حدیث کو سننے کے لیے آیا تھا، میں اپنے سفر کو خالص رکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ واپس پلٹ گئے۔ اس سے آپؓ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہؓ کرامؓ نے قرآن و سنت کی حفاظت کے لیے کس قدر محنت و ریاضت سے کام لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی شریعت کے یہی دو اصل ماخذ ہیں جو انہیں اپنی زندگی سے بڑھ کر عزیز تھے۔ جس طرح انہوں نے مال و جان کی قربانیاں دے کر انہیں انسانوں تک پہنچایا۔ اسی طرح ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا کر انہیں محفوظ بھی رکھا۔ بعض روایات کے مطابق صحابہؓ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی جن میں بیشتر لوگ حرمین شریفین میں مقیم تھے

لیکن آج صرف دس ہزار صحابہؓ کی خبر ہمیں تاریخ دیتی ہے جو حرمین میں مدفون ہوئے۔ باقی تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت اور اس کی سر بلندی کے لیے ہر اس جگہ پہنچے جہاں دھرتی پانی دیتی اور کوئی بھی انسان آباد تھا۔

ان تمام معروضات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج ہمارے پاس جس طرح قرآن و سنت محفوظ ہیں اس کا تمام تر سہرا صحابہ کرامؓ کے سر ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے اولین شاگرد اور اللہ تعالیٰ کے دین کے اولین مناد و مبلغ تھے اور انہوں نے جس طرح سے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کا حق ادا کیا ہے اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے قریب قریب کا تصور بھی پتہ پانی کر دینے کے لیے کافی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے امت پر ان تمام احسانات اور اس حوالے سے ان کی بلا قامت شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کا ایک اور حوالہ بھی ہے جو غایت درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین پیش کیا اس کی بنیاد ایمان و عمل پر رکھی گئی۔ چند ایسے بنیادی حقائق جن پر پوری اسلامی زندگی کا انحصار ہے انہیں یقین کے ساتھ مان لینے کو ایمان کہا گیا اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان تمام احکام پر عمل کرنے کو جن سے انسانی زندگی کی تطہیر ہوتی ہے، عمل صالح قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان بنیادی حقائق کے تسلیم کر لینے والے کو مومن کہا گیا اور تمام شرعی احکام پر عمل کرنے والے کو مسلم ٹھہرایا گیا اور انہیں دونوں باتوں پر نجات کی خوشخبری سنائی گئی۔ پھر یہ جاننے کے لیے کہ ایمان و یقین کا مفہوم اور اس کی صحیح کیفیت کیا ہے اور ایمان و یقین سے زندگی میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے؟ اسی طرح عمل صالح کی حقیقت کیا ہے، اس کے محرکات اور اس کے آثار و نتائج کیا ہیں اور اس طرح کی زندگی اختیار کرنے والے کی علامات اور شناختیں کیا ہیں؟ ان تمام باتوں کا جواب دینے کے لیے آنحضرت ﷺ کی زندگی کو اُسوہ ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ میں اس سے پہلے عرض کر

چکا ہوں کہ جس طرح دین کی ایک ایک بات کو صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم سے جانا اسی طرح اس کی تفصیلات اور کیفیات کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی کیفیات اور عمل سے پہچانا۔ اب سوال یہ ہے کہ پروردگار نے قرآن کریم میں جس طرح اپنے اوپر ایمان لانے کا حکم دیا اسی طرح نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ جس طرح اپنی اطاعت کو لازم ٹھہرایا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور سورۃ الاعراف میں امت پر جو نبی کریم ﷺ کے حقوق ہیں ان کو نہایت ایجاز اور اعجاز سے ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**

”پس جو لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کا احترام کیا اور آپ ﷺ سے محبت کی اور آپ ﷺ کی نصرت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔“ اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کے چار حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔ (۱) ایمان (۲) احترام و محبت (۳) نصرت (۴) اتباع اور بعض دیگر آیات میں شہادت کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے حقوق کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی بجا آوری کے لیے نبی کریم ﷺ ہمارے لیے نمونہ ہیں اور ہم ان کی زندگی سے بجا طور پر ایک ایک حق کی وضاحت سے واقف ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے جو حقوق بیان کیے گئے ہیں اور جن کی حیثیت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد کیے گئے ہیں، ان کے معنی اور مفہوم اور ان کی صحیح عملی تعبیر ہمارے پاس کون سا نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت تو ہم حضور ﷺ کے یقین و اذعان اور جذبہ اطاعت سے جان سکتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ پر ایمان کیسے لایا جائے اور آپ ﷺ کی اطاعت کیسے کی جائے اور اسی طرح باقی حقوق کیسے ادا کیے جائیں۔ اس کے لیے ہمارے

پاس اگر کوئی اُسوہ اور نمونہ ہے تو وہ صحابہ کرامؓ کی بالا قامت شخصیات ہیں۔ اس طرح سے ان کی حیثیت ایک طرف سے تابع کی ہے یعنی آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے رسول کے تابع ہیں اور دوسری حیثیت ان کی متبوع کی ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے امت ان کی پیروی کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ جب ہم صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک ایک حق کی ادائیگی کے لیے ان کی زندگی سے بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا پہلا حق آپ پر ایمان لانا ہے۔ یعنی آپ کی اس حیثیت کو قبول کرنا کہ آپ ﷺ کے وہن مبارک سے جو ارشاد ہوتا ہے وہ حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایک اتنی کو اس بات کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی بات پر دلیل طلب کرے بلکہ آنحضرت ﷺ کا فرما دینا سب دلیلوں سے بڑھ کر دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ جب حدیث پڑھتے تھے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے کہ یہ اس صاحب قبر کا ارشاد ہے جس کی بات پر دلیل طلب نہیں کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ دنیا کے ہر شخص سے اس کی بات پر دلیل طلب کی جائے گی۔

صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ جو بات آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتی تھی وہ ان کے لیے آخری حجت ہوتی تھی۔ معراج شریف کے واقعہ پر اشراف قریش نے کیسی کیسی پھبتیاں کیں اور کن کن حوالوں سے اسے بعید از عقل قرار دیا لیکن صحابہ کرامؓ کا ایک ہی جواب تھا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے اس لیے اس بات میں غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جنت، دوزخ، آخرت اور عالم غیب کے بارے میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور اس پر صحابہ کرامؓ کے نزدیک سب سے بڑی حجت اور دلیل آنحضرت ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کا ارشاد تھا۔ وہ اس کے مقابلے میں کسی ریب اور شک کو دل میں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ نے خندق کے راستے میں حائل ہونے والی ایک چٹان پر تین ضربیں لگاتے ہوئے جو پیشگوئیاں فرمائیں ان میں سے ہر پیشگوئی عقل کے اعتبار سے ناقابل عمل معلوم ہوتی تھی لیکن صحابہ کرام نے ان میں سے ہر بات کو حتمی اور یقینی جانا کیونکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔

۲- ایمان کو مستحکم اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے وابستگی کو پختہ کرنے اور احکام پر عمل کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے محبت کرنے کا حکم دیا اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا۔ سوال یہ ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے معمولات سے جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا مفہوم کیا ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے محبت کی وضاحت آپ ﷺ کی ذات سے تو نہیں ہو سکتی اس لیے اس عقدے کو صحابہ کرام کے عمل نے کھولا۔

حضرت خبیب بن عدی انصاری اور حضرت زید بن دثنہ انصاری کو عضل وقارہ کے لوگوں نے غداری کر کے ربیع کے مقام پر گرفتار کر لیا اور پھر قریش مکہ کے حوالے کر دیا۔ ان دونوں مردان حق کو سولی دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ عروہ اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ مشرکین جب حضرت خبیب کو سولی پر لٹکانے لگے تو ان کو پکار کر اور قسم دے کر پوچھا کیا تجھے پسند ہے کہ محمد ﷺ تمہاری جگہ سولی پر ہوں اور تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے۔ حضرت خبیب نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا بھی چبھے۔

اسی طرح حضرت زید بن دثنہ کو سولی دینے سے پہلے ابوسفیان نے (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) پوچھا اے زید! تجھ کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ کی گردن ماردی جائے اور تم اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہو۔

اس مرد حق آگاہ نے ابوسفیان کو بعینہ وہی جواب دیا جو حضرت خبیب نے مشرکین کو

دیا تھا۔ ان کا جواب سن کر ابوسفیان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”محمد ﷺ کے ساتھی جس قدر محبت ان سے کرتے ہیں، دنیا میں اور کسی شخص کے ایسے شیدائی نہیں ہیں۔“

حضرت ہند بنت عمرو بن حزام انصاریہ کے شوہر اور بھائی نے جنگ احد میں شہادت پائی۔ حضرت ہند کو لوگوں نے بتایا کہ آپ کے شوہر، بھائی اور فرزند نے راہ حق میں جام شہادت نوش کیا ہے تو آپ بجائے اس کے کہ اس صدمہ جانکاہ سے متاثر ہو کر چھینٹیں یا گر جائیں صرف یہ کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ کو تو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ جب لوگوں نے بتایا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہیں تو آپ کا چہرہ کھل اٹھا اور پھر میدان جنگ میں آپ کو دیکھ کر بے اختیار کہا کہ حضور آپ سلامت ہیں تو اس کے بعد تمام مصیبتیں ہیج ہیں۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت کیا مفہوم رکھتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے امت پر آنحضرت ﷺ کی اطاعت بھی لازم فرمائی۔ مسلمانوں نے اس اطاعت کو کیا اہمیت دی اور ان کی نگاہ میں آنحضرت کے احکام اور پسند و ناپسند کی کیا حیثیت تھی، اس کا اندازہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی اس شہادت سے ہوتا ہے جو انھوں نے ایمان لانے سے پہلے حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ سے گفتگو کے بعد قریش کے سامنے پیش کی۔ انھوں نے کہا:

”اے برادران قریش مجھے دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں کے درباروں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار اور نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھی، لیکن خدا کی قسم میں نے کسی زر خرید غلام کو بھی اپنے بادشاہ کی اتنی عزت کرتے نہیں دیکھا جتنی کہ محمد ﷺ کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔ محمد ﷺ تھوکتے ہیں تو یہ لوگ آگے بڑھ کر ان کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جوش عقیدت میں اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ محمد ﷺ وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ مستعمل پانی کے ایک ایک

قطرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خاطر آپس میں لڑمیں گے۔ محمد ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا ہے۔ محمد ﷺ جب کوئی بات کرتے ہیں تو سب کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ محمد ﷺ کی عظمت کا یہ حال ہے کہ ان کا کوئی ساتھی ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ میری ماں تو محمد ﷺ سے عارضی طور پر صلح کر لو۔“

یہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جو چشم بینا رکھتا ہے لیکن دل میں ایمان نہیں رکھتا۔ وہ صحابہ کرام کا آنحضرتؐ کے ساتھ طرز عمل دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا احترام کسے کہتے ہیں، آپ سے محبت کے کیا معنی ہیں اور آپ کی اطاعت کس طرح کی جاتی ہے اور آپ کی عظمت ایک مومن کے دل میں کیسی ہونی چاہیے۔

ایمان و اطاعت اور احترام و محبت کا جذبہ جب اپنی معراج کو پہنچتا ہے تو پھر اس کے اندر وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس راستے میں ہر طرح کی قربانی دینا حتیٰ کہ اپنے آپ کو فنا کر دینا بھی نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راستے کی منزل بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی میں اس کی شہادتیں بھی ہمیں جا بجا ملتی ہیں۔

غزوہ بدر کے لیے مقام بدر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں آنحضرتؐ نے صحابہ سے مشاورت کی۔ مہاجرین نے بڑھ چڑھ کر سرفروشانہ اور فداکارانہ تقریریں کیں لیکن حضورؐ نے ہر تقریر کے بعد فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو۔ انصار سمجھ گئے کہ سرکارِ کاروئے سخن ہماری طرف ہے۔ رئیس اوس حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور پر جوش لہجہ میں عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ کی اطاعت کا عہد کیا۔ پس جو بھی مرضی مبارک ہو وہ کیجیے، خدائے برتر کی قسم جس نے

آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپؐ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کو دجائیں گے۔ ہمارا ایک تنفس بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپؐ ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم اور شجاع پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”یا رسول اللہ ﷺ شاید آپؐ کا اشارہ انصار کی طرف ہے۔ اگر آپؐ سمندر کا حکم دیں تو ہم اسے پامال کر دیں اور خشکی کا حکم دیں تو برک غمادتک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔“

۴- اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سر بلندی اور حفظ و اشاعت کے لیے آنحضرتؐ کی نصرت کا بھی حکم دیا اور اسے دین کی نصرت کے ساتھ لازم و ملزوم ٹھہرا دیا۔ جو شخص قیامت تک اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی کے لیے کوشش کرنے والے کسی گروہ کی تائید و نصرت کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصرت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسے غالب کرنا، یہ آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد تھا۔ صحابہ کرامؓ نے کس طرح سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصرت کی اور اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیا۔ اس کی صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

غزوہ احد میں حضرت سعد بن ربیعؓ بری طرح زخمی ہوئے۔ آنحضرتؐ ان کو نہ دیکھ کر پریشان ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب انصاریؓ انہیں تلاش کرنے نکلے۔ بار بار ان کا نام لے کر پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے باواز بلندیہ الفاظ کہے۔

”سعدا گر زندہ ہو تو جواب دو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے“ (اس وقت) حضرت سعد بن ربیعؓ کا دم واپس تھا، حضورؐ کا اسم گرامی سنا تو روح اور جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا۔

”رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں میرا سلام عرض کرنا اور میرے انصاری بھائیوں سے کہنا کہ اگر آج خدا نخواستہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ تعالیٰ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے اور اس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا، ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا“

یہ کہا اور اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

۵- قرآن کریم میں پروردگار نے مسلمانوں کو شہادت حق کا فریضہ انجام دینے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کا دین پہنچایا، جس طرح اس راہ میں صعوبتیں اٹھائیں، پھر جس طرح حرب و ضرب کے معرکوں سے گزرے پھر جس طرح اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کیا اور اس طرح سے دنیا پر اس کا قابل عمل ہونا بلکہ دنیا کے دکھوں کا کافی و شافی مرہم ہونا ثابت کیا۔ تمہاری بھی یہ ذمہ داری ہے کہ تم آنحضرتؐ کی تبلیغی، دعوتی، ادارتی، جنگی، قانونی، تہذیبی اور ریاستی مساعی جمیلہ کا اتباع کر کے دنیا کے سامنے اس بات کی شہادت دو کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہدف اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے اور اس کا دیا ہوا نظام زندگی ہر دور میں قابل عمل ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے شہادت حق کے اس فریضہ کو اس طرح انجام دیا کہ آج بھی اس راہ کی ایک ایک سنت جس کا انتساب نبی کریم ﷺ سے ہے وہ نہ صرف زندہ اور قائم ہے بلکہ اہل حق کا کوئی نہ کوئی گروہ ہمیشہ اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا رہتا ہے اس کی تائید کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ کی کاوشیں کافی و شافی ہیں۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ آپ کی خلافت و نیابت کے منصب پر امت کی اجتماعی تائید سے فائز ہوئے لیکن ابھی دس دن نہیں گزرے تھے کہ فتنوں نے اس طرح سراٹھایا کہ چند ہی دنوں میں محسوس ہونے لگا کہ امت چلچلاتی دھوپ

میں بغیر کسی سایہ کے میدان میں کھڑی ہے۔ وہ سایہ جو رحمت بن کر اُمت کو اس دھوپ سے بچائے رکھتا تھا وہ اٹھالیا گیا۔ غالباً حضرت ابو ہریرہؓ نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اُمت کی حالت ایسے ہوگئی جیسے موسلا دھار بارش میں بکریوں کے ریوڑ کی ہوتی ہے جن کے سر پر کوئی چھت نہ ہو۔ وہ اپنے پاؤں کے باڑے میں سمٹ کر ایک کونے میں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر اور دُک کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

چند ہی دنوں میں مانعین زکوٰۃ کے گروہ منظم ہونے لگے۔ نفاق نے گھونگھٹ الٹ ڈالا۔ قریش اور بنو ثقیف کے علاوہ ہر قبیلے سے ارتداد کی خبریں آنے لگیں۔ ایک دو نہیں چار اشخاص نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ مسلمانہ کذاب نے چالیس ہزار جنگجو انسانوں پر مشتمل جم غفیر جمع کر لیا۔ آنحضرت ﷺ جنگِ موتہ کے شہداء کے انتقام کے لیے ایک فوج کو منظم کر کے روانگی کا حکم دے چکے تھے کہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔ وہ فوج وادی جرف میں آنحضرت ﷺ کے انتقال پر ملال کے باعث رکی انتظار میں تھی۔ صحابہ کرامؓ نے حالات کو قابو میں لانے کے لیے کچھ ایسے مشورے دیے جن میں ان کے پیش نظر اقدامات میں تدریج تھی تاکہ ایک ایک کر کے ان فتنوں سے عہدہ برآ ہوا جائے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ جو غارِ ثور کی تنہائیوں میں آنحضرت ﷺ کی صحبت میں مقامِ صدیقیت پر فائز اور یقین و ایمان اور اعتماد علی اللہ کی دولت سے حصہ وافر حاصل کر چکے تھے، وہ اس معاملے میں کسی تدریج کے قائل نہ تھے۔ آپؐ نے مانعین زکوٰۃ کو مہلت دینے کے عمل کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَيْنَقْصُ الدِّينَ وَاَنَا حَيٌّ ”کیا دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ رہوں، یعنی ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ساقط ہو رہا ہو اور میں دیکھتا رہوں، میری زندگی کا مقصد اس امانت کی حفاظت اور اسے اس زمین پر غالب کرنا ہے جو امانت اللہ تعالیٰ کے دین کی شکل میں حضور ﷺ اس اُمت کے سپرد کر کے گئے تھے۔ اس کے پانچ ارکان ہیں ان میں سے آج ایک رکن گر رہا ہے۔ اگر ہم نے تساہل اور نرمی سے کام لیا تو

کل دوسرا گرے گا اور پرسوں تیسرا۔ پھر اسلام کی پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ اس لیے میں آغاز ہی میں اس فتنے کا سر کچلنا چاہتا ہوں۔ میں جان دے سکتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کی آن پر سودا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ گواہی تھی جو اس امت کے پہلے امین نے دی تھی اور اس کا سبق قیامت تک امت کو حضرت صدیق اکبرؓ کی گواہی مہیا کرتی رہے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ آخری دین جس کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہیں۔ ان ماخذ کے حوالے سے صحابہ کرامؓ نے جو عظیم خدمات انجام دیں اور جس کے نتیجے میں آج امت مسلمہ ایک محفوظ، زندہ اور توانا دین کی حامل ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کلام اللہ کی حفاظت صحابہ کرامؓ کے سینوں نے کی اور شب و روز اس کی تلاوت اور نمازوں میں اس کی قرأت نے قرآن کریم کو ان کی زندگیوں کا جزو لاینفک بنا دیا تا آنکہ خلافت راشدہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے کتابی شکل میں اس کو جمع کر دیا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد حکومت میں پورے عالم اسلام میں اس کی نقلیں پھیلا دیں۔

۲۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو جو انداز قرأت سکھایا اسی کو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور فن تجوید کے نام سے اسے ایک مستقل فن بنا دیا۔ اگرچہ بعد کی نسلوں نے اس میں چند در چند اضافے کیے لیکن اس کی بنیاد قراء مدینہ نے رکھی۔

۳۔ قرآن کریم کی کوئی آیت کہاں نازل ہوئی، اس کا شان نزول کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے بعض آیات کا کیا مفہوم بیان فرمایا، اس کی آیات احکام کو کس طرح عملی زندگی پر منطبق فرمایا اور کس طرح آنحضرت ﷺ نماز میں اور قیام لیل میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے اور آیات رحمت اور آیات عذاب پر آپ کی کیفیت کیا ہوتی تھی، کس طرح آپ ﷺ نے قرآن کریم کی بعض آیات سے

استنباط فرمایا اور وحی الہی نے اس کو باقی رکھا، قرآن کریم کے حوالے سے ایسے کتنے گوشے ہیں جن کی روایت صحابہ کرام نے اپنے قول و عمل سے کی اور اسے فن تفسیر کی بنیاد بنایا۔

۴- آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا، جو کچھ کیا اور جسے پسند و ناپسند کی شکل عطا فرمائی، ان میں ایک ایک چیز کو حدیث اور سنت کے نام سے صحابہ کرام نے محفوظ رکھا اور اسے اپنے حفظ کی زینت بنایا۔ بعض صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ان کی کتابت کی اور اس سے اپنی یادداشتیں مرتب کیں اور پھر اسے عملی شکل دے کر اس کی حفاظت کو ثبات بخشا۔

۵- آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں عقیدت مند جا سوسوں کی طرح صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کی نہ صرف ہدایات کو محفوظ رکھا بلکہ ایک ایک بات کا کھوج لگایا اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد اسی کو انہوں نے علم کا درجہ دیا اور شب و روز اس کے لیے وقف کر دیے۔ ایک صحابی نے دوسرے سے اس کو اخذ کیا اور پھر دوسروں تک اسے پہنچایا۔ اس طرح سے پہلے ایک ایک شہر کی روایات مرتب ہوئیں اور پھر آگے چل کر تمام عالم اسلام کی روایات کو یکجا کر دیا گیا۔

۶- صحابہ کرام نے جس طرح قرآن کریم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے قانون بنایا اور اسے ریاست کے دستور کی حیثیت دی۔ اسی طرح حدیث اور سنت کو قرآن کریم کی طرح دوسرا ماخذ قانون ٹھہرایا۔ ہر فیصلہ کرنے سے پہلے خلیفہ وقت اور اصحاب شوریٰ یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ پیش نظر معاملے میں ارشادِ خداوندی کیا ہے اور اگر قرآن کریم خاموش ہے تو پھر سنت اس بارے میں کیا رہنمائی دیتی ہے اسے وہ ہمیشہ علم سے تعبیر کرتے تھے۔

۷- قرآن و سنت کا محفوظ کرنا اگرچہ ایک بہت بڑی خدمت ہے لیکن اس کا تعلق ذہن

اور صلاحیت سے ہے اور اس کام کے لیے ایمان ضروری نہیں۔ مستشرقین نے اگرچہ استعماری مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے اسلامی علوم پر محنت کی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی محنت تحسین کے قابل ہے۔ انھوں نے جس طرح الفاظ قرآن اور الفاظ حدیث کے مجتم تیار کیے ہیں اور جس طرح بعض نایاب کتابوں اور نسخوں کو تلاش کیا، ایڈٹ کیا اور پھر انہیں طباعت سے آراستہ کیا، اس کے لیے وہ بہر حال ستائش اور شکر کے مستحق ہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے حفاظت کے حوالے سے جو کچھ کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسے انھوں نے اپنا فرض سمجھ کے انجام دیا اور اسی کام کو مقصد زندگی ٹھہرایا لیکن ان کا اس سے بھی بڑھ کر جو کام ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کو اس طرح اپنے دل و دماغ میں اتارا اور اپنے عمل کی زینت بنایا کہ دیکھنے والا انہیں دیکھ کر اسلام کی عظمت کا قائل ہو جاتا تھا۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کا عکس اپنی زندگیوں میں اتارا۔ نبی کریم ﷺ نے جس طرح زندگی گزاری یہ لوگ ہو بہو اس کی تصویر بن گئے۔ ان کے گھروں کی زندگی، ان کی معاشرت، ان کے دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز، ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی اور للہیت اور ان کا انقیاد کامل، ان کا اخلاق، ان کا یقین، ان کے راتوں کے معمولات، نفس انسانی کے حملوں پر ان کا غلبہ، دنیا طب پر آخرت کی گرفت، باہمی معاملات میں عفو و درگزر، اپنی ساری عظمتوں کے باوجود انکسار اور عاجزی، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے محبت، ایسی ہی زندگی کے اور طور اطوار اور قرینے سب نبی کریم ﷺ کی زندگی کا عکس اور آپ ﷺ کی تربیت کا پرتو تھے۔ ان کی زندگی نے صداقت کو صدیقیت کا پیرا ہن بخشا۔ انھوں نے عدل اجتماعی کو حقیقی مفہوم عطا کیا۔ انھوں نے شرم و حیا کو فرشتوں کے لیے باعث رشک بنا دیا، ان کی درویشی اور ان کا فقر حکومتوں اور

ریاستوں پر غالب آ گیا۔ انھوں نے مکارمِ اخلاق کو وہ زندگی بخشی کہ جس نے آنے والی نسلوں کو بھی متاثر کیا۔ ان کے نفوس گرم نے وہ چراغ روشن کیے جن کی روشنی آج تک قائم و دائم ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ایسا معصوم اور خواہشات سے بلند بھی ہو سکتا ہے۔ کیا اس بات کا امکان ہے کہ انسان، انسان ہوتے ہوئے بھی فرشتوں کے لیے باعثِ رشک ہو جائے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ دولت کے ڈھیر ان کے قدموں میں ہوں لیکن ان کے گھر کا چولہا بجھا ہوا ہو، لیکن یہ ساری خوبیاں جب ہم ان کی زندگی میں دیکھتے ہیں تو یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن ثقہ راویوں اور مرفوع روایات نے جس تکرار سے انہیں ذکر کیا ہے اس کا انکار کرنا علمی خیانت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بنا بریں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اقبال نے ان کے لیے جو کچھ کہا وہ محض خیال آرائی اور شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

خاکی و نوری نہاد، بندہٴ مولا صفات
 ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
 اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
 اس کی ادا و فریب، اس کی نگہ دل نواز
 نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
 عہد کہن کو دیا، اس نے پیامِ رحیل
 ساقی اربابِ ذوق، فارس میدانِ شوق
 بادہ ہے اس کا ریح، تیغ ہے اس کی اھیل

صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے زندگی کا جو فیضان پایا اس سے انھوں نے اگلی نسلوں کو زندگی بخشی۔ وہ جہاں جہاں بھی گئے رحمتوں اور برکتوں کے چمن کھلاتے گئے۔ انسانوں کو پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ انسان خیر اور رحمت کا پیامبر بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے اخلاق نے بجھے ہوئے دلوں کو آسودگی عطا کی اور جن گھروں میں کبھی دیا نہیں جلتا تھا، وہاں خوشیوں کے چراغ جلانے جہاں جہاں سے ان کا گزر ہوا شیطان قوتیں وہاں سے دم دبا کر بھاگیں اور اللہ تعالیٰ کا نور وہاں برسنے لگا۔ آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تاریک زندگیوں میں پھر سے سعادت کا نور روشن ہو اور ہمارے ارادوں میں پھر سے توانائی آئے اور طبقات میں بٹی ہوئی اس امت کی از سر نو شیرازہ بندی ہو اور انسان، انسان کی دشمنی کی بجائے ہمدرد اور خیر خواہ بن جائے اور ہم اپنے سے زیادہ دوسروں کے لیے جینا سیکھیں اور پھر سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر برسنے لگیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں دوبارہ سانس لینے کی کوشش کریں۔ ان کی زندگی کو اپنا رہنما بنائیں اور انھوں نے ہمارے لیے جو درختاں نقوش قدم چھوڑے ہیں پھر سے انہیں اپنے راستوں کا نشان بنالیں۔

اسی ضرورت کے تحت تاریخ کے ہر دور میں ہمارے اسلاف نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے نقوش لوگوں کے سامنے اجاگر کرنے کی کوششیں کیں۔ ہر زبان میں ان برگزیدہ لوگوں کی حیات طیبہ پر ہر دور میں لکھا گیا۔ ہماری قریبی تاریخ میں اس کے لیے انفرادی کوششیں بھی ہوئی ہیں اور ادارتی کوششیں بھی۔ ندوۃ المصنفین کا کام نہایت قدر و منزلت کا حامل ہے۔ آج وقت اور ماحول کا تقاضا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگیوں پر اس طرح کام کیا جائے کہ ان کے پاکیزہ نقوش حیات ہمارے تعلیمی اداروں میں ہمارے نصاب کا حصہ بن جائیں اور طلبہ ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم کو بڑی تیزی سے ان عظیم شخصیات کے ذکر سے خالی

کیا جا رہا ہے جو ہماری زندگیوں پر موثر اور صالح اثر ڈالنے کی ضامن تھیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی محسوس کی جا رہی ہے کہ آج علم عبادت کی بجائے تجارت بن گیا ہے اور ہر شخص اپنے رشحاتِ قلم کی بیش از بیش قیمت وصول کرنا چاہتا ہے اور ایسے لوگوں کا شدید قحط ہے جو نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس عظیم خدمت کو بجالانے کے لیے تیار ہوں کہ اچانک ہماری نظر محترم جناب طالب الہاشمی صاحب کی کتابوں پر پڑتی ہے جنہوں نے گزشتہ پچاس سال سے اپنے خوبصورت قلم سے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے ایسے نقوش اُجاگر کیے ہیں جنہوں نے نہ جانے کتنی زندگیوں کو متاثر کیا ہے تو دل سے بے اختیار ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور ان کی نگارشات کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ:

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اب ان کی عمر ۸۴ سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ مختلف امراض کا شکار ہیں۔ بایں ہمہ عشق و جنون کا عالم یہ ہے کہ ان کا قلم ستانے کے لیے بھی رکنا پسند نہیں کرتا۔ اب تک وہ ہزاروں صفحات صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے روشن کر چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب (خیر البشر ﷺ کے بارہ خادمانِ خاص) سیر الصحابہ کے سلسلۃ الذہب کو مکمل کرنے کی وہ آخری کتاب ہے جس کا آغاز انہوں نے نصف صدی قبل کیا تھا۔

کسی بھی کتاب کو شروع کرتے ہوئے آدمی سب سے پہلے اس کے مصنف کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ کس طرح کا آدمی ہے۔ اگر اس کی شخصیت پر اعتماد پیدا ہو جائے تو پھر قاری کے لیے کتاب سے استفادہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جناب طالب الہاشمی صاحب اگرچہ تعارف سے مستغنی ہیں کیونکہ ان کی بیسیوں کتابیں ہزار ہا لوگوں تک پہنچ چکی ہیں اور جس کسی نے بھی ان کا کوئی مضمون یا کتاب پڑھی ہے وہ مضمون اور وہ کتاب ان کے تعارف کے لیے کافی ہے پھر اسے مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن میں محض چند کلمات اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ

بھی یہ کتاب لگے جو ہاشمی صاحب کو نہ جانتا ہو تو اگر میرے چند الفاظ اسے کتاب کی طرف متوجہ کر سکیں تو میں اسے اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں۔

۱- ہاشمی صاحب ایک نامور مؤرخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مؤرخ کی بصیرت و صلاحیت سے نوازا ہے۔ اسی طرح وہ بہترین تذکرہ نگار بھی ہیں اور تذکرہ نویسی کی حدود کو خوب سمجھتے ہیں۔ سیرت خیر البشر ﷺ صحابہ کرام کے علاوہ انہوں نے تاریخ اسلام کی بعض نامور شخصیتوں پر بھی کتابیں لکھی ہیں اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ان میں نور الدین زنگی، ملک شاہ سلجوقی، الملک الظاہر بیبرس یعقوب المنصور اور بعض صوفیاء کرام مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ جمیری، حضرت بابا فرید شکر گنج، ان میں شامل ہیں لیکن اب وہ کئی سالوں سے صحابہ کرام پر ہی کام کر رہے ہیں اور انہیں کے حالات و واقعات کو نہایت محققانہ انداز میں پیش کر رہے ہیں۔

۲- ایک مؤرخ عام طور پر حالات و واقعات کو جمع کرنے اور سلیقے سے پیش کر دینے کی فکر رکھتا ہے۔ اس کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ یہ احتیاط ہوتی ہے کہ عام مؤرخین اس سے مختلف نہ لکھتے ہوں لیکن ہاشمی صاحب صرف مؤرخ نہیں کیونکہ صحابہ کرام کے حالات پر لکھنے کے لیے مؤرخانہ بصیرت کے ساتھ ساتھ محدثانہ نگاہ کی بھی ضرورت ہے کیونکہ تاریخ اور روایت کے پیمانوں میں فرق ہے جس چیز کو تاریخ صحیح اور ثابت سمجھتی ہے ضروری نہیں کہ روایت کی بارگاہ سے بھی اسے قبولیت کی سند ملے۔ میں نہیں جانتا کہ ہاشمی صاحب عربی علوم میں کہاں تک دسترس رکھتے ہیں لیکن ان کی نگارشات کو دیکھ کر یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ وہ اصول روایت اور جرح و تعدیل کے پیمانوں سے واقف ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہر صحابی کے حالات اسی چھلنی میں چھان کر پیش کیے ہیں۔

۳- ہاشمی صاحب کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ شگفتہ زبان، منجھا ہوا قلم اور بے حد

دلچسپ اسلوب نگارش کے مالک ہیں۔ اردو زبان ان کے گھر کی لونڈی معلوم ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف اردو زبان کی نوک پلک سے واقف ہیں بلکہ ہر لفظ کے صحیح تلفظ اور اس کے شجرہ نسب کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں نہایت سلجھی ہوئی اور اس قدر مؤثر ہیں کہ انہیں شروع کر کے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی تحریر کا یہ حسن ہے کہ جس بزرگ کا وہ تذکرہ کرتے ہیں وہ اس طرح نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں کہ ان کی شخصیت کا ایک ایک پہلو پڑھنے والے پر اثر انداز ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دل میں اترتے چلے جا رہے ہیں۔

میں ان کی سب سے بڑی خوبی یہ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرام کے حالات میں جس طرح تحقیق و تفحص ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ ان سے عقیدت و محبت ضروری ہے اور اس مشن سے لگن ضروری ہے جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہاشمی صاحب کے دل و دماغ کو صحابہ کرام کے عقیدت و احترام میں جھکا ہوا محسوس کرتے ہیں ان کی اپنی زندگی پر بھی صحابہ کرام کی زندگیوں کا گہرا اثر ہے لیکن عجیب کمال کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اس گہری عقیدت کو تحقیق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میرا قلم ایک مؤرخ کا قلم ہے جسے جانبدار نہیں ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اس نام نہاد غیر جانبداری کو اپنی ایمانی عقیدت و غیرت پر اثر ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے یہاں نہ فکری ژولیدگی پائی جاتی ہے اور نہ وہ الفاظ سے کھیلتے ہوئے گزرتے ہیں۔ ہر لفظ ترازو میں تل کر نکلتا ہے اور ہر واقعہ تحقیق کی چھلنی میں چھن کے حوالہ قرطاس ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ جناب طالب الہاشمی صاحب کی شخصیت منعم روزگار ہے۔ ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اقبال نے گرامی کے لیے کہا تھا کہ آج انہیں سن لو، کل فخر کرو گے ہم نے انہیں سنا تھا۔ میں نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ آج ہاشمی صاحب کی نگارشات

پڑھ لو، اس سے فائدہ اٹھا لو اور اس کی قدر کرو ورنہ کل شاید تاریخ اس کی مہلت نہیں دے گی۔

جناب طالب الہاشمی صاحب کی تازہ ترین تالیف (خیر البشر ﷺ کے بارہ خادمانِ خاص) ان تمام محاسن کی مرقع ہے جو ہاشمی صاحب کی کتابوں کی خصوصیات ہیں۔ مجھے اُمید واثق ہے کہ ہاشمی صاحب کی باقی کتابوں کی طرح عوام اور اہل علم برابر اس سے بھی استفادہ کرتے رہیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ انہیں طویل اور صحت مند زندگی عطا فرمائے اور اس چراغ کو لمبی عمر تک جلتا رکھے تاکہ امت اس روشنی سے فیض حاصل کرتی رہے۔ آمین ثم آمین

علامہ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

ایم اے پی ایچ ڈی

مورخہ ۲ جنوری ۲۰۰۸ء

جملہ معترضہ

اس کتاب کی فائنل پروف ریڈنگ اور طباعت کے مراحل ابھی باقی تھے کہ ۱۶ فروری ۲۰۰۸ء کو اللہ تعالیٰ نے والد گرامی جناب طالب البہاشمی صاحب کو اپنے پاس بلا لیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جو ذی روح اس دنیا میں آیا اسے ہر حال میں جانا تو ہے۔ اس اچانک حادثہ جانکاہ کے بعد ہمت اور حوصلہ مجتمع کرنے میں بہت وقت لگ گیا اور دوبارہ اس کام کو مکمل کرنے کی ٹھانی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور یہ بھی طے ہوتا ہے کہ وہ کس کے ہاتھوں اور کس انداز سے انجام پائے گا۔ اس کام کی تکمیل شاید اسی طرح لکھی تھی کیونکہ والد محترم نے تقریباً دو ماہ پہلے پروف خوانی کر کے محمد عقیفؒ صاحب کے سپرد کر دی تھی اور فائنل پروف دیکھنے کے لیے کمر بستہ تھے مگر کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور پھر والد صاحب کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر آ پڑی۔ یہ سب ان کی دعاؤں کے طفیل ہے کہ میں اس قابل ہوا کہ اس کا خیر کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔ اللہ کے فضل و کرم سے پروف کا کام دوبارہ سرانجام دیا۔ الحمد للہ۔ مجھے یہ شرف والد گرامی کی زندگی میں بھی حاصل رہا کہ ان کی متعدد کتابوں، بشمول سیرت طیبہ رحمت دارین کی دوسری یا تیسری پروف خوانی کے مراحل سے والد صاحب کی زیر نگرانی گزرا۔ پھر جہاں بھی رکاوٹ محسوس ہوئی محترم پروفیسر حفیظ الرحمن احسن صاحب سے رہنمائی میسر رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ محترم حافظ محمد ادریس صاحب اور محترم عبدالحفیظ احمد صاحب (البدرد پبلی کیشنز) بھی خاص طور پر میرے محسن ہیں جنہوں نے اس مشکل وقت میں میرا حوصلہ بلند کیا اور مجھے یقین دیا کہ میں اس کام کو کر سکتا ہوں۔ محترم حافظ محمد ادریس صاحب

نے والد صاحب کی یاد میں جو کچھ بھی تحریر کیا ہمارے لیے سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ جن اصحاب نے جہاں بھی کچھ لکھا، اللہ تعالیٰ اس نیک کام کے لیے ان کو اجر دے۔ آمین

طالب الہاشمیؒ کے نام سے قلمی سفر کا آغاز کرنے والا یہ مردِ درویش نصف صدی سے زائد ان پاکیزہ اور مشکبوہ ہستیوں کے ساتھ محو سفر رہا جن کی مثال کم از کم آج کے دور کا انسان پیش نہیں کر سکتا۔ اردو زبان میں اتنی تعداد میں صحابہ کرام و صحابیات عارفات اور مشاہیر امت کے جامع تذکار شاید کسی ایک شخص نے قلمبند نہیں کیے ہوں گے۔ ان کے شب و روز اسی کام میں گزرتے۔ ۱۹۸۳ء تک سرکاری ملازمت کے ساتھ یہ کام جاری رکھا اور ۱۹۸۳ء سے تادم زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے مشن سے صرف نظر نہیں کیا۔ میری ذاتی رائے میں اس کتاب کو وہ اپنی عارضی زندگی کا آخری کام سمجھ رہے تھے حالانکہ بظاہر تو ان میں جانے والی کوئی بات نہ تھی۔ ماشاء اللہ بڑھاپے کی عمومی شکایت کے سوا کوئی مستقل مرض نہ تھا مگر جیسے انہیں ایقان تھا کہ اب مہلت ختم ہونے کو ہے کیونکہ عرض مؤلف کی ابتدائی سطور میں رقمطراز ہیں۔

”اس ذات بے ہمتا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھ جیسے ہیچ میرز کو زیر نظر کتاب (خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ خادمان خاص) کی صورت میں سیر الصحابہ کا وہ سلسلہ الذہب مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس کا آغاز آج سے نصف صدی قبل کیا گیا تھا۔“

میرا اس بات پر کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی ان سے یہ جلیل القدر کام لینا تھا اور چونکہ وہ خود اب مطمئن تھے کہ جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر دیا اس لیے اللہ جل شانہ نے انہیں واپس بلا لیا:

یہ نصیب اللہ اکبر جس کو ملا سوا مل گیا

اس موضوع اطہر پر اتنے تسلسل سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا ہے۔ ہمیں ماضی اور حال میں شاید ہی کوئی شخصیت دستیاب ہو جس نے بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے اتنا مفید اور مستند کام کیا ہو اور اللہ کے فضل و کرم سے اسے پذیرائی بھی نصیب ہوئی ہو۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں مرحوم کی بلندی درجات کے لیے خصوصی دعا فرمائیں اور ثواب حاصل کریں۔

پروفیسر عمران احمد ہاشمی لاہور

حضرت زید

بن

حارثہ رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند کرتا ہے۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب

حضرت زید بن حارثہ کا شمار خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ان عظیم المرتبت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے جن کو سابقون الاولون کی مقدس و مغفور جماعت میں امتیازی حیثیت حاصل ہوئی۔ حضرت زیدؓ واحد صاحب رسول ﷺ ہیں جن کا اسم گرامی قرآن حکیم میں آیا ہے۔ ان کو لڑکپن ہی میں رحمت عالم ﷺ کا خادم خاص بننے کا شرف حاصل ہو گیا اور پھر انھوں نے اس تندہی سے اپنے آقا ﷺ کی خدمت کی کہ حضور ﷺ کی شفقت اور محبت کا مورد بن گئے اور پھر ایک دن وہ وقت آیا کہ انھوں نے حب النبی ﷺ (نبی ﷺ کے محبوب) کے لقب سے شہرت پائی۔ خود حضرت زیدؓ کا حضور ﷺ سے عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کا دامن اقدس چھوڑنا کسی قیمت پر گوارا نہ کیا اور اپنے والد، چچا اور بھائی کے ساتھ (جو انہیں لینے آئے تھے) واپس وطن جانے سے معذرت کر دی۔ ان کا یہی جذبہ اخلاص تھا کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ ان کو اپنا فرزند قرار دے کر اعلان فرما دیا کہ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔

امام الانبیاء ﷺ کا منہ بولا بیٹا اور محبوب ہونا کچھ کم درجے کی سعادت نہیں تھی لیکن آگے چل کر ان کو جو اور سعادتیں حاصل ہوئیں، انھوں نے ان کو ایک ایسے منفرد مقام پر فائز کر دیا جس پر دوسرے لوگ رشک کرتے تھے۔ یہاں محبوبِ خدا ﷺ کے محبوب کی داستانِ حیاتِ اختصار کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ پڑھیے اور اپنا ایمان تازہ کیجیے۔

نام و نسب

نام زید ابو اسامہ کنیت، خاندانی تعلق عرب قبیلے بنو قضاہ کی شاخ بنو کلب سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے

زید بن حارثہ بن شراحیل (شرحیل) بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب۔

والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنو معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت زید کے خاندان کی سکونت مکہ سے بہت دور ایک گاؤں میں تھی۔

ابتدائی حالات

ارشہ بن شرحبیل اور سعدی بنت ثعلبہ کو اللہ تعالیٰ نے تین بچے عطا کیے تھے، دو لڑکے جبکہ اور زید اور ایک لڑکی اسماء۔ یہ ایک خوش حال گھرانہ تھا اور ہنسی خوشی سے دن گزار رہا تھا۔ ایک روایت کے مطابق سعدی ایک دفعہ اپنے کم سن (آٹھ سالہ) بچے زید کو ساتھ لے کر اپنے میکے جانے کے ارادے سے ایک قافلے کے ساتھ ہو لیں۔ راستے میں بنی قین بن بخر کے چند غارت گرسواروں نے قافلے پر چھاپا مارا اور مال اسباب کے علاوہ سعدی کے لخت جگر کو بھی ان سے چھین کر نظروں سے غائب ہو گئے۔^۱

اپنے پیارے فرزند کے یوں چھین جانے سے ماں کی دنیا اندھیر ہو گئی اور وہ اس

۱۔ بعض روایتوں میں حارثہ کے والد کا نام شراحیل بتایا گیا ہے۔

۲۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سعدی اپنے بچوں جبکہ زید اور اسماء کے ساتھ اپنے والدین کے گھر میں مقیم تھیں۔ قضائے الہی سے وہ فوت ہو گئیں تو حارثہ اسماء اور جبکہ کو اپنے پاس لے گئے لیکن زید اپنے نانا کے پاس ہی رہے۔ کچھ عرصہ بعد بنو فزارہ نے بنو معن پر چھاپہ مارا اور مال اسباب کے ساتھ زید کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک تیسری روایت یہ بھی ہے کہ بچپن میں حضرت زید اپنی والدہ اور بقول دیگر اپنے چچا کے ہمراہ ایک قافلے کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے اس قافلے پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ ان بچوں میں حضرت زید بھی شامل تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صدے سے زندہ درگور ہو گئی ادھر حارثہ کو اپنے فرزند کے اغوا ہونے کی خبر ملی تو اس کو شدید صدمہ پہنچا اور اس نے اپنے گم گشتہ فرزند کی تلاش میں دن رات ایک کر دیے لیکن بد قسمتی سے کہیں بھی لختِ جگر کا کھوج نہ ملا۔ فراقِ پسر نے آتشِ سوزاں کی صورت اختیار کر لی۔ وہ قریہ قریہ گھومتا پھرتا تھا اور لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار ایسے دردناک اشعار میں کرتا تھا کہ دوست تو دوست دشمن بھی انہیں سن کر رو دیتے تھے۔ اربابِ سیر نے اس سلسلے میں حارثہ کے کہے ہوئے جو اشعار نقل کیے ہیں ان میں سے کچھ کا ترجمہ یہ ہے:

”میں زید کے غم میں گریہ وزاری کر رہا ہوں لیکن معلوم نہیں وہ کہاں گیا،
نہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہے کہ اُمید کا دیار روشن رکھوں یا اس کو موت
آگئی۔“

خدا کی قسم میں بار بار پوچھتا بھی ہوں پھر بھی نہیں جانتا کہ تو نرم زمین کی پہنائیوں
میں غرق ہو گیا یا تجھے پہاڑ نے اُچک لیا۔
کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرا آنا کبھی ممکن ہے، پس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے
دنیا میں کافی ہے۔

سورج اپنے طلوع ہونے کے وقت مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور غروب ہوتے وقت
بھی اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔
بادِ بہاری کے جھونکے اس کے فراق کی آگ کو بھڑکا دیتے ہیں، آہ میں کس قدر شدید
غمِ عالم میں مبتلا ہوں۔

میں اونٹ کی طرح تیزی سے چل کر تیری تلاش میں دنیا کا کونہ کونہ چھان ماروں گا۔
اس جستجو سے عمر بھر نہ تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا یا مجھ پر موت وارد ہو جائے
کیونکہ ہر شخص فانی ہے، اگرچہ سراپِ اُمید سے فریب میں مبتلا رکھے۔“
مختصر یہ کہ حارثہ نے اپنے یوسفِ گم گشتہ کی تلاش میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن اسے

پانے میں کامیاب نہ ہوا۔ حارثہ کی تنگ و دو کا حال پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اسے اس دوران میں مکہ جانے کا خیال کیوں نہ آیا جو مقام حج ہونے کی بنا پر تمام اہل عرب کا مرجع عقیدت تھا۔

زید کی قسمت جاگ اٹھی

زید کے اغوا ہو جانے پر ان کے خاندان پر جو قیامت ٹوٹی وہ تو ٹوٹی خود صغیر السن زید کو بھی ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بچھڑنے کا جو صدمہ ہوا اس کی شدت کی بھی کوئی انتہا نہ تھی لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ اس سانحہ جانگداز کے پردے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہ بلند مراتب مقدر کر رکھے تھے جو ان کا نام قیامت تک زندہ اور تابندہ رکھنے کے ضامن تھے۔ ہوا یوں کہ ڈاکوان کو اغوا کے بعد غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں لے گئے۔ اس زمانے میں اس بازار میں دوسرے کاروبار کے علاوہ غلاموں کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ اتفاق سے وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے زید کو ڈاکوؤں سے چار سو درہم میں خرید لیا اور مکہ واپس آ کر اپنی پھوپھی (حضرت خدیجہؓ) کی نذر کر دیا۔ (یہ ان کے ام المومنینؓ بننے سے پہلے کا ذکر ہے) جب رسول اکرم ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے ہاں زید کو دیکھا اس ہونہار لڑکے کے خصائل و اطوار آپ ﷺ کو اس قدر پسند آئے کہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔ یوں اس خوش اطوار نو جوان کو ایک ایسی مقدس ہستی کی غلامی کا شرف حاصل ہوا جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا تھی۔ ایسے غلام کی خوش بختی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ خوش بخت زید نے اپنے شفیق اور مہربان آقا ﷺ کی جس تندہی سے خدمت کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ رات ہو یا دن، زید ہر وقت حضور ﷺ کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہتے تھے۔ جذبہ خدمت کے ساتھ ان کو اپنے آقا ﷺ سے اس قدر محبت اور عقیدت ہو گئی تھی کہ آپ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کے نیک اطوار، خلوص اور خدمت

نے انہیں حضور ﷺ کی انتہائی شفقت اور الطاف کا مورد بنا دیا تھا اور بعثتِ نبوی کے بعد تو حضور ﷺ کی اسی شفقت اور محبت کی بنا پر زید حبیب اللہی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔
(یعنی نبی ﷺ کے محبوب)

والد کو گم شدہ فرزند کا سراغ مل گیا

زید کو اپنے اہل خاندان سے پچھڑے ہوئے سیکڑوں لیل و نہار گزر گئے اور پھر ایک دن حُسنِ اتفاق سے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ یوں کہ ایک سال زید کے قبیلے بنو کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ آئے۔ شاید ان میں سے کچھ لوگوں کی زید کے خاندان سے قرابت داری تھی یا ان میں سے بعض آدمیوں نے زید کو ان کے بچپن میں دیکھا ہوا تھا۔ جس جگہ ان لوگوں کا قیام تھا، اتفاقاً ادھر سے زید کا گزر ہوا۔ ان کے اہل قبیلہ کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے زید کو پہچان لیا کہ یہی نوجوان حارثہ کا گم گشتہ فرزند ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بنو کلب کا ایک آدمی کچھ ایسے اشعار بڑی پرسوز آواز میں پڑھ رہا تھا جو حارثہ نے اپنے فرزند کے فراق میں کہے تھے۔ زید کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ بنو کلب کے لوگوں کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے ان کو قریب بلا کر جب ان کا نام اور دوسرے حالات دریافت کیے تو ان کو یقین ہو گیا کہ حارثہ کے اغوا ہونے والے فرزند یہی ہیں۔ ان لوگوں نے زید کو ان کے والد کی داستانِ غم سنائی اور انہیں اپنے ساتھ وطن چلنے کے لیے کہا لیکن زید کو اپنے شفیق آقا ﷺ سے اس قدر محبت اور عقیدت ہو گئی تھی کہ ان سے جدا ہونا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ انہوں نے ان الفاظ میں ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر دی:-

”میرے بزرگو اور بھائیو! میرا یہ پیغام میرے گھر والوں کو پہنچا دینا کہ میں اپنی قوم سے محبت کرتا ہوں گو ان سے دور ہوں۔ میں خانہ کعبہ میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں۔ اس غم کو بھول جاؤ جس نے تمہیں رنجور کر رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو، اللہ کا شکر ہے کہ میں بنی معد

کے ایک معزز خاندان میں ہوں جو پشت ہاپشت سے معزز ہے۔“

بنو کلب کے یہ لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس گئے تو حارثہ کو بتایا کہ اس کا گم شدہ فرزند مکہ کے ایک معزز خاندان کے پاس زندہ و سلامت موجود ہے اور اس نے اپنے اہل خاندان کو یہ پیغام دیا ہے۔ یہ خوشخبری سن کر حارثہ فرط مسرت سے بے خود ہو گیا اور اپنے بھائی کعب اور دوسرے بیٹے جبلہ کو ساتھ لے کر عازم مکہ ہو گیا۔

حارثہ کی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضری

حارثہ، کعب اور جبلہ مکہ پہنچ کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حارثہ یوں عرض پیرا ہوئے:

”اے ابن عبدالمطلب! اے حرم کے متولی اور قوم کے رئیس زادہ! آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور مظلوموں کی دستگیری کرتے ہیں، ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم پر احسان کیجیے، ہم آپ کے پاس اتنا مال لائے ہیں جو اس کے فدیہ کے لیے کافی ہوگا۔“

آنحضور ﷺ نے پوچھا، تمہارا لڑکا کون ہے؟

اس نے کہا: زید

ارشاد ہوا، اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہیں؟

اس نے کہا: نہیں

آپ ﷺ نے فرمایا: ”زید کو بلا کر اختیار دو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی عذر نہیں، میں فدیہ لیے بغیر اسے بخوشی تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ میرے پاس رہنے کو ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں کہ اسے زبردستی اپنے سے جدا کر دوں۔“

حارثہ اور کعب نے اس شرط کو شکریہ کے ساتھ منظور کر لیا۔

حضرت زیدؑ کا فیصلہ

اب فیصلہ کے لیے حضرت زیدؑ کو بلایا گیا۔ انھوں نے ایک ہی نظر میں اپنے والد، چچا اور بھائی کو پہچان لیا۔ چنانچہ جب حضور ﷺ نے ان سے پوچھا:

”زید! جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟“

انھوں نے عرض کیا: ”جی ہاں، یہ میرے والد، یہ چچا اور یہ میرا بھائی ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور ان کو سلام کرو۔“

زیدؑ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر فوراً اٹھے اور ان سب سے ملے۔ اس موقع پر ہجر و فراق کا مارا ہوا باپ اپنے گم گشتہ لختِ جگر کو گلے لگا کر اس قدر رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب سب کے جذبات ذرا سکون پذیر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

”زید! یہ تمہارے والد اور چچا تمہیں لینے آئے ہیں، میری طرف سے تمہیں پورا اختیار ہے اگر ان کے ساتھ جانا چاہو تو شوق سے جاسکتے ہو۔“

حضرت زیدؑ نے فوراً جواب دیا:

”میرے آقا! آپ ہی میرے سب کچھ ہیں آپ ﷺ کی ذات گرامی پر

میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا اور نہ آپ ﷺ سے جدا ہونا مجھے منظور ہے۔“

حارشہ اس مخلصانہ وفا شعاری کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے اور انھوں نے اپنے فرزند

سے کہا:

”بیٹے! افسوس کہ تم غلامی کو اپنی آزادی، باپ، چچا، بہن بھائیوں، خاندان

اور وطن پر ترجیح دیتے ہو۔“

زیدؑ بولے:

”ہاں میرے آقا مجھ پر اس قدر شفیق اور مہربان ہیں کہ اتنے حقیقی ماں باپ

بھی نہیں ہوتے۔ میں ان کی ذاتِ گرامی پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔“

آنحضور ﷺ نے منہ بولا بیٹا قرار دیا

زیدؓ کا جواب سن کر ان کی غیر معمولی وفا شعاری اور اطاعت کوشی نے حضور ﷺ کو اس قدر مسرور کیا کہ آپ ﷺ نے اسی وقت ان کو آزاد کر دیا، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور مقام حجر کے پاس کھڑے ہو کر اعلان فرمایا:

”زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔“

حضور ﷺ کا یہ اعلان سن کر زید کے والد، چچا اور بھائی کے افسردہ دل گل شکفتہ کی طرح کھل گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی کریم النفسی کا شکریہ ادا کیا اور خوش و خرم اپنے وطن کو مراجعت کی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت زیدؓ کو پہلے ہی آزاد کر کے اپنا متبئی بنا چکے تھے۔ بعد میں ان کے والد، چچا اور بھائی کے سامنے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنانے کی محض تجدید فرمائی۔

اس واقعہ کے بعد لوگ زیدؓ کو ”ابن محمد (ﷺ)“ کہنے لگے۔ یہ سب واقعات حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کے ہیں یعنی ابھی آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان نہیں فرمایا تھا اور نہ تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا تھا۔ بعثت کے کچھ عرصہ بعد جب یہ حکم نازل ہوا:

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ۔

(الاحزاب: ۵)

ترجمہ: منہ بولے بیٹوں کو ان کے (اصل) باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

اس کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو زید بن حارثہ کہنے لگے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ یا حضرت زیدؓ کے جذبہ عشق رسول ﷺ کو ایک درد مند شاعر (مولانا ضیا احمد بدایونی) نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

زبدۂ حلقہ اربابِ وفا حضرت زیدؓ

تھے جو مشہور پسر خواندہ شاہِ ابرارؓ

متفق ہو کے جنہیں کہتے ہیں سب اہل سیر
 اولیں حلقہ بگوشان رسالت میں شمار
 ہیں یہی جن کو کیا نام سے قرآن میں یاد
 حق نے منجملہ اصحاب رسولِ مختار (ﷺ)
 اپنے ماں باپ سے بچپن میں پھڑکرا کر اک دن
 سر بازار بکے صورتِ یوسفِ ناچار
 لے کے پھر خدمت سلطانِ دو عالم ﷺ کے لیے
 کر دیا نذرِ خدیجہؓ نے انہیں آخر کار
 باپ نے یوسفِ گم گشتہ کی پائی جو خبر
 دل کو دم بھر نہ رہا صورتِ یعقوبِ قرار
 آئے مکہ میں کہا حال شہہ والا (ﷺ) سے
 ہوا ارشاد کہ خود زید ہیں اس میں مختار
 آزمائش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب
 اک عجب کشمکش صعب میں تھی جانِ نزار
 اک طرف باپ کی کلفت سے تھی خاطرِ مغموم
 اک طرف آپ (ﷺ) کی الفت سے تھی فطرتِ سرشار
 عقل کہتی تھی کہ راحت دنیا منظور
 عشق کہتا تھا کہ اس راہ میں راحت ہے عار
 عقل کہتی تھی مبارک ہو تجھے مسندِ گل
 عشق کہتا تھا گوارا ہے مجھے بسترِ خار
 تھام کر دامنِ سرکار (ﷺ) کو آخر یہ کہا
 لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ شمار

قبولِ اسلام میں سبقت

چند سال بعد جب رسولِ اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا اور دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے جن سعادت مند ہستیوں کو اس دعوت پر لبیک کہنے کا شرف حاصل ہوا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت خدیجہ الکبریٰ (ام المؤمنین)، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت زیدؓ عام طور پر مشہور ہے کہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ ایمان لائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ انہیں بہت عرصہ پہلے آزاد فرما چکے تھے اس لیے یوں کہنا درست ہوگا کہ خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو اور نابالغ نونہالوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ گویا سابقون الاولون کی مغفور جماعت میں جن چار بزرگوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ان میں ایک حضرت زیدؓ ہیں۔

اس کے بعد اسلام کو آہستہ آہستہ وسعت حاصل ہونے لگی۔ مشرکین قریش نے دینِ حق کی سخت مخالفت کی لیکن سخت نامساعد حالات کے باوجود نیک فطرت اصحاب کا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ جاری رہا اور چند سالوں میں اہل مکہ کی ایک معقول تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان میں سے متعدد اصحاب کا ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارا کر دیا یعنی دو دو صحابہ کو ایک دوسرے کا دینی بھائی بنا دیا۔ بالفاظ دیگر

۱۔ امام زہریؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے:

”مَا عَلَّمْنَا أَحَدًا اسَلَّمَ قَبْلَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ“

(یعنی ہم کو معلوم نہیں کہ زید بن حارثہ سے پہلے کوئی اور اسلام لایا ہو) تاہم جمہور اربابِ سیر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم چاروں کو سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل ہے اور یہ چاروں اس فضیلت میں دوسرے تمام صحابہ و صحابیات سے افضل ہیں۔

ان میں ”عقد مواخاة“ قائم کرادیا۔ (ہجرت مدینہ کے بعد ایسا عقد مواخاة حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کرایا)۔

حضرت حمزہؓ کے ساتھ بھائی چارا (رشتہ مواخاة)

رسول اکرم ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے اپنے منہ بولے فرزند حضرت زیدؓ سے ان کا رشتہ مواخاة قائم کرادیا۔ ان دونوں دینی بھائیوں کی آپس میں اس قدر محبت ہوگئی کہ حضرت حمزہؓ جب کسی مہم پر جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا وصی (جانشین) بنا کر جاتے تھے۔

حضرت امّ ایمنؓ سے شادی

نوعمر زید بن حارثہؓ کو رحمتِ عالم ﷺ کی والہانہ خدمت کرتے ہوئے کئی سال گزر گئے یہاں تک کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ گئے۔ اسی زمانے میں ایک دن انھوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے وہ امّ ایمن سے نکاح کر لے۔

ان دونوں بزرگوں کے تعلق خاطر کا اندازہ صحیح بخاری کی اس روایت سے کیا جاسکتا ہے:

”غزوة احد (۳ ہجری) میں حضرت حمزہؓ نے شہادت پائی تو انھوں نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی اس میں امامہ نام کی ایک کم سن بچی بھی تھیں جو حضرت حمزہؓ کی ایک اہلیہ سلمیٰ بنت عمیس کے لطن سے تھیں۔ ذیقعدہ ۷ ہجری میں حضور عمرہ القضاء کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو امامہ بنت حمزہؓ ”یا عم یا عم“ کہتی ہوئی حضورؐ کی طرف دوڑیں۔ بروایت دیگر وہ اس وقت یا انخی یا انخی یعنی اے بھائی اے بھائی کہہ رہی تھیں۔ فی الحقیقت حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے چچا بھی تھے اور (دودھ شریک) بھائی بھی۔ حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا اور اپنے ساتھ لے جا کر حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے سپرد کر دیا کہ یہ تمھاری بنت عم ہے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ نے ننھی امامہ کو اپنی آغوش تربیت میں لینے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں الگ الگ دعوے پیش کیے۔ حضرت جعفرؓ یہ کہہ کر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے کہ وہ میری بنت عم اور میری اہلیہ اسماء بنت عمیس کی حقیقی بھانجی ہیں۔ حضرت زید بن حارثہ کہتے تھے کہ وہ میرے دینی بھائی (حضرت حمزہؓ) کی بیٹی ہے اس لیے میں اس کی پرورش اور تربیت کروں گا۔ حضورؐ نے اس منازعت کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کیونکہ ان کی زوجہ اسماءؓ ننھی امامہ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔“

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سالہا سال پہلے حضور ﷺ کے والد اور پھر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی کنیر رہی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے زمانہ طفولیت میں آپ ﷺ کی آیا تھیں اور انہوں نے ننھے حضور ﷺ کو گودوں کھلایا تھا۔

جب حضور ﷺ کی عمر مبارک تقریباً چھ سال کی تھی آپ ﷺ کی والدہ آپ کو اور اُمّ ایمن کو ساتھ لے کر مکہ سے یثرب (بعد میں مدینہ) گئی تھیں تاکہ اپنے شوہر کی قبر کو دیکھ سکیں۔ یثرب سے واپس مکہ آتے ہوئے حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے راستے میں ابوآ کے مقام پر وفات پائی۔ حضرت اُمّ ایمن نے ان کی تدفین کا انتظام کیا اور پھر ننھے حضور ﷺ کو ساتھ لے کر مکہ واپس آئیں اور انہیں آپ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ حضرت اُمّ ایمن بطور ورثہ حضور ﷺ کو ملیں اور آپ ﷺ کے جوان ہونے تک آپ کے ساتھ ہی رہیں لیکن آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور انہوں نے عبیدنامی ایک شخص سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت ایمنؓ کے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ایمنؓ رکھا گیا۔ ایمن ابھی کم سن تھے کہ عبید نے وفات پائی اور اُمّ ایمنؓ بیوہ ہو گئیں۔ حضور ﷺ اُمّ ایمن کا بہت احترام فرماتے تھے۔ ان کو میری ماں، فرمایا کرتے تھے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت زیدؓ نے جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے وہ اُمّ ایمن سے نکاح کر لے تو انہوں نے حضور ﷺ کی خوشنودی کی خاطر فوراً حضرت اُمّ ایمنؓ سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ عمر میں حضرت زیدؓ سے خاصی بڑی تھیں۔ نبوت (بعد بعثت) میں حضرت اُمّ ایمنؓ کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ حضرت زیدؓ اور حضرت اُمّ ایمنؓ سے تعلق خاطر کی بنا پر حضور ﷺ ننھے اسامہؓ سے بھی بے حد محبت فرماتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی اپنے والد کی طرح حبّ النبی ﷺ (نبی ﷺ کے محبوب) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بڑے ہو کر ان کا شمار آنحضور ﷺ کے نہ صرف محبوب بلکہ محرم راز اور معتمد علیہ صحابہؓ میں ہوا۔

تبلیغی دوروں میں حضور ﷺ کی معیت

نبوت کے چوتھے سال جب رسول اکرم ﷺ نے حکم الہی کے مطابق دعوتِ حق کو آشکار کر دیا اور تسلسل کے ساتھ قریش مکہ اور دوسرے قبائل عرب کو علانیہ حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مکہ میں لات و عزی کے پجاریوں کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے والے سعید الفطرت ذکور و اناث پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ ۶ اور ۷ نبوت میں حضور ﷺ کے ایماء پر بہت سے صحابہ و صحابیات کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے لیکن حضرت زیدؓ نے کسی حالت میں بھی حضور ﷺ سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور مکہ ہی میں حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر ہر قسم کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ وہ سفر و حضر میں اکثر اپنے محبوب آقا ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس پر آشوب دور میں چشمِ فلک نے بارہا دیکھا کہ حضور ﷺ مکہ سے باہر کسی قبیلے میں تبلیغِ حق کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ ﷺ نے اونٹنی پر اپنے پیچھے حضرت زیدؓ کو بٹھا رکھا ہے۔ اگر آپ کہیں پایادہ جا رہے ہیں تو حضرت زیدؓ بھی آپ ﷺ پر اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ دل میں لیے آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں رسول اکرم ﷺ حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر بنو بکر میں تشریف لے گئے لیکن اس قبیلے نے آپ کی پذیرائی نہ کی پھر آپ بنو قحطان کو اسلام کی دعوت دینے گئے لیکن انہوں نے بھی معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے طائف جانے کا فیصلہ کیا۔ شہرِ طائف مکہ معظمہ سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر سلسلہ کوہِ سراۃ کی سطح مرتفع میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً پانچ ہزار فٹ ہے اور یہ محض ایک نہایت زرخیز، شاداب اور خوش سواد خطہ زمین ہی نہیں بلکہ بنو ثقیف جیسے متمول اور جنگجو قبیلے کا مسکن بھی تھا۔ یہ لوگ بھی قریش مکہ کی طرح شرک اور اخلاقی پستی کی دلدل میں گلے گلے تک دھنسے ہوئے تھے۔ اپنے باغوں

میں قسم قسم کے پھلوں، مال و دولت کی فراوانی اور سونا اگلتی زمین نے ان کو نشہ پندار میں بدست کر دیا تھا۔ وہ اپنے خالق حقیقی کو بالکل بھلا بیٹھے تھے اور ”لات“ و ”یالیل“ نام کے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ سارے عرب بالخصوص حجاز میں مکہ کے بعد طائف اور اہل طائف کی خاص اہمیت تھی۔ ان کی اسی اہم حیثیت کے پیش نظر رحمتِ عالم ﷺ نے ان کو براہِ راست دعوتِ توحید دینے کا قصد فرمایا اور اس مقصد کے لیے ۲۷ شوال ۱۰ بعد بعثت کو آپ عازمِ طائف ہوئے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضور ﷺ تنہا تشریف لے گئے تھے لیکن ابن سعد، ابن قتیبہ، بلاذری اور بعض دوسرے اہل سیر نے لکھا ہے کہ سفرِ طائف میں حبیب النبی ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور جمہور مورخین نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ مکہ سے طائف تک کا تمام سفر حضور ﷺ نے پیادہ پا کیا۔ ان دنوں اہل طائف (بنو ثقیف) کی قیادت عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے تین بیٹوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھوں میں تھی۔ حضور ﷺ طائف پہنچ کر پہلے ان تینوں بھائیوں سے ملے اور ان کو دعوتِ توحید دی۔ (ان کو پہلے ملنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ دعوتِ حق قبول کر لیں تو ان کے زیر اثر دوسرے لوگ بھی یہ دعوت قبول کر لیں گے۔) لیکن یہ تینوں دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے برہم ہو گئے اور سخت بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ عبد یالیل نے تک کر کہا:

”اگر خدا نے تمہیں رسول بنایا ہے تو گویا اس نے کعبے کا غلاف پُرزے پُرزے کر ڈالا ہے۔ (بروایت دیگر تو میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا)

دوسرے بھائی مسعود نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

”کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی نہ ملتا تھا کہ اسے رسول بناتا، تمہارے پاس تو

چڑھنے کے لیے سواری تک نہیں۔“

تیسرا بھائی حبیب منطقیانہ انداز میں یوں گویا ہوا۔

”میں تم سے مُطلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اگر تم واقعی خدا کے سچے رسول ہو تو تمہاری بات کو جھٹلانا بہت خطرناک اور خلافِ ادب ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو کسی کذاب سے گفتگو کرنا میرے شایانِ شان نہیں۔“

حضور ﷺ نے ان کے مایوس کن جواب سُن کر فرمایا:

”میرے ساتھ تو تم لوگوں نے جو سلوک کیا سو کیا اب کم از کم اتنا تو کرو کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوئی ہیں ان کو اپنے تک ہی رکھو۔“

حضور ﷺ کی یہ خواہش اس خیال کے پیش نظر تھی کہ اگر قریش مکہ کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو وہ اہلِ حق پر مظالم ڈھانے میں اور دلیر ہو جائیں گے لیکن ان تینوں بھائیوں نے حضور ﷺ کی اس خواہش کا جواب خندہ استہزا سے دیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے غلاموں، شہر کے لفظوں، شہدوں اور شریر لونڈوں کو ہشکار دیا کہ وہ آپ ﷺ کو خوب ستائیں یہاں تک کہ آپ ﷺ طائف سے نکل جائیں۔

شیطان کے ان چیلوں چانٹوں نے حضور ﷺ کے قیامِ طائف کے دوران میں وہ ہلٹر مچایا کہ خدا کی پناہ (طائف میں حضور ﷺ کے قیام کی مدت باختلافِ روایت دس دن یا ایک ماہ تھی) حضور ﷺ جس طرف کا رخ فرماتے یہ شریر آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے تالیاں پیٹتے، آوازے کتے، گالیاں بکتے اور آپ ﷺ پر پتھر پھینکتے۔ حضرت زیدؓ اپنے محبوب آقا ﷺ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے اور ان بد بختوں کے پتھروں کو اپنے ہاتھوں اور جسم پر روکتے تھے لیکن جب چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو تو رحمتِ عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ضرر سے کیسے محفوظ رہ سکتی تھی۔

حضور ﷺ کا جسدِ اقدس لہولہان ہو جاتا تھا اور یہی حال آپ ﷺ کے جاں نثار حضرت زیدؓ کا ہوتا تھا اور ان کے ٹخنوں، پنڈلیوں اور گھٹنوں سے بھی خون کے دھارے

بہہ نکلتے تھے۔ ایک دن شریروں نے اتنے پتھر برسائے کہ حضرت زیدؓ بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ (ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کا سر پھٹ گیا) اور حضور ﷺ بھی شدید زخمی ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے جسم پاک کے ہر حصے سے خون رِس رہا تھا۔ آخر انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ اپنے جاں نثار ساتھی کے ہمراہ زخموں سے چور اور خون میں غلطیدہ طائف سے نکلے اور شہر سے باہر کچھ دور انگوروں کے ایک باغ کے اندر پناہ لی۔ طائفی شریر بھی اب تھک ہار کر واپس چلے گئے۔ باغ میں ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے حضور ﷺ کے جسمِ اطہر سے خون صاف کیا۔ نعلین میں خون اس طرح جم گیا تھا کہ حضور ﷺ ان سے بمشکل اپنے پاؤں باہر نکال سکے۔ قریب ہی پانی کا چشمہ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا اور پھر بارگاہِ الہی میں پرسوز دعا کی جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہر حال میں راضی رہنے کا اظہار کیا۔ اپنے ضعف اور بے بسی کی فریاد کی، اللہ کے غضب سے پناہ مانگی اور اپنا یہ عقیدہ بیان کیا کہ اللہ کی مدد اور تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔

یہ باغ مکہ کے دوریمسوں عتبہ اور شیبہ فرزند ان ربیعہ (بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی) کا تھا۔ وہ اتفاق سے طائف آئے ہوئے تھے اور اس وقت باغ میں موجود تھے۔ انھوں نے دور سے ان مقدس زخمی مسافروں کو دیکھا تو ازراہ ہمدردی اپنے نصرانی غلام عداس کو انگوروں کا ایک گچھا دے کر ان کے پاس بھیجا۔ عداس نے یہ انگور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ (بروایت دیگر بسم اللہ الرحمن الرحیم) کہہ کر انگوروں کی طرف دستِ مبارک بڑھایا۔ عداس نے حیران ہو کہا:

”خدا کی قسم، اس سرزمین کے باشندوں سے تو میں نے کبھی ایسا کلمہ نہیں سنا۔“

حضور ﷺ نے پوچھا، بھائی تمہارا آبائی وطن کون سا ہے اور تم کس دین کے پیرو ہو؟“

عداس نے جواب دیا: ”میں ارضِ نبیوا کا رہنے والا ہوں اور دینِ مسیحی کا پیرو ہوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تو تم مردِ صالح یونس بن متی کے ہم وطن ہو۔“
 فرطِ حیرت سے عداس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، بے اختیار ہو کر پوچھا:
 ”یونس بن متی، آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟“

ارشاد ہوا: ”یونس علیہ السلام میرے بھائی ہیں وہ بھی خدا کے نبی تھے اور میں بھی خدا
 کا نبی ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے عداس کو فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ حضور ﷺ کا ارشاد سنتے ہی آپ
 کے سرِ اقدس اور ہاتھوں کو چوما اور یہ کہتے ہوئے حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو گئے: ”میں گواہی دیتا
 ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

عتبہ اور شیبہ دُور سے عداس کو دیکھ رہے تھے جب وہ ان کے پاس لوٹ کر گئے
 تو انھوں نے کہا:

”عداس! تجھے کیا ہو گیا کہ تو اس مسافر کے ہاتھ اور سر چومنے لگا۔“

عداس نے جواب دیا:

”صاحبو! یہ مسافر ایک رَفِیعُ الْمَرْتَبَتِ ہستی ہے، آج روئے زمین پر اس سے
 بہتر کوئی انسان نہیں ہے، اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو ایک نبی کے سوا
 کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔“

دونوں بھائیوں نے (جو اپنے آبائی مذہب ”بت پرستی“ پر قائم تھے) عداس کو ڈانٹ
 پلائی کہ خبردار اپنا دین ترک نہ کرنا، تیرا دین اس مسافر کے دین سے بہتر ہے۔

باغ میں کچھ دیر ستانے کے بعد حضور ﷺ حضرت زیدؓ کے ساتھ واپس مکہ کی
 طرف چل پڑے۔ اثنائے راہ میں حضرت زیدؓ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ مشرکین مکہ تو آپ کے سخت دشمن ہیں، اب آپ ان کے
 درمیان کیسے جائیں گے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے زید! اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے وہ ابتلا کے اس دور سے نکلنے کی خود کوئی صورت پیدا کر دے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔“

چند دن کے سفر کے بعد مکہ کے قریب پہنچ کر حضور ﷺ نے مکہ کے ایک شریف آدمی مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی حمایت میں لے لے۔ یہ شخص بنو عبدمناف کی شاخ بنی نوفل میں سے تھا اور مشرک ہونے کے باوجود بڑا رحم دل اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے اپنی حمایت میں لینا قبول کر لیا اور آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ مکہ میں آ جائیں۔ پھر اس نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ مسیح ہو کر حرم میں پہنچ جائیں۔ حضور ﷺ شہر میں داخل ہونے کے بعد طوافِ کعبہ کے لیے مسجد حرام میں تشریف لائے تو مطعم بن عدی نے اونٹ پر سوار ہو کر اعلان کیا:

”اے گروہِ قریش! سن لو کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے۔ کوئی شخص اس پر ہاتھ اٹھانے کا قصد نہ کرے۔“

حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کے ہمراہ اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی اور پھر کاشانہٴ اقدس کو تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مطعم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے آپ پر تلواروں کا سایہ کیے ہوئے تھے۔ آلِ مطعم کے تیور دیکھ کر تمام جبارہٴ قریش خون کے گھونٹ پی کے رہ گئے۔

حضرت زیدؓ کی ہجرتِ مدینہ

طائف سے مکہ واپس آنے کے بعد حضور ﷺ نے تبلیغِ حق کا کام پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ شروع کر دیا۔ آپ عکاظ، مجنہ، ذوالحجاز اور حج کے اجتماعات میں تشریف لے جاتے اور وہاں پر موجود ہر قبیلے کے سامنے دعوتِ توحید پیش کرتے کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لے۔ حضور ﷺ کی تبلیغی مساعی کے جواب میں مشرکینِ مکہ نے سیدالانام سمیت تمام اہلِ حق پر عرصہٴ حیات تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا

نہ رکھی۔ اسی دوران میں یثرب (بعد میں مدینہ) کے قبائل اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی کہ انھوں نے دعوت حق پر لبیک کہا اور حضور ﷺ کو اس عہد کے ساتھ یثرب تشریف لانے کی دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ ﷺ کی حفاظت اور حمایت کریں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے ۱۳ نبوت میں پہلے اپنے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے جائیں۔ (اپنی ہجرت کو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک موقوف رکھا) چنانچہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئی۔ ان میں حضرت زیدؓ بھی شامل تھے۔ ان کو حضور ﷺ سے جدائی کسی صورت میں گوارا نہ تھی لیکن حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں انھوں نے عارضی طور پر جدائی قبول کر لی۔ حضرت زیدؓ نے پہلے یثرب کی نواحی بستی قباء میں قیام فرمایا: ان کو قباء میں باختلاف روایت حضرت کلثوم بن ہدم انصاریؓ یا حضرت سعد بن خیشمہ انصاریؓ نے اپنا مہمان بنایا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ربیع الاول ۴ نبوت (بعد بعثت) میں رسول اکرم ﷺ بھی مکہ سے ہجرت فرما کر پہلے قباء اور پھر چند دن کے بعد یثرب تشریف لے گئے۔ حضرت زیدؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اب یثرب مدینۃ النبی ﷺ بن گیا اور انوار رسالت سے جگمگانے لگا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ کو حضرت ابورافعؓ اور عبداللہ بن اریقظ کے ہمراہ اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکہ روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ، حضرت ام کلثومؓ، ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر، حضرت ام رومانؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے انہی اصحاب کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوہ بدر (۲ ہجری) کے بعد حضور ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ پھر مکہ گئے اور آپ ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔

حضرت اسید بن حنظلہ انصاریؓ سے بھائی چارا

مکہ میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد ان کا بھائی چارا حضرت زیدؓ سے کرا دیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت زیدؓ کو جلیل القدر انصاری صحابی حضرت اسید بن حنظلہ کا دینی بھائی بنا دیا۔ یوں حضرت زیدؓ کا دو عظیم المرتبت صحابہ (ایک مہاجر اور ایک انصاری) سے رشتہ مواخاۃ قائم ہو گیا۔ حضرت زیدؓ کی طرح ان دونوں کا شمار بھی حضور ﷺ کے محبوب صحابہ میں ہوتا تھا۔

حضرت زینبؓ سے نکاح اور علیحدگی

حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اور پھر ان سے علیحدگی عہد رسالت کا ایک اہم واقعہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی آیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت اسید بن حنظلہ کا شمار صحابہ کرامؓ کے بہترین اور برگزیدہ ترین افراد میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق مدینہ کے قبیلہ اوس سے تھا اور وہ اس قبیلے کی معزز شاخ بنی عبدالاشہل کے رئیسوں میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: اسید بن حنظلہ بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرء القیس بن زید بن عبدالاشہل۔ ہجرت نبوی سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور انصار کے سابقون اولون میں شمار ہوئے۔ ۱۳ بعد بعثت میں مکہ جا کر بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ حضور نے ان کو بنو عبدالاشہل کا نقیب تجویز فرمایا:

غزوات میں بدر کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں رسول اکرمؐ کے ہم رکاب رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ رسول اکرمؐ ان کے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان تھے۔ غزوہ حنین میں قبیلہ اوس کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بیعت سقیفہ میں نمایاں حصہ لیا اور اپنے قبیلے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کا مشورہ دیا۔

فتح بیت المقدس (۱۶ ہجری) میں حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ شام گئے۔ ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے ایک فرزند چھوڑا۔ نہایت پاک باطن اور صاف گوشتھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس صفت کی وجہ سے ان کو تمام انصار پر فضیلت دیتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: نعم الرجل اسید بن حنظلہ یعنی اسید بن حنظلہ بہترین آدمی ہیں۔

۴ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید سے کر دیا۔ حضرت زینب کا مہر حضور ﷺ نے حضرت زید کی طرف سے خود ادا کیا جو دس دینار ساٹھ درہم، ایک زنا نہ جوڑے بار برداری کے ایک جانور چچاس مد تقریباً ۲۵ سیر آٹے اور دس مد تقریباً ۵ سیر کھجور پر مشتمل تھا۔ اب تک حضرت زید خاندان نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس نکاح کے بعد حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علیحدہ مکان میں بسایا اور خانہ داری کے لیے ضروری سامان مہیا فرمایا۔ حضرت زینب تقریباً ایک سال تک حضرت زید کے نکاح میں رہیں لیکن خاندانی و نسبی عدم توازن اور طبائع کی ناموافقت کے باعث میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زید نے بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج کی سختی یا ناموافقت کی شکایت کی یہاں تک کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا:

ارشاد ہوا:

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ - (الاحزاب)

(تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو)

حضرت زید نے اس وقت تو ارشاد نبوی ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور خاموش ہو گئے لیکن میاں بیوی میں شکر رنجی بڑھتی ہی گئی۔ جب تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تو حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ حضور ﷺ کو حضرت زینب کی خانہ دیرانی اور دل شکنی کے خیال سے ملال ہوا اور آپ ﷺ نے چاہا کہ کسی طرح اس کی مکافات کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہو گئی تو حضور ﷺ نے خود ان کو شرف زوجیت بخشا چاہا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید ہی کی معرفت ان کو پیغام نکاح بھیجا تو انھوں نے اس کے جواب میں کہا:

”جب تک اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ چنانچہ اس کے بعد ہی اس حکم الہی نے ان کو امہات المؤمنین میں داخل کر دیا۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا۔

(جب زید نے حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا۔“ اس طرح حضرت زینب بنت جحش کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ اس زمانے میں حضرت زیدؓ آنحضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ”نوید بن محمد“ کے نام سے مشہور تھے۔

اس نکاح پر منافقین نے حضور ﷺ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو بہو سے نکاح کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن خود انھوں نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔

ان لوگوں کی فتنہ پردازی کا جواب بارگاہِ خداوندی سے یوں دیا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
(یعنی) لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ۔

(الاحزاب)

یعنی لوگوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔

اس حکم ربانی کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو ”زید بن محمد“ کے بجائے ”زید بن حارثہ“ کہنے لگے اور دورِ جاہلیت کا یہ خیال بھی ہمیشہ کے لیے باطل ہو گیا کہ منہ بولا بیٹا بھی حقیقی (صلبی) بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت زیدؓ میدان جہاد میں

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ان کا شوقِ جہاد ہے۔ ہادی اکرم ﷺ کی صحبت اور تربیت نے ان کو راہِ حق کا ایک سرفروش مجاہد بنا دیا تھا۔ وہ ایک ماہر تیرانداز اور مشاق تیغ زن تھے اور بڑے بہادر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت زیدؓ نے غزوہ بدر سے معرکہ موتہ تک غزوہ بنی مصطلق (غزوہ مرسیح) کے سوا تمام اہم غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ غزوہ بنی مصطلق میں اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا تھا۔ غزوات کے علاوہ انھوں نے متعدد سرایا کی قیادت کا شرف بھی حاصل کیا ان کی تعداد باختلاف روایت سات یا نو تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں حضرت زیدؓ شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ رسول اللہ ﷺ ان ہی کو عطا فرماتے تھے۔ ان کی قیادت میں لڑے جانے والے چند سرایا کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سر یہ قرودہ (جمادی الاخریٰ ۳ ہجری)

جمادی الاخریٰ ۳ ہجری میں قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ صفوان بن امیہ کی قیادت میں شام کی جانب روانہ ہوا۔ اس کی رہبری قبیلہ بکر بن وائل کا ایک شخص فرات بن حیان عجمی کر رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو ایک معتذر ذریعے سے اس قافلے کی روانگی کی اطلاع مل گئی۔ اس تجارتی کارواں میں ایک لاکھ درہم مالیت کی چاندی کی مصنوعات اور کچھ دوسری اشیاء تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سوار دے کر اس قافلے پر چھاپا مارنے کے لیے روانہ کیا۔ حضرت زیدؓ نے بڑی تیزی سے راستہ طے کیا اور قرودہ نامی ایک چشمے کے قریب قریش کے کاروان تجارت کو جا لیا۔ صفوان بن امیہ اور قافلے کے دوسرے محافظوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور انھوں نے بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

مجاہدین نے کارواں کے سارے مال اسباب پر قبضہ کر لیا اور اس کے رہبر (Guide) فرات بن حیان کو گرفتار کر کے تمام سامانِ غنیمت کے ساتھ مدینہ لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت کا خمس نکال کر باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

فرات بن حیان کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور وہ رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور حضور ﷺ نے ان کو رہا کر دیا۔

سریہ جموم یا جموح (ربیع الآخر ۶ھ)

ربیع الآخر ۶ ہجری میں رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم کسی شرارت کے لیے جموم کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ جموم بنو سلیم کے ایک چشمے اور نخلستان کا نام تھا جو مرالظہران (موجودہ وادی فاطمہ) کے علاقے میں واقع تھا۔ حضور ﷺ نے ان کی خوشحالی کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کو ایک مضبوط جیش کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت زید بنو سلیم کے علاقے میں پہنچے تو اس قبیلے کے لوگ روپوش ہو گئے۔ اتفاق سے حضرت زید کو قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ مل گئی جس نے بنو سلیم کے قیام کی جگہ سے حضرت زید کو آگاہ کر دیا۔ حضرت زید نے اس مقام کے گرد گھیرا ڈال کر بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور کثیر تعداد میں مویشیوں اور بکریوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان سب کو ساتھ لے کر انہوں نے

۱۔ فرات بن حیان کو قبول اسلام کے بعد شرف صحابیت حاصل ہو گیا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اسلام اور صحابیت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وہ راہ حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔ ۳ ہجری کے بعد ہونے والے عہد رسالت کے تمام غزوات میں وہ رسول اکرم کے ہم رکاب رہے اور ہر غزوے میں سر بکف ہو کر لڑے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ فرات بن حیان نے جہاد میں حصہ لینے کے علاوہ علم دین بھی بڑے شوق سے حاصل کیا۔ اس لیے رسول اللہ کی نظر میں ان کی بہت عزت تھی۔ آپ نے ان کو یمامہ میں ایک جاگیر عطا فرمائی اور جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو حضور نے انہیں حضرت ثمامہ بن اثال کے پاس مسیلمہ سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ حضور کی وفات کے بعد حضرت فرات بن حیان مکہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سال وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۱۵ الاستیعاب ج ۲ ص ۵۲۰)

مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں میں مسلمانوں کو بنو سلیم کی قیام گاہ کا پتا بتانے والی عورت حلیمہ بھی شامل تھی۔ حضور ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا اور اس کی شادی کر دی۔ دوسری روایت ہے کہ حلیمہ اور اس کا خاوند دونوں قیدیوں میں شامل تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو آزاد کر دیا۔

(طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ جموم ص ۶۲، تلخیص ص ۲۹)

سریہ عیص (جمادی الاولیٰ ۶ ہجری)

جمادی الاولیٰ ۶ ہجری میں آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ تجارتی سامان سے لدا پھندا شام سے واپس آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو ایک سو ستر سوار دے کر اس کی طرف بھیجا۔ حضرت زید نے بنو سلیم کے علاقے میں واقع ایک مقام عیص پر اس قافلے کو جا گھیرا اور اس کے محافظوں کو گرفتار کر کے سامان سمیت مدینہ منورہ لے آئے۔ قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابوالعاص ربیع (حضرت زینب کے شوہر) بھی تھے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوالعاص گرفتار نہیں ہوئے بلکہ وہ اسلامی لشکر سے بچ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے حضرت زینب کی پناہ حاصل کر لی پھر حضرت زینب ہی کی سفارش پر حضور ﷺ نے نہ صرف ابوالعاص کا بلکہ سارے قافلے کا سامان واپس کر دیا اور قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔ اس قافلے کی قیادت ابوالعاص ہی کر رہے تھے۔ وہ یہ سامان لے کر مکہ پہنچے اسے ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ ”اے اہل مکہ سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، خدا کی قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم مجھے خائن نہ سمجھو۔“ اس کے بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔

(طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ عیص ص ۶۳، تلخیص ص ۲۹)

سُریہ طرف (جمادی الآخریٰ ۶ ہجری)

بعض روایتوں میں اس مہم کا نام ”سُریہ طرُق“ آیا ہے۔ طرف یا طرُق مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر بجانب عراق ایک چشمہ تھا۔ اس کے گرد و نواح میں بنو ثعلبہ آباد تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس علاقے میں کچھ لوگ مسلمانوں کے خلاف شرارت کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گئے۔ حضرت زید طرف یا طرُق پہنچے تو وہاں دشمن کا نام و نشان تک نہ پایا البتہ ان کو باختلاف روایت چار یا بیس اونٹ ہاتھ آئے جنہیں لے کر وہ چار دن کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔

(تلخیص ص ۲۹، ریحق المختوم اردو ص ۵۲۵ ضیاء النبی ﷺ جلد چہارم ص ۱۱۷)

سُریہ وادی القریٰ یا سُریہ ام قرفہ فزارہ (رمضان ۶ ہجری)

بعض اہل سیر نے اس سُریہ کا زمانہ وقوع رجب ۶ ہجری بیان کیا ہے لیکن جمہور ارباب سیر کے نزدیک اس کا زمانہ وقوع رمضان ۶ ہجری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

رمضان ۶ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ وادی القریٰ میں پہنچے تو بنو فزارہ کی ایک شاخ بنو بدر کے رہنوں نے قافلے پر چھاپا مارا اور سارا سامان تجارت لوٹ لیا۔ حضرت زید کے ساتھ مسلمانوں کی بہت قلیل جمعیت تھی۔ اسے رہنوں کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھانی پڑی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت زید کے نو ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود بڑی مشکل سے جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے۔ انھوں نے آنحضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے ایک مضبوط جیش (لشکر) ان کو دے کر رہنوں کی گوشالی پر مامور فرمایا: وہ بڑی احتیاط سے دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے اور بنو فزارہ پر یکا یک حملہ

کر کے ان کے کئی آدمیوں کو مار ڈالا۔ باقی سب بھاگ گئے البتہ ان کی حکمران ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن بدر اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت زیدؓ واپس مدینہ منورہ آئے تو رسول اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ زیدؓ نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور ﷺ اس حالت میں باہر تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے جوشِ مسرت میں زیدؓ کو اپنی بغل میں لے لیا۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر دیر تک زیدؓ سے اس مہم کے حالات دریافت فرماتے رہے۔

(طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زیدالی ام القری ص ۶۵، تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۲، رحمۃ اللعالمین جلد دوم)

سُریہ حِمْیَری

صلح حدیبیہ (ذیقعد ۶ ہجری) کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں اور عرب کے کچھ مقتدر لوگوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے (ان کی تفصیل الگ بیان کی گئی ہے۔) ان میں ایک مکتوب گرامی ہرقل (شاہ روم) کے نام بھی تھا۔ یہ مکتوب گرامی حضور ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کے سپرد کیا اور انھیں ہدایت فرمائی کہ اسے بصری کے حاکم کو پہنچادیں۔ وہ اسے ہرقل کے پاس بھیج دے گا۔ حضرت دحیہؓ یہ مکتوب گرامی لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ مال تجارت بھی ساتھ لے لیا۔ جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے میں پہنچے تو اس قبیلے کے چند افراد نے (جنھوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا) حضرت دحیہؓ پر حملہ کیا اور ان سے مال تجارت چھین لیا۔ اس قبیلے کے کچھ خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ انہیں پتا چلا تو وہ دوڑے آئے اور حضرت دحیہؓ کا جو سامان رہزنیوں نے چھینا تھا، ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑا کر انہیں واپس دے دیا لیکن حضرت دحیہؓ جذامی رہزنیوں کی حرکت پر اس قدر غضب ناک ہوئے کہ بصریؓ جانے کے بجائے واپس مدینہ منورہ آ گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا

واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فوراً حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں پانچ سو مجاہدین پر مشتمل ایک تعزیری مہم بنو جذام کی طرف روانہ فرمائی۔

”بنو جذام“ ایک قحطانی قبیلہ تھا جو زید بن کہلان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ حسمی نامی ایک پہاڑی سلسلے (بروایت دیگر وادی القریٰ کے شمال میں ایک علاقے) میں آباد تھے۔ ان کی آبادی مدینہ منورہ سے سو سو سو میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ حضرت زیدؓ نے مدینہ سے حسمی تک کا سفر بڑی احتیاط کے ساتھ طے کیا۔ وہ دن کو اپنے ساتھی سواروں سمیت پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ اس طرح حسمی پہنچنے تک دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کی خوب گوشمالی کی۔ بنو جذام کا سردار ہند بن عوص اپنے بیٹے سمیت مارا گیا۔ مجاہدین کو مال غنیمت میں ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ جس وقت یہ مال غنیمت مدینہ منورہ پہنچا تو اس سے پہلے کہ اسے تقسیم کیا جائے، بنو جذام کے مسلمان ہو جانے والے افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قبیلے پر رحم کیا جائے اور سارے قیدی مال مویشیوں سمیت چھوڑ دیے جائیں چونکہ ان لوگوں نے حضرت دجیہؓ کی مدد بھی کی تھی اس لیے حضور ﷺ نے ان کی سفارش منظور فرمائی اور تمام قیدی رہا کرنے اور مال غنیمت واپس کرنے کا حکم دیا۔

بعض مؤرخین نے اس مہم کا زمانہ وقوع جمادی الآخریٰ ہجری بیان کیا ہے لیکن مشہور

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت دجیہؓ کے قافلے پر اس وقت ڈاکہ پڑا جب وہ سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اور تعزیری (تادیبی) مہم آنحضرتؐ نے جمادی الآخریٰ ہجری میں روانہ فرمائی لیکن نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی میں قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ڈاکہ کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت دجیہؓ حضورؐ کا مکتوب گرامی لے کر جا رہے تھے (نہ کہ ان کی واپسی پر) اور تعزیری مہم آپؐ نے صلح حدیبیہ (ذیقعد ۶ ہجری) غزوہ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے درمیانی عرصے میں روانہ فرمائی۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور صفحہ ۲۳۸)

محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سریہ صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے درمیانی عرصے میں کسی وقت پیش آیا۔

معرکہ موتہ اور حضرت زید کی شہادت (جمادی الاولیٰ ۸ ہجری)

”موتہ“ کا تلفظ موتہ (م پر پیش اور واؤ ساکن) اور موتہ (م پر پیش اور واؤ پر ہمزہ اور جزم) دونوں طرح کیا جاتا ہے۔

یہ جنوبی اردن کی سرحد پر بحر مردار کے جنوب مشرق میں ایک آبادی کا نام ہے۔ بیت المقدس سے اس کا فاصلہ تقریباً ۳۵ کلومیٹر اور کرک سے بارہ کلومیٹر (بجانب جنوب) ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کی مسافت گیارہ سو کلومیٹر ہے۔ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں موتہ کے قریب غیر مسلم (عیسائی اور بت پرست) عرب قبائل اور رومیوں کے بہت بڑے متحدہ لشکر اور ایک چھوٹے سے اسلامی لشکر کے درمیانی خونریز لڑائی ہوئی۔ بعض محدثین (بشمول امام بخاری) نے اس لڑائی کو غزوہ کا نام دیا ہے لیکن (بیشتر ارباب سیر اور مورخین نے اس کا ذکر سریہ ہی کے نام سے کیا ہے۔

پس منظر

صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں ایک خط (اپنے ایک جاں نثار حضرت حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بصری کے (نصرانی عرب) حاکم کے نام بھی بھیجا جو رومی سلطنت کے تابع تھا۔ حضرت حارث بن عمیر موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر روم کی طرف سے بلقاء کے (عیسائی عرب) حاکم شرجیل بن عمرو غسانی نے ان کو گرفتار کر کے نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ قاصد یا سفیر کا قتل کسی مذہب یا قانون میں جائز نہیں۔ حضور ﷺ کو اپنے قاصد کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں حارث بن عمیر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین

حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اگر لڑائی میں زید بن حارثہ شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاری لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو مناسب سمجھیں امیر بنالیں۔

آنحضور ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس لشکر کی مدینہ منورہ سے کچھ دور ثنیۃ الوداع تک مشایعت فرمائی (بعض محدثین کرام نے غالباً اسی بنا پر موتہ کے معرکے کو غزوہ کہا ہے۔ اور مدینہ منورہ کو واپس جانے سے پہلے حضور ﷺ نے لشکر کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ پہلے حارث بن عمیر کے قتل کی جگہ پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کرو۔ اس ہدایت کے علاوہ آپ ﷺ نے لشکر کو امیر لشکر کے ذریعے تاکید کی کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے جہاد کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ان کے درخت نہ کاٹنا، ان کے گھر مسمار کرنا، عہد شکنی نہ کرنا، کوئی کھجور کا درخت نہ کاٹنا اور نہ ان لوگوں سے کوئی تعرض کرنا جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں۔

(محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا)

میدان جہاد میں

شرحبیل بن عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے بھی زور شور سے مقابلے کی تیاری کی۔ اس نے ایک طرف تو اپنے حلیف عرب قبائل بہراء بلیقین بلی، لخم اور جذام کو ساتھ ملا کر ایک بڑا لشکر جمع کر لیا اور ساتھ ہی ہرقل سے مدد مانگ بھیجی جو بقاء کے

۱۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت جعفر نے حضور کی خدمت میں عرض کیا:

”یا رسول اللہ! مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے۔“

حضور نے فرمایا: ”جعفر! اس بات کو جانے دو تم نہیں جانتے کہ اللہ کے نزدیک بہتر کیا ہے۔“

(طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۳۲)

علاقے میں مآب کے مقام پر ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا، اس نے تقریباً ایک لاکھ رومی جنگجو شہیل کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ اسلامی لشکر نے حدود شام میں داخل ہو کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو انہیں غنیم کی کثیر تعداد اور جنگی تیاریوں کا علم ہوا۔ بعض اصحاب نے رائے دی کہ رسول اکرم ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لکار کر فرمایا:

”اے لوگو! تم کس بات سے گھبرار رہے ہو، تمہارا مطلوب و مقصود تو راہ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ مسلمان کبھی مادی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے۔ وہ صرف دین حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے انہیں عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو اور دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کر لو، شہادت یا فتح۔“

حضرت عبداللہ کی تقریر نے تمام مجاہدین کے دلوں میں شوق شہادت کے شعلے بھڑکا دیے اور وہ موت پہنچ کر ایک لاکھ رومیوں اور ہزاروں عرب عیسائیوں کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

مجاہدین اسلام اور دشمن کی فوج میں ایک اور ساٹھ کی نسبت تھی لیکن مجاہدین سر بکف ہو کر اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکاراٹھی۔ انہوں نے کشتوں کے پستے لگا دیے مگر دشمن کا ٹڈی دل کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خود بھی مصروف جہاد تھے اور لشکر کو بھی لڑا رہے تھے، عین اس وقت مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جب لڑائی پورے شباب پر تھی۔ ان کے فرش خاک پر گرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور گھوڑے سے کود کر اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی

صفوں میں گھس گئے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

يَا حَبْدَ الْجَنَّةِ وَاقْتِرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَبَارِدًا شَرَابُهَا
وَالرُّومَ رَدْمٌ قَدَدْنَا عَذَابُهَا كَافٍ بَعِيدَةٌ أَنْسَابُهَا
عَلَى إِذْلَاقِهَا ضِرَابُهَا

ترجمہ: - جنت کیا ہی اچھی ہے اور اس کی قربت کتنی پیاری ہے اور اس کا پانی کتنا

ٹھنڈا ہے۔

رومی وہ لوگ ہیں جن کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ کافر ہیں اور ان کے نسب ناموں میں گڑ بڑ ہے۔

مجھ پر فرض تھا کہ جب وہ میرے سامنے آئیں تو ان پر وار کروں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہر طرف سے تیروں تلواروں اور برچیوں کی بارش ہو رہی تھی لیکن وہ زخم پر زخم کھاتے آگے ہی بڑھتے جاتے تھے۔ اس حالت میں بھی جو دشمن ان کے سامنے آتا، اس کو چشم زدن میں ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ آخر دشمنوں نے نرغہ کر کے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ انھوں نے فوراً علم دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دوسرا ہاتھ بھی شہید ہو گیا تو علم کو سینے سے چمٹا لیا۔ اسی حالت میں دشمن کا ایک نیزہ ان کے سینے کے پار ہو گیا اور وہ زمین پر گر گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہ لشکر کے قائد بنے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے تین دن سے کوئی غذا نہ کھائی تھی، شہادت سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے گوشت رکھا گیا تا کہ کھا کر پوری قوت سے لڑنے کے قابل ہو سکیں۔ ابھی پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنی۔ انھوں نے وہ لقمہ فوراً اگل دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا، جعفرؓ دنیا سے کوچ کر گئے اور تو ابھی تک دنیا میں مشغول ہے۔ پھر

شمشیر بدست علم سنبھال کر صف جنگاہ میں گھس گئے۔

لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس سے وہ لٹک گئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر پڑے اور پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا۔ اس طرح وہ جسم سے الگ ہو گئی۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے سخت ناتوانی محسوس کی اور دل میں کچھ تردد سا پیدا ہوا کہ کیسے لڑوں، لیکن یہ تردد فوراً ہی دور ہو گیا اور انہوں نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے نفس یہ تردد اگر بیوی کے لیے تو اس کو طلاق، اگر غلاموں کی وجہ سے ہے تو وہ سب آزاد، اگر باغ اور زراعت کی وجہ سے ہے تو وہ سب اللہ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد پھر مردانہ وار تلوار چلاتے اور جزیہ اشعار پڑھتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور دیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔ اسی دوران میں دشمن کے ایک سپاہی نے تاک کر ان کے سینے میں برچھی ماری جس سے زمین پر گر گئے اور سینے سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ خون کو اپنے چہرے پر ملا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

”مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ۔“

(یعنی دشمن میری لاش کو خراب نہ کرنے پائیں۔)

چنانچہ بہت سے مجاہدین نے کفار کو پیچھے دھکیل کر ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اسی اثنا میں ان کی روح روضہ رضوان کو سدھا ر گئی۔

بنا کردند خوش رسے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مسلمانوں کی فتح

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید کو امیر لشکر منتخب کیا۔ انہوں نے غازیان دین کو مجتمع کر کے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت موتہ کے

میدان میں مسلمان موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ میں رسول اللہ مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

”نشان (علم) لیا زید نے اور وہ (لڑتے ہوئے) شہید ہوئے، نشان لیا اب جعفر نے (اور کچھ دیر بعد) وہ بھی شہید ہوئے۔ نشان لیا اب عبداللہ بن رواحہ نے اور وہ بھی (لڑتے لڑتے) شہید ہوئے۔ اب نشان لیا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اس کو فتح دی گئی۔“
(صحیح بخاری ۲/۶۱۱ باب غزوة موتہ)

اُسی دن۔ سے حضرت خالد بن ولید کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) پڑ گیا۔

حضرت خالد بن ولید کا بیان ہے کہ معرکہ موتہ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں آخر میں صرف ایک (چھوٹی سی) یعنی تلوار میرے پاس باقی رہ گئی۔

معرکہ موتہ کے وقت میدان جنگ کا نقشہ (منظر) حضور کے سامنے کر دیا گیا تھا یا آپ کو وحی کے ذریعے پل پل کی خبر دی جا رہی تھی، صورت واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے کہ مجاہدین کے مدینہ منورہ واپس آنے سے کافی دن پہلے حضور نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر صحابہ کو دے دی تھی اور حضرت خالد کے ہاتھ پر فتح کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ اس واقعہ کو حضور کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

موتہ کے خونریز معرکے میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے سینکڑوں آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

شہداء کے بچوں کی دلداری

حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اسلام کے جانباز سپاہی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور نہایت محبوب اصحاب تھے۔ ان کی شہادت سے

آپ ﷺ کو بے حد صدمہ پہنچا اور آپ ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ کو سنا تے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

اخوانی و مونسائی محدثائی

(وہ میرے بھائی، میرے مونس اور میرے جلیس تھے)

(اسد الغابہ جلد ۱ تذکرہ حضرت جعفر بن ابی طالب)

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کی ایک بیٹی شفیق والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو حضور ﷺ پر بھی رقت طاری ہو گئی اور آپ اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے پھر غم زدہ بچی کو تسلی دی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ جذبہ محبت ہے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۲) سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی اہلیہ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی تو آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر بچوں کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر سنائی۔ پھر اپنے گھر جا کر ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا پکاؤ، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ تین دن تک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو کھانا کھلاتے رہے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۸۰-۳۹۱)

حضرت جعفرؓ کا اعزاز

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے سلسلے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض دو نئے بازو (شہپر) عطا کیے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں پرواز کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جعفرؓ

جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں چنانچہ وہ طیار (اڑنے والے) اور ذوالجنائین کے لقب سے مشہور گئے۔

(زاد المعاد ج ۱ ص ۳۱۵ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۰۹)

حضرت زیدؑ نے کتنی عمر پائی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ شہادت کے وقت حضرت زید بن حارثہؑ کی عمر پچیس برس کی تھی۔ (الاصابہ) لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پچاس سال کے لگ بھگ عمر پائی۔ اس کی بنیاد طبقات میں درج حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد سے عمر میں دس برس بڑے تھے۔

حلیہ

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت زید بن حارثہؑ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے:

”قد پست، ناک چپٹی اور رنگ گہرا گندمی تھا۔ (الاصابہ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت زیدؑ کا قد کوتاہ اور رنگ کھلا ہوا گندمی۔ (سرخ و سفید) تھا۔ (أسد الغابہ)

ازواج و اولاد

الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم نے سیر الصحابہ (مہاجرین جلد اول) میں لکھا ہے کہ حضرت زید بن حارثہؑ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں:

۱- حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

۲- حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، مزاج کی ناموافقت کی وجہ سے حضرت زیدؑ نے ان کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد ان کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔

۳- ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا

یہ رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اروی بنت کریم کی صاحبزادی تھیں۔
(حضرت اروی، ام الحکیم البیضاء، بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) حضرت عثمان بن
عفان ان کے اخیانی بھائی تھے۔

۴- درہ بنت لہب

اس نام کی کسی صحابیہ کا نام کتب سیر میں نہیں ملتا البتہ درہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا کا
نام ملتا ہے لیکن ان کی شادی حارث بن نوفل ہاشمی سے ہوئی تھی۔

۵- ہند بنت عوام

ان کا نسب نامہ اور دوسرے حالات زندگی بھی کسی نے نہیں لکھے۔

اگر یہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ کے والد عوام بن خویلد کی بیٹی
تھیں تو عوام بن خویلد کی کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہوں گی۔ حضور ﷺ کی
پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب سے عوام کے ایک ہی بیٹے حضرت زبیرؓ تھے۔
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت زیدؓ کے ایک فرزند حضرت اسامہؓ
پیدا ہوئے ان کو بھی اپنے والد کی طرح حضور ﷺ کے محبوب بننے کی سعادت نصیب ہوئی
اور وہ بھی حب النبی ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت زیدؓ کے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک
لڑکا زید اور ایک لڑکی رقیہ۔ ان دونوں نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

دوسری بیویوں سے ان کی کسی اولاد کا ارباب سیر نے ذکر نہیں کیا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم نے بھی اپنی تالیف ”غلامان اسلام“ میں حضرت
زیدؓ کی ازواج و اولاد کے یہی نام لکھے ہیں۔

محاسن اخلاق و فضائل

اربابِ سیر نے حضرت زید بن حارثہ کے اخلاق کا ذکر کسی الگ (خاص) باب میں نہیں کیا البتہ ان کے ترجمہ (حالاتِ زندگی) سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے جس ہستی کی صاحبِ خلقِ عظیم ہادی اکرم ﷺ نے سالہا سال تک تربیت کی ہو اس کے اخلاق کے ارفع و اعلیٰ ہونے پر کیا کلام ہو سکتا ہے؟ منجملہ دوسرے محاسن کے ان کے اخلاق کے یہ چار پہلو تو بہت نمایاں ہیں:

حُبِ رسول، وفا شعاری، شوقِ جہاد اور شجاعت

یہ حضرت زید کی خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ سے انتہائی عقیدت، محبت اور سالہا سال تک آپ ﷺ کی دل و جان کے ساتھ خدمت ہی تھی کہ حضور ﷺ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا، متبنی اور گھر کا ایک فرد قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ رتبہ کسی ایسے فرد ہی کو مل سکتا تھا جو اخلاقِ حسنہ کا پیکر جمیل ہو اور حضرت زید یقیناً ایسے ہی فرد تھے۔ ان کی وفا شعاری کا یہ عالم تھا کہ حضور ﷺ کے دامنِ اقدس سے وابستہ رہنے کو اپنے والدین، اعزہ و اقارب اور وطن پر ترجیح دی۔ جہاں تک ان کے شوقِ جہاد کا تعلق ہے تو یہ اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ ہی تھا کہ ۸ ہجری (سال شہادت) تک ہونے والے بیشتر غزوات میں اپنے آقا ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ متعدد سرایا میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی۔ یہ ان کی شجاعت اور عسکری امور میں مہارت اور قائدانہ صلاحیت ہی تھی کہ حضور ﷺ جس مہم (سریہ) پر ان کو بھیجتے انہی کو لشکر کا قائد مقرر فرماتے۔ مشہور صحابی حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ میں سات لڑائیوں میں حضرت زید کے ساتھ شریک ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ہر لڑائی میں رسول اللہ ﷺ نے زید (رضی اللہ عنہ) کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔

ایک اور روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”ایسا کبھی نہیں ہوا کہ

رسول اللہ ﷺ نے کسی لڑائی میں حضرت زید کو بھیجا ہو اور انہیں اس لشکر کا قائد نہ بنایا ہو اگر وہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ ہوتے تو آپ ﷺ انہیں اپنا جانشین بناتے۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۱)

رسول اکرم ﷺ کو حضرت زید سے اس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ کسی سے ان کی ذات یا حسب نسب کے بارے میں کوئی ناملائم بات سنتے تو آپ کو بہت رنج ہوتا۔ ایک دفعہ بغض لوگوں نے اس قسم کی طعن آمیز باتیں کیں کہ زید اسامہ کے حقیقی باپ نہیں ہیں کیونکہ زید کا رنگ کھلا گندی (یا سفید) ہے اور اسامہ کا رنگ سیاہ ہے۔ حضور ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں تو آپ بہت ملول ہوئے۔ صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ اسی زمانے میں ایک دن رسول اللہ ﷺ نہایت شاداں و فرحاں گھر تشریف لائے اس وقت آپ کا روئے انور فرط مسرت سے جگمگا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے آتے ہی فرمایا: ”عائشہ! جانتی ہو ابھی مجزرد لہجی قیافہ شناس آیا تھا۔ اس وقت زید اور اسامہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ صرف دونوں کے پاؤں چادر سے باہر تھے۔ مجزرد نے دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے پیدا ہیں۔ (یعنی ان پاؤں والوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔)

فی الحقیقت حضرت زید بن حارثہ آسمان فضائل کے مہر عالم تاب ہیں ان کو اپنے سال شہادت تک عہد رسالت کی ہر بڑی سے بڑی سعادت حاصل ہوئی، سبقت فی الاسلام، ہجرت مدینہ، غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں سرفروشی، بیعت رضوان میں شرکت، غزوہ مرہ سیح کے موقع پر مدینہ میں حضور ﷺ کی جانشینی، رتبہ شہادت کا حصول اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہونا، ان کے صحیفہ فضائل کے نمایاں ابواب ہیں۔ بارگاہ رسالت میں غیر معمولی تقرب کی بدولت دوسرے تمام صحابہ میں وہ بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں

صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو حضرت زیدؓ کے فرزند حضرت اسامہؓ کا وظیفہ اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کے وظیفہ سے زیادہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا: ”میں تمام غزوات میں اسامہؓ کے دوش بدوش رہا، آپ بھی کسی لڑائی میں اسامہؓ کے والد زیدؓ سے پیچھے نہیں رہے پھر میرا وظیفہ آپ نے اسامہؓ سے کم کیوں مقرر کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

جان پدر! تم ٹھیک کہتے ہو لیکن رسول اللہ ﷺ اسامہؓ کو تم سے اور اسامہؓ کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔
(الاصابح ج ۳ ص ۲۶)

جیشِ اسامہؓ (۱۱ ہجری)

حضرت زید بن حارثہؓ کے سوانح حیات بیان کرتے ہوئے بے محل نہ ہوگا کہ یہاں ان کے تتمہ کے طور پر جیشِ اسامہؓ کا ذکر بھی کر دیا جائے کیونکہ اس واقعہ سے بھی شہید موتہ حضرت زیدؓ اور ان کے جلیل القدر فرزند حضرت اسامہؓ سے رحمتِ عالم ﷺ کا غیر معمولی تعلق خاطر ظاہر ہوتا ہے۔

حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ماہ صفر ۱۱ ہجری میں رسول اکرم ﷺ نے ایک لشکر تیار فرمایا: اس لشکر میں متعدد اکابر مہاجرین و انصار صحابہؓ شامل تھے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”سیرۃ النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی علالت کے آغاز سے ایک روز پہلے اس لشکر کا امیر اپنے محبوب حضرت زیدؓ بن حارثہ (شہید موتہ) کے انیس بیس سالہ فرزند حضرت اسامہؓ بن زید کو مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ بلقاء اور داروم کے فلسطینی علاقے اپنے گھوڑوں سے روند آؤ۔ یہ علاقے اس زمانے میں قیصر روم کے زیر تسلط تھے۔ اس مہم کے مقصد کے بارے میں کچھ اور روایتیں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے بھیجنے کا مقصد غزوہ موتہ کا بدلہ لینا تھا جس میں حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت

عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکرِ اسلامی کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ شمالی سرحد پر شام میں رومی، مملکتِ اسلامیہ کے خلاف مصروفِ شرارت تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے یہ لشکر مرتب فرمایا: تیسری روایت یہ ہے کہ اس مہم کا مقصد شام اور عرب کی سرحد کے قریب آباد عرب قبائل کا اعتماد بحال کرنا تھا کہ اسلامی حکومت اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی پشت پر ہے اور ان کو شام کے رومی عیسائیوں سے ہرگز مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں ہی مقاصد اس مہم کے پیش نظر تھے۔

حضرت اسامہؓ کی عمر کو دیکھتے ہوئے بعض اصحاب نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسامہؓ کم عمر اور ناتجربہ کار ہیں۔ ان کی جگہ کسی جہاندیدہ آدمی کو امیر لشکر (سپہ سالار) مقرر فرمائیں۔ آنحضور ﷺ نے ان اصحاب کی اس بات پر ناگواری محسوس فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ کی علالت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی علالت کی حالت میں آپ ﷺ سر اقدس پر پٹی باندھے ہوئے کاشانہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر آپ ﷺ نے ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

”اسامہؓ کی امارت پر تمہارا اعتراض کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اللہ کی قسم وہ بھی امارت کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی افسری کا اہل ہے۔ وہ بھی مجھ کو بہت محبوب تھا اور یہ بھی ہر حُسنِ ظن کے لائق ہے۔“

اس خطبہ کے بعد حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہؓ کو علمِ عنایت فرمایا اور جیش کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ کاشانہ اقدس میں واپس تشریف لے گئے۔ اس لشکر نے مدینہ سے باہر نکل کر تین میل کے فاصلے پر مقامِ جُرف میں پڑاؤ ڈالا تاکہ باقی لوگ جو آنا چاہتے ہیں وہ سب وہاں جمع ہو جائیں۔ اس اثنا میں آنحضور ﷺ

کی علالت شدت اختیار کر گئی۔ حضرت اسامہؓ کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے پاس تھیں۔ وہ ہاشمی خاندان کے بہت سے افراد کا وقت آخر دیکھ چکی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں جن سے انہیں یقین ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اس دار فانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت اسامہؓ کو پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں تم فوراً مدینہ واپس آ جاؤ۔ جو نبی یہ ولد و زخیر حضرت اسامہؓ کو ملی وہ لشکر میں شریک تمام اکابر صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ ان کے واپس آنے کے جلد ہی بعد حضور ﷺ نے رحلت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی ساری فوج جرف سے مدینہ واپس آ گئی اور یہ مہم ملتوی ہو گئی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة زید حارثہ، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۲)

ص ۶۵۰ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴۱)



۱۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی یہ لشکر دوبارہ منظم کیا اور اسے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی قیادت میں منزل مقصود کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت اسامہؓ ارضِ شام میں دور تک فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے ابنی (خان الزیت) تک پہنچ گئے اور چند دن دمشق کے قریب ایک مقام المرزہ میں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ اس مہم میں باختلاف روایت چالیس دن یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ صرف ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ یہ مہم نہ صرف سریر موتہ کا جواب تھی بلکہ تسخیر شام کی تمہید بھی تھی۔

(طبقات ابن سعد، تلخیص ابوالغابہ)

فَقِيهُ الْأُمَّتِ

حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ

مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو جب کسی نیکی کے کرنے کا موقع ملے فوراً وہ نیکی کرے کیونکہ ممکن ہے پھر یہ موقع نہ ملے۔ اب موقع حاصل ہے پھر ہو سکتا ہے کہ ایسا غریب ہو جائے کہ غریبی اس کو نیک کاموں کی توفیق نہ دے یا ایسا دولت مند ہو جائے کہ دولت مندی کے گھمنڈ میں نیکی سے جاتا رہے یا ایسا بیمار ہو جائے کہ نیک کام ہی سرزد نہ ہو یا ایسا بوڑھا ہو جائے کہ نیک کام کرنے کا ہوش ہی نہ رہے یا موت آجائے کہ جس سے سلسلہ اعمال ہی منقطع ہو جائے یا کسی اور فتنہ یا حادثہ میں مبتلا ہو جائے اس لیے اے لوگو! جب موقع ملے فوراً نیکی کرو۔

(جامع ترمذی)

فَقِيهُ الْأُمَّتِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

نام و نسب

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کے وہ رَجُلِ عَظِيمِ ہیں جو بعثت نبوی ﷺ کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کر کے سَابِقُونَ الْأَوَّلُونَ کی معذور جماعت میں شامل ہوئے اور پھر اپنے آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، ساتھ ہی والہانہ ذوق و شوق سے آپ ﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کی اور پھر اسی ذوق و شوق سے یہ تعلیم دوسرے لوگوں کو بھی دی۔ یوں ان کا شمار نہ صرف ہادی اکرم ﷺ کے خادمانِ خاص بلکہ فضلاء صحابہ و اساطین امت میں بھی ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ کی کنیت ابو عبدالرحمنؓ والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔ خاندان کا تعلق ایک عرب قبیلے بنو ہذیل سے تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن ریح بن فاز بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد مسعود بن غافل اپنا وطن (مسکن) چھوڑ کر مکہ میں آئے تھے اور ایام جاہلیت میں قریش کے خاندان بنو زہرہ (کے عبد بن حارث بن زہرہ) کے حلیف تھے۔ مسعود نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا البتہ والدہ ام عبد کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرت ﷺ ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے

اور ان کے نام کی نسبت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اکثر ”ابن ام عبد“ کہہ کر بلایا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عنفوان شباب تھا کہ آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور خیر البشر ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک مشرک رئیس عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں (اجرت پر) چرایا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ جنگل کی چراگاہ میں بکریاں چرا رہے تھے، ان کو رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرفِ ملاقات نصیب ہو گیا اور یہی شرف ملاقات ان کے ایمان لانے کا موجب بن گیا۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کی (یا اس سے کچھ زیادہ) تھی۔ اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ انھوں نے خود اس طرح بیان کیا ہے:

”میں سن تمیز کو پہنچ گیا تھا اور (ایک دن) عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرا رہا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لائے، ابو بکر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضور ﷺ (رسول اللہ) نے مجھ سے فرمایا: اے لڑکے! تیرے پاس کچھ دودھ ہے؟ میں نے عرض کیا: اِنِّیْ مُوْتَمِّنٌ یعنی مجھ کو امانت دار بنایا گیا کہ بکریاں چراؤں اور ان کی حفاظت کروں (مطلب یہ کہ میں بکریوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ امین ہوں اس لیے مالک کی اجازت کے بغیر دودھ نہیں دے سکتا۔) آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا تو کوئی ایسی بکری لے آؤ جو گا بھن نہ ہو (بچہ دینے کے قابل نہ ہوئی ہو) چنانچہ میں ایک جوان بکری آپ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے پیر باندھ دیے اور اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا، ساتھ ہی دعا فرمائی یہاں تک کہ اس کے

دودھ اتر آیا۔ دودھ کو ایک برتن میں دوہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی پلایا۔ (ایک روایت کے مطابق ابن مسعودؓ کو بھی پلایا) اس کے بعد حضور ﷺ کی دعا سے بکری کے تھن خشک ہو کر اصلی حالت پر آ گئے۔“
(اسد الغابہ)

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کی ترتیب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت تزیہ ہے کہ بکری کے دودھ والا معجزہ دیکھ کر ابن مسعود ششدر ہو گئے۔ مکہ میں دعوت حق کی بھنگ ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی لیکن داعی حق ﷺ سے ملنے کا اتفاق آج ہی ہوا تھا۔ اب ان کو یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ انھوں نے بڑی لجاجت کے ساتھ عرض کیا: عَلِمْنِي مِنْ هَذَا الدُّعَا (مجھ کو بھی یہ دعا سکھا دیجیے یا مجھے بھی اس دعا کی تعلیم دیں۔

حضور ﷺ نے ابن مسعود کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا: ”تم تعلیم یافتہ (سیکھے سکھائے) لڑکے ہو۔“

ابن مسعود نے اسی موقع پر کلمہ شہادت پڑھ کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کر لی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس وقت تو ابن مسعود خاموش رہے لیکن وہ دل میں اسلام کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن وہ موقع پا کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور حضور ﷺ سے درخواست کی ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی اپنی جماعت میں داخل کر لیجیے۔“ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ یوں حضرت عبداللہ بن مسعود نے سخت نامساعد حالات کے باوجود باطل کو ٹھکرا کر حق کا دامن تھام لیا۔

وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹا شخص تھا، اس وقت ہم چھ کے سواروئے زمین پر کوئی ساتواں شخص مسلمان نہ تھا۔
(اسد الغابہ)

بارگاہ رسالت کے خادمانِ خاص میں شمولیت

دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کفار (اپنے حلیفوں) سے قطعاً تعلق ہو گئے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو ہمہ تن رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور ساتھ ہی بصد ذوق و شوق قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ رسول پاک ﷺ نے بھی ان کو اپنا بااعتماد خادم خاص ہونے کی عزت بخشی اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم میری آواز سن لو اور پردہ نہ پڑا ہو تو تم کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ وہ حضور ﷺ کی آواز سن کر بغیر اجازت خانہ اقدس کے اندر جاتے تھے اور آپ کا ہر کام کرتے تھے۔ آپ کے لیے مسواک اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتے، آپ کے لیے بستر بچھاتے، آپ کو نعلین مبارک پہناتے، حضور ﷺ غسل فرماتے تو وہ پردہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے، آپ ﷺ کو خواب سے بیدار کرتے، آپ کو کہیں جانا ہوتا تو وہ عصا لے کر آپ کے آگے آگے چلتے وغیرہ وغیرہ ان خدمات کی بنا پر وہ صحابہ میں مختلف القاب سے مشہور تھے مثلاً صاحبُ السَّوَادِ وَالسَّوَالِكِ، صاحبُ الوَسَادَةِ، صاحبُ النُّعْلَيْنِ وغیرہ۔

جوشِ ایمان

یہ وہ زمانہ تھا جب گنتی کی چند سعید الفطرت ہستیاں ہی مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں اور وہ سب مشرکینِ قریش کے قہر و غضب کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔ ایک دن شمع نبوت کے ان پروانوں نے باہم مشورہ کیا کہ قریش نے آج تک کسی کو با آواز بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا، کوئی ایسی صورت ہو کہ ان کے سامنے بلند آواز میں قرآنِ حکیم کی تلاوت کی جائے۔

نوجوان عبداللہ بن مسعود نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا ”اس کام کو میں انجام دوں گا۔“ ساتھیوں نے کہا، یہ کام بڑا پرخطر ہے، ایسا نہ ہو کہ تم کسی مصیبت میں پڑ جاؤ،

مسلمانوں میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ تمہیں مشرکین کے پنجہ ستم سے چھڑا سکیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود نے جوش ایمان سے بے قرار ہو کر کہا، ”میں یہ کام ضرور کروں گا،
میرا آسرا اللہ پر ہے، وہی میری حفاظت کرے گا“ ساتھی صحابہ ان کا جوش ایمان دیکھ کر
خاموش ہو گئے۔

راہ حق میں بلاکشی

دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد جب تمام مشرکین قریش ایک جگہ جمع تھے، حضرت
عبداللہ بن مسعود نے نہایت بلند آہنگی سے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔
مشرکین یہ نامانوس کلام سن کر بہت حیران ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے۔
ایک نے کہا۔ ”یہ تو وہ کتاب پڑھ رہا ہے جو محمد ﷺ پر اتری ہے۔“ یہ سن کر تمام مشرکین
مشتعل ہو گئے اور عبداللہ بن مسعود پر ٹوٹ پڑے۔ نوجوان عاشق قرآن کو اس قدر مارا کہ
ان کا چہرہ متورم ہو گیا اور جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ نکلا لیکن جوش ایمانی کا یہ عالم تھا کہ
پٹتے جاتے تھے اور قرآن خوانی جاری تھی حتیٰ کہ مشرکین مارتے مارتے تھک گئے۔ عبداللہ
اس وقت خاموش ہوئے جب قرآن کی وہ سورۃ جو انھوں نے شروع کی تھی ختم ہو گئی۔

جب وہ خستہ و مجروح واپس صحابہ کرام کے پاس گئے تو انھوں نے کہا۔ ”ہم کو اسی
بات کا خدشہ تھا اور اسی لیے ہم تمہیں جانے سے روکتے تھے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ”خدا کی قسم مشرکین میری نظر میں آج سے زیادہ
کبھی ذلیل نہیں ہوئے، میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ کل پھر ان کو کلام الہی سناؤں گا۔“
صحابہ کرام نے فرمایا: ”جو کچھ تم نے کیا ہے وہ بہت کافی ہے اب پھر تمہارے جانے
کی ضرورت نہیں جس کلام کا سننا مشرکین کو سخت ناگوار تھا اس کو تم نے ان کے کانوں تک
پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔“

عبداللہ نے اپنے رفقا کے اصرار سے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کر لی لیکن کفار بھلا نہیں

کب چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ جب مشرکین کے جو رستم کا سلسلہ ناقابل برداشت حد تک پہنچ گیا تو سرور کائنات ﷺ نے انہیں حبش کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ارشادِ نبوی ﷺ کی تعمیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجری میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہاں چند دن کے بعد انہوں نے کسی سے سنا کہ مشرکین نے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیا ہے تو وہ واپس مکہ آ گئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ جو کچھ انہوں نے سنا تھا وہ محض افواہ تھی اور مشرکین برابر مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں چنانچہ وہ حضور ﷺ کی اجازت سے دوبارہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے مکہ واپس آئے اور پھر حضور ﷺ کے ایما پر تیسری مرتبہ ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) چلے گئے۔ رسول اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے چند ماہ بعد ان کی مواخاۃ حضرت معاذ بن جبل انصاری سے کرادی اور ان کے رہنے کے لیے مسجدِ نبوی ﷺ کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا مرحمت فرمایا۔

میدانِ جہاد میں

۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے شروع سے لے کر اخیر تک ہر غزوہ میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ غزوہ بدر میں جب دو انصاری بھائیوں حضرت معاذ بن عفرأ اور حضرت معوذ بن عفرأ نے ابو جہل کو شدید زخمی کر دیا تو اتفاق سے عبداللہ بن مسعود بھی سرور کائنات ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ابو جہل کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے۔ ابو جہل اس وقت دم توڑ رہا تھا۔ عبداللہ اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگے۔ ”اود شمن خدا تو ہی ابو جہل ہے، خدا نے تجھے خوب ذلیل کیا۔“ ابو جہل نے کہا۔ ”کاش مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا۔“

۱ کسان سے مراد انصار تھے۔ انصار کو زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے قریش حقیر سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ابو جہل کی بات سن کر اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ ابو جہل نے کہا: ”ابو بھیریں چرانے والے تو بہت اونچی جگہ چڑھا ہے۔ اتنا تو بتا کہ فتح کس کی ہوئی ہے۔“

عبداللہ نے جواب دیا۔ ”اودِثْمَنِ خَدَا اللّٰہِ اور اس کے رسول ﷺ کی۔“
 اتنا سن کر ابو جہل بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹ لیا اور سرور کائنات ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے ابو جہل کے ناپاک سر کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَاکَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ“ حمد و ثنا کے لائق وہ اللہ ہے جس نے اے دشمن خدا تجھے ذلیل کیا۔

پھر فرمایا: ”مَاتَ فِرْعَوْنُ ہذہِ الْاُمَّةِ“ (اس اُمت کا فرعون مر گیا۔)

غزوہ بدر کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود نے نہایت جوش اور پامردی کے ساتھ اُحد خندق اور خیبر کے غزوات میں حصہ لیا۔ ۶ ہجری میں ان کو حدیبیہ میں بیعت رضوان کا عظیم شرف حاصل ہوا اور وہ ان اصحاب میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ فتح مکہ (۸ ہجری) میں بھی وہ رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ہجری میں حنین کا خونریز معرکہ پیش آیا۔ اس کے اسباب یہ تھے کہ ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل کو شیطان نے بہکایا کہ اگر تم مسلمانوں کو شکست دے دو تو اہل مکہ کی جتنی جاگیریں اور باغات طائف میں ہیں، وہ تمہارے قبضہ میں آ جائیں گے اور خدائے واحد کے پرستاروں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے بنی ہلال، نصر، جشم وغیرہ قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور ہزار ہا جنگجوؤں کی فوج لے کر مکہ کی طرف بڑھے۔

سرور کائنات ﷺ کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فوراً جنگ

کی تیاری کی اور بارہ ہزار فرزندِ اسلام کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل ہو گئے تھے۔ اتنا شیر لشکر دیکھ کر بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ آگیا۔ ”آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔“

اللہ کو یہ نازش پسند نہ آئی اور اس نے اہل حق کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ لشکرِ اسلام وادی حنین میں پہنچا تو وادی کے دونوں جانب کمین گاہوں میں دشمن کے سپاہی اس کے منتظر تھے جو نہی مسلمانوں کے ہراول دستے ان کی زد میں آئے، انھوں نے بے پناہ تیر اندازی شروع کر دی۔ پھر کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہراول دستوں میں زیادہ تعداد نو مسلموں کی تھی وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ دوسرے مسلمان بھی حواس باختہ ہو گئے اور ان میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے۔ اس نازک وقت میں سرورِ دو عالم ﷺ کوہ استقلال بن کر میدانِ جنگ میں کھڑے تھے اور صحابہ کرام کی ایک مختصر سی جماعت آپ کے گرد جاں نثاری کے جوہر دکھا رہی تھی۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی شامل تھے۔ اس افراتفری کے عالم میں سرورِ کائنات ﷺ باواز بلند یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
میں نبی ہوں اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

حضور ﷺ اس وقت اپنے سفید خچر ”دُلْدُل“ پر سوار تھے۔ اس کی باگ حضرت ابوسفیان بن حارث نے تھام رکھی تھی کہ یکبارگی آگے نہ بڑھ جائے لیکن دلدل بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کی طرف ہٹتا تھا۔ اسی حالت میں حضور ﷺ ایک دفعہ زین سے جھکے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بے تاب ہو گئے اور پکار کر کہا۔ ”آپ سر بلند ہیں اللہ نے آپ کو رفعت عطا فرمائی۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”عبداللہ مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دو۔“
حضرت عبداللہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے یہ خاک مشرکین کی طرف
پھینکی تو خدا کی قدرت ان سب کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود (یا بروایت دیگر حضرت
عباسؓ) کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو۔ انھوں نے باواز بلند پکارنا شروع کیا۔

يا امعشر الانصار يا اصحاب الشجرة

اے جماعت انصار! اے اصحاب شجرہ (یعنی اے بیعت رضوان کرنے والو)

پھر ہر قبیلہ کا نام لے کر بلانا شروع کیا۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام
مسلمان دفعتاً پلٹ پڑے اور کفار کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ مشرکین نے بری طرح شکست
کھائی اور اپنے بے شمار مقتولین میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بے حساب مال
غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا
وَوَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحَبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝
ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ
جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ

الْكَافِرِينَ ۝ (سورہ توبہ: ۲۵-۲۶)

(اور حنین کا دن یاد کرو جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن وہ کچھ کام نہ آئی پھر تم
پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسلی نازل کی اور ایسی
فوجیں نازل کیں جو تم کو نظر نہ آئیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا یہی ہے۔)
۹ ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ اس زمانے میں شاہ روم شام کی طرف سے عرب

پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اس کے ارادے کی خبر ملی تو آپ دشمن کو عرب میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ عرب کو شام سے جدا کرنے والی سرحد کی طرف بڑھے اور تین سو میل کا پُصُوبَت سفر طے کر کے سرحد کے نزدیک تبوک کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ سے تبوک اور تبوک سے مدینہ تک سارے سفر میں برابر رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔

بارگاہِ رسالت میں اختصاص و تقرب

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ سے اس قدر عقیدت اور محبت ہو گئی کہ امن ہو یا جنگ سفر ہو یا حضور وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے اور حضور ﷺ کی والہانہ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے ساتھ ہی نہایت ذوق و شوق سے نبوت کے سرچشمہِ علم سے بھی فیض یاب ہوتے رہتے۔ عائلی زندگی اختیار کرنے کے بعد بھی ان کی یہی کیفیت رہی۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم (بے ہجری کے اوائل میں) مدینہ آئے تو ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم مدت تک یہی گمان کرتے رہے کہ وہ (عبداللہ بن مسعود) خاندانِ رسالت ہی کے ایک رکن ہیں (یعنی حضور ﷺ کے گھر کے فرد ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول ﷺ جذبہٴ خدمت اور تحصیل علم کے شوق کی بدولت ان کو بارگاہِ رسالت میں اختصاص اور تقرب کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور ان کو بڑے پیار سے قرآنِ حکیم کی تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں حضرت عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآنِ مجید کی ستر سورتیں میں نے خاص رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن کر یاد کی تھیں اور قرآنِ مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت مجھے یہ علم نہ ہو کہ کب کہاں اور کس بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی سورتیں صرف یاد ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ ایک روایت میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

”میں نبی اکرم ﷺ سے دس دس آیات پڑھا کرتا تھا اور جب تک ان دس آیات کو اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا، آگے نہ بڑھتا تھا۔“

(طبقات القراء: ص: ۲۵۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک مرتبہ جبریل امین کو قرآن سنایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ نے وفات پائی، اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ سنایا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس لیے انہیں یہ معلوم ہے کہ قرآن حکیم کا کون سا حکم منسوخ کیا گیا ہے یا کون سی آیت تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسری آیت نازل کی گئی ہے۔

(الاستیعاب: جلد ۲ ص ۳۱۶)

جب تمام صفات و کمالات کے جامع رحمت دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم معلم ہوں اور اس سرچشمہ علوم و معارف سے اپنی بے پناہ علمی پیاس بجھانے والے معلم ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ان کے تبحر علمی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ خود سرور عالم ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا:

خُذُ الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ ابْنِ أُمِّ عَبْدِ وَ مِنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ
وَمِنْ سَالِمِ مَوْلَى أَبِي حُدَيْفَةَ وَ مِنْ مَعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ -

(قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، ابن ام عبد، (عبداللہ بن مسعود)، ابی بن کعب،

سالم مولی ابی حذیفہ اور معاذ بن جبل سے) جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے

ابن اُمّ عبد کا نام لیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی تلاوت نہایت ذوق و شوق سے کیا کرتے تھے۔ جب کبھی تنہا ہوتے تو تلاوت قرآن ہی سے سکون قلب حاصل کرتے۔ کئی دفعہ رسول اکرم ﷺ بھی ان سے قرآن کریم کی کوئی سورہ پڑھا کر سنتے اور ان کی تلاوت کو پسند فرماتے۔ خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! قرآن آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں۔“
آپ نے فرمایا:

کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سنا چاہتا ہوں“
اس پر میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ
عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (النساء: ۴۱)

(ترجمہ: اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد ﷺ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے) تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں آنسو بہ آئے۔ (صحیح بخاری ج ۲، مُند احمد ج ۱)

بارگاہ رسالت میں مسلسل حاضری کی بدولت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قراءت میں غیر معمولی کمال حاصل ہو گیا تھا۔ ایک دن مسجد میں سورہ نساء کی تلاوت کر رہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا۔

”جو کچھ مانگو دیا جائے گا، جو کچھ مانگو دیا جائے گا“

پھر ارشاد ہوا:

”جو چاہے کہ قرآن کی اسی طرح تلاوت کرے (یا قرآن کو اسی طرح شگفتہ اور تروتازہ پڑھے) جیسا کہ اس کا نزول ہوا ہے تو اس کو ابنِ اُمّ عبد کی قراءت کا اتباع کرنا چاہیے۔“

دوسرے روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا، آپ نے اللہ سے کیا دعا مانگی۔ بولے میں نے یہ دعا کی۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَنَعِيمًا لَا تَنْفَدُ وَ مُرَافَقَةً
نَبِيِّكَ فِي أَعْلَى جَنَّةِ الْخُلْدِ۔

(اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جس کو کبھی جنبش نہ ہو اور ایسی نعمت چاہتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور تیرے نبی ﷺ کی دائمی رفاقت خلدِ بریں میں چاہتا ہوں۔

حضرت ابن مسعودؓ پر حضور ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا، میں اپنی امت کے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود اس کے لیے پسند کرے۔

(الاکمال فی اسماء الرجال)

حضرت ابن مسعودؓ کی ٹانگیں بہت پتلی تھیں۔ ایک دن رسولِ اکرم ﷺ کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی ٹانگوں کو دیکھ کر حضرات صحابہؓ کو ہنسی آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ”تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ قیامت کے دن یہ میزانِ عدل میں کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔“ (طبقات ابن سعد ج-۳)

رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور محبت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ کبھی کسی موقع پر محسوس کرتے کہ حضور ﷺ کو ذرہ برابر بھی

تکلیف پہنچی ہے تو بے چین ہو جاتے۔ خود ان سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کھجور کی چٹائی پر سوئے۔ پھر جب آپ بیدار ہوئے تو جسم مبارک میں اس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ (یعنی جسم مبارک پر چٹائی کی بدھیاں پڑ گئی تھیں) اس حالت کو دیکھ کر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو ہم آپ کے لیے بستر کا انتظام کریں اور آپ کی استراحت کے لیے کچھ بنائیں۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے آرام و راحت اور اس کی لذتوں یا ساز و سامان سے) کیا واسطہ، میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسے کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ میں کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اس کو اپنی جگہ چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی خلوص اور عشق تھا کہ رسول اکرم ﷺ ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور یوں ان کو بارگاہ رسالت کے خادمان خاص میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہو گئی تھی۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان چودہ نجباء میں شامل فرمایا تھا جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص عطا کیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات نجیب اور رفیق (نہایت مخصوص و برگزیدہ اصحاب) عطا کیے گئے تھے لیکن مجھ کو چودہ عطا کیے گئے۔

ہم نے عرض کیا کہ وہ چودہ کون ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (حضرت علیؑ) حسن، حسین، جعفر بن ابی طالب، حمزہ بن عبدالمطلب، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، مصعب بن عمیر، سلمان فارسی، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، مقداد، ابوذر اور بلال (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (ترمذی) —

ایسی ہی ایک اور حدیث میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کا نام آیا ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا نام ان دونوں حدیثوں میں موجود ہے۔
(تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی)

جنگِ یرموک میں دادِ شجاعت

الہجری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے محبوب آقا امام الانبیاء والمرسلین ﷺ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو ان پر کوہِ اَلْمُٹُوٹ پڑا۔ یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ کسی پل چھین نہ پڑتا تھا۔ دل شکستگی کے عالم میں گوشہ نشینی اختیار کر لی کیونکہ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے۔ یہ کیفیت اس وقت ختم ہوئی جب حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں رومیوں کے خلاف معرکہ آرائیوں نے زور باندھا۔ عامۃ المسلمین کو دھڑا دھڑ میدانِ جہاد میں جاتے دیکھ کر ان کے خون نے بھی جوش مارا اور وہ بھی شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ شام میں رومیوں کے خلاف جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سب سے بڑی اور اہم ”یرموک کی لڑائی“ تھی جو ۱۵ ہجری میں ہوئی۔ اس میں شاہِ روم ہرقل نے اپنی پوری طاقت مسلمانوں کے خلاف جھونک دی تھی۔ دو اڑھائی لاکھ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کل تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مجاہدینِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ دریائے یرموک کے قریب رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان تین دن تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس میں شروع سے اخیر تک سربکف ہو کر دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک کہ تیسرے دن رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور تین ہزار مسلمان شہداء کے مقابلے میں ان کے ایک لاکھ آدمی میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ ہرقل اس وقت شام کے شہر انطاکیہ میں مقیم تھا۔ اس کو شکست کی خبر پہنچی تو اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ چلتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ”رخصت اے شام“ اس کے بعد اس کو کبھی شام آنا

نصیب نہ ہوا۔

خانگی زندگی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا برتاؤ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہایت مشفقانہ تھا۔ وہ بیوی بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکارتے یا بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں۔ ارباب سیر نے ان کی اہلیہ حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا کا بطور خاص تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کا لقب راطہ تھا اور خاندانی تعلق بنو ثقیف سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

زینب بنت ابی معاویہ عبداللہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ
بن حلیط بن جسم بن ثقیف

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو شرف صحابیت حاصل تھا اور ان کو رسول اکرم ﷺ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ آپ ﷺ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے درویش صفت شوہر حضرت عبداللہ بن مسعود کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اور وہ عرصہ تک بہت تنگ دست رہے۔ اس زمانے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو دستکار تھیں ان کا بہت بڑا سہارا ثابت ہوئیں۔ وہ اپنی دستکاری سے جو کچھ کماتی تھیں اپنے شوہر اور اولاد پر صرف کر دیتی تھیں۔ اس طرح دوسرے حاجت مندوں اور غریبوں کی مدد کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا اور ان کو صدقہ دینے کی حسرت حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے دل ہی میں رہ جاتی تھی۔ بعض اوقات صدقہ و خیرات کے ثواب سے محروم ہونے کا خیال ان کو بے چین کر دیا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا:

”میں جو کچھ دستکاری کے ذریعہ کماتی ہوں وہ سب آپ اور آپ کی اولاد پر صرف کر دیتی ہوں، اس طرح میں صدقہ و خیرات کے ثواب سے محروم رہ جاتی ہوں، آپ ہی

بتائیں اپنی کمائی اس طرح صرف کرنے میں میرا کیا فائدہ ہے؟
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

”جس کام میں تمہارا فائدہ ہو، وہ کرو، میں تم کو آخرت کے اجر سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔“
ان کا جواب سن کر حضرت زینبؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور
عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں ایک دستکار عورت
ہوں، جو کچھ دستکاری سے کماتی ہوں، شوہر اور اولاد پر خرچ کر دیتی ہوں کیونکہ میرے شوہر
کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس طرح غرباء و مساکین کو صدقہ و خیرات دینے کے لیے
میرے پاس کچھ نہیں بچتا۔ کیا شوہر اور اولاد کی کفالت کا مجھے کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟“
حضور ﷺ نے فرمایا:

”ہاں ملتا ہے تم کو ان کی کفالت کرنی چاہیے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت زینبؓ رسول اکرم ﷺ کے آستانہ مبارک
پر حاضر ہوئیں تو دروازے پر انصار کی ایک خاتون کو کھڑے پایا۔ اتنے میں اندر سے
حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے۔ دونوں بیبیوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیجیے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھتی
ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کے زیر کفالت بچوں پر صدقہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ان کا سوال پیش کیا تو
آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”ایک عورت انصار کی ہے اور دوسری زینبؓ ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کون سی زینبؓ؟

حضرت بلالؓ نے عرض کیا: ”عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ان کو دو ہر اٹھاب ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔ (الاستیعاب ج ۲)

مسند ابی داؤد میں حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود کھنکارتے ہوئے گھر کے اندر آئے۔ اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے تعویذ پہنارہی تھی میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ (لیکن دھاگا میرے گلے میں رہ گیا) حضرت عبداللہ میرے قریب بیٹھ گئے اور میری گردن کی طرف دیکھ کر پوچھا، یہ دھاگا کیسا ہے؟

میں نے کہا، یہ دھاگا مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔

یہ سن کر انہوں نے وہ دھاگا میری گردن سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

”تم عبداللہ کا خاندان ہو، تمہیں شرک سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور اعمالِ حُبِ شرک ہیں۔“

میں نے کہا کہ میری آنکھ میں چھن محسوس ہوئی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے پاس دم کرانے کے لیے جاتی تھی۔ اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ شیطانی عمل ہے، وہی اپنے ہاتھ سے چھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو وہ

ہاتھ روک لیتا تھا، تمہارے لیے یہی دعا کر لینا کافی تھا جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔

أَذْهَبِ الْبَاسِ رَبِّ النَّاسِ وَائْتِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا
شِفَاءُكَ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

(اے کائنات کے رب، تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا

ہے کیونکہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر جس کے بعد کسی قسم کی

تکلیف باقی نہ رہے۔)

یہ روایت ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم نے بھی نقل کی ہے اور امام ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن بعض فقہانے اس کی تاویل کی ہے اور کچھ دوسری روایات کے پیش نظر ایسی جھاڑ پھونک اور ایسے تعویذ یا دم کو جائز قرار دیا ہے جس میں شرکیہ الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بیٹے بھی تھے اور بیٹیاں بھی لیکن اربابِ سیر نے ان کی تفصیل بیان نہیں کی، صرف ان کے تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ سب سے بڑے کا نام ابو عبید تھا، ان کا شمار اونچے درجے کے محدثین میں ہوتا ہے۔ ان سے چھوٹے عبدالرحمن تھے۔ انہی کے نام کی نسبت سے حضرت ابن مسعود کی کنیت ابو عبدالرحمن تھی۔ ان سے چھوٹے کا نام عتبہ تھا جو ابن مسعود کی وفات کے وقت بہت کم سن تھے۔

عہدہ قضا

حضرت عبداللہ بن مسعود شام کے میدانِ جہاد سے واپس مدینہ آئے تو کچھ عرصہ بعد (۲۰ ہجری میں) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ اس عہدے کی ذمہ داریوں کے علاوہ سرکاری خزانے کی افسری کوفہ کے والی (گورنر) کی مشاورت (یا وزارت) اور مسلمانوں کی دینی تعلیم کے فرائض بھی انہی سے متعلق تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کوفہ کے والی یا امیر (گورنر) مقرر کیا۔ امیر المومنین نے ان دونوں بزرگوں کے تقرر کا جو فرمان اہل کوفہ کو بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے۔

”میں تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجتا ہوں۔

ابن مسعود کو بیت المال کا افسر بھی مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے

اصحاب میں منتخب ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں۔ اس لیے تم لوگ ان کی پیروی کرو، ان کے احکام کی اطاعت کرو اور ان کی باتیں سنو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابنِ امّ عبد (عبداللہ بن مسعود) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔ (اسد الغابہ ترجمہ: عبداللہ بن مسعود)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پورے دس سال تک تینوں عہدوں (قضا، بیت المال کی افسری اور معلمی) کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ اس طویل مدت میں کوفہ کے کئی امیر یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت عثمان غنی سریر آرائے خلافت ہوئے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود مسلسل دس سال تک اپنے فرائض مفوضہ نہایت احتیاط اور انہماک کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اگرچہ وہ فطری طور پر نہایت نرم مزاج اور رحم دل تھے لیکن قضا (عدالت) کی کرسی پر بیٹھ کر وہ عدل و انصاف سے ذرہ برابر ادھر ادھر نہ ہوتے تھے، نہ کسی کی سفارش مانتے تھے نہ کسی مقدمے میں رورعایت سے کام لیتے تھے اگرچہ ملزم دنیوی اعتبار سے کتنی ہی بڑی حیثیت کا مالک ہو۔

جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا افسر خزانہ (خازن) کی حیثیت سے کارکردگی کا تعلق ہے، مولانا شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الصحابہ (مہاجرین) جلد اول میں اس پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”کوفہ کا بیت المال عظمت و وسعت و کثرت محاصل کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا تھا۔ اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے۔ فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں اور خراسان، ترکستان اور آرمینیا پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کیے جاتے تھے۔ اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس

طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے، درحقیقت حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا
حیرت انگیز کارنامہ ہے۔“

بیت المال پر ابن مسعودؓ کی سخت نگرانی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک
دفعہ کوفہ کے والی (گورنر) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے قرض
لیا اور ناداری کے سبب عرصہ تک ادا نہ کر سکے۔ اگرچہ وہ نہایت جلیل القدر صحابی (یکے از
عشرہ مبشرہ) تھے لیکن اس معاملے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا مطلق
لحاظ نہ کیا اور بڑی سختی کے ساتھ ان سے قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا یہاں تک کہ
ایک دن تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غصے میں
آ کر اپنی چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

”اے آسمان وزمین کے خالق.....“

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
نے گھبرا کر کہا:

”دیکھو، میرے لیے بددعا نہ کرنا“

حضرت سعدؓ بولے:

”واللہ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے سخت بددعا کرتا۔“

حضرت ابن مسعودؓ نے ان کے طیش کا یہ اندازہ دیکھا تو تیزی کے ساتھ
کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔ ان دنوں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
مسند خلافت پر فائز تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع ان کو پہنچی تو انہوں نے سخت ناراضی کا
اظہار فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو امارت کوفہ کے عہدے سے سبکدوش کر کے
ولید بن عقبہ کو ان کی جگہ والی بنا کر بھیج دیا۔

قیام کوفہ کے دوران میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قضا اور خازن کے فرائض کی انجام دہی کے علاوہ لوگوں کو دینی تعلیم دینے کی ذمہ داری اس شان سے نباہی کہ بے شمار شاگردان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے جن میں سے متعدد کے تبحر علمی اور فضل و کمال کا ایک دنیا نے اعتراف کیا۔ پھر ان با کمال شاگردوں نے اپنی علمی صلاحیتوں کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ ان کو آگے پھیلانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ یوں ہزاروں طالبان علم نے ان سے اکتساب فیض کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک ایسا اہم پہلو ہے جس کا ذکر قدرے تفصیل کا متقاضی ہے اس لیے اس کو اس عنوان کے تحت بیان کیا جا رہا ہے۔

درس و تدریس (اشاعت علم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ لوگوں کو قرآن حکیم، حدیث اور فقہ کی تعلیم دینے میں صرف کرتے تھے۔ ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بہت بڑا مجمع رہتا تھا۔ ابن مسعودؓ بڑی شفقت اور توجہ کے ساتھ ان کو تعلیم دیتے تھے اور وہ بھی بڑے ذوق و شوق سے شفیق استاد سے علم حاصل کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ان کے مَداحین اور معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ان کی مجلس میں حاضر رہتا تھا تا کہ ان کے ارشادات سے مستفیض ہو سکے۔ ان معتقدین اور مداحین میں عراق کے بڑے بڑے امراء، علماء اور سربر آوردہ لوگ شامل ہوتے تھے۔ اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کبھی کوئی سفر پیش آ جاتا تو سفر میں بھی شاگردوں کی ایک جماعت ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی تھی۔ گویا سفر ہو یا حضر ہر حال میں ان کا فیضان جاری رہتا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں اور معتقدین سے بڑی محبت کرتے تھے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے۔

”تم میرے دل کی جلا ہو۔“

شام کے نامور محقق اور مصنف ڈاکٹر محمد رؤاس قلعه جی (پروفیسر ظہران یونیورسٹی

سعودی عرب) اپنی تالیف ”فقیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ“ میں لکھتے ہیں:

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوائے تلمذتہہ کرنے والے، دوسرے صحابہ کرام کے شاگردوں سے فوقیت لے گئے تھے۔ شععی کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے اتنے شاگرد نہیں ہوئے جتنے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تھے۔ ان شاگردوں نے حضرت ابن مسعود کے فتووں اور ان کے علم کو نہ صرف اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا بلکہ انہیں تحریری شکل بھی دے دی اور ان کے مقاصد اور جہات کو ذہن نشین کر لیا۔ ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں گزرا جس کے حلقہ درس میں اس قدر مشہور لوگ ہوں اور جنہوں نے استاد کے فتووں اور فقہی مسلک کو تحریری شکل دے دی ہو۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اہل عراق میں علم بانٹنے میں کبھی بخل نہ کرتے جس کے نتیجے میں آپ کے ہاتھوں فقہاء کی ایک پوری جماعت تیار ہو گئی جن میں وہ نمایاں ترین اصحاب جن کو تلمذ یا مخلصانہ رفاقت کا شرف حاصل ہوا ان کے نام یہ ہیں:

علقمہ بن قیس نخعی، مسروق بن الاعدع، قاضی شریح، عمرو بن شریحیل ہمدانی، عبیدہ سلمانی، ابووائل، اسود بن یزید نخعی، حارث بن قیس جعفی

ان شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے سب سے بڑے حافظ اور سب سے بڑے پیروکار علقمہ بن قیس نخعی تھے۔ اس لیے کہ وہی استاد کے پاس سب سے زیادہ وقت گزارا کرتے تھے یہاں تک کہ رات بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس گزارتے، ان کی خدمت کرتے اور ان سے دین کا علم حاصل کرتے تھے۔ علقمہ کی لاوادی بھی اس عمل کے لیے بڑی سازگار رہی کیونکہ ان پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔“

علقمہ سفر میں بھی اکثر حضرت ابن مسعود کے ساتھ رہتے تھے۔ اگر کبھی خود جانے سے

مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ان کے ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں۔ علقمہ کو جو گہرا تعلق حضرت ابن مسعودؓ سے تھا اور جس قدر وہ ابن مسعودؓ کے طور و طریق کے پابند تھے کہ لوگ ان کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبد اللہ بن مسعود کو دیکھ لیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے کثیر التعداد شاگردوں نے بھی وسیع حلقہ ہائے درس قائم کیے اور اشاعتِ علم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ ان میں سے ابراہیم نخعی، عامر شععی اور حکم بن عتیبہ نے بڑی شہرت پائی پھر ان سے تحصیلِ علم کرنے والوں کا سلسلہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گیا۔ اس کا ذکر ”فقہ عبد اللہ بن مسعودؓ“ کے زیر عنوان آچکا ہے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ امیر المؤمنین نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ اس وقت وہ کوفہ میں پورے دس سال اپنے فرائض نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دے چکے تھے۔ ان کی اپنے عہدے سے سبکدوشی کی خبر اہل کوفہ پر شاق گزری۔ وہ جمع ہو کر حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پاس گئے اور ان سے کہا:

”ابو عبد الرحمن! آپ کوفہ نہ چھوڑیں، ضرورت پڑی تو ہم سب آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔“

حضرت عبد اللہ نے ان کی بات قبول نہ کی اور فرمایا:

”میں امیر المؤمنین کی حکم عدولی کر کے درفتنہ نہیں کھولوں گا۔“

چنانچہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد انھوں نے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کر لیا تا کہ حج بیت اللہ کے بعد اپنے گھر مدینہ منورہ جائیں۔



سفرِ آخرت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر ایک قافلہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ روانہ ہو گئے۔ ربذہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک بدوی خاتون کو سرِ راہ کھڑے پایا۔ اس نے حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو پکار کر کہا: ”بھائیو قریب ہی ایک مسلمان دم توڑ رہا ہے اس کی تجھیز و تکفین میں میری مدد کرو۔“

انہوں نے پوچھا: ”وہ کون شخص ہے۔“

خاتون نے جواب دیا: ”رسول اللہ کے صحابی ابوذر غفاریؓ“

حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھی حضرت ابوذرؓ کا اسم گرامی سن کر ”ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں۔“ کہتے ہوئے اس کٹیا کی طرف لپکے جہاں حضرت ابوذرؓ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے نو واردوں کو اہلاً و سہلاً کہا اور اپنے کفنِ دفن کے متعلق ہدایت دے کر پیکرِ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پھر سب نے مل کر انہیں سپرد خاک کیا اور اس کے بعد اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابن مسعودؓ نے حج کیا اور پھر مدینہ جا کر گوشہٴ عزلت میں بیٹھ گئے۔ دن رات یادِ الہی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ”ابو عبدالرحمن میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آپ سرور کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہیں اور حضور ﷺ فرما رہے ہیں ابن مسعود، آؤ میرے پاس چلے آؤ۔“

حضرت عبداللہؓ کو جب یقین ہو گیا کہ اس بیماری سے جانبر نہیں ہوں گے تو انہوں نے حضرت زبیرؓ بن العوام اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بلا بھیجا اور انہیں اپنی جائداد، اولاد اور تجھیز و تکفین کے بارے میں ضروری وصیتیں کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔ یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی عمر ساٹھ برس سے کچھ اوپر تھی۔ نماز جنازہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ نے پڑھائی اور تدفین گورستان بقیع میں حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پہلو میں ہوئی۔

سیرت و کردار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مثالی پاکیزہ سیرت اور نہایت اعلیٰ کردار کے پیکر جمیل تھے۔ سبقت الی الاسلام، راہ حق میں تحمل شداوند، حب رسول، شوق جہاد، شغف قرآن، تبحر علم، اور تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ اَنْ كَيْفَ حَيَاتِ كَيْفَ النَّمَايَا ابواب ہیں۔ ان کا معدن اخلاق زہد و اتقاء، حلم و انکسار، صبر و استغنا، خشیت الہی، خدمت خلق، خوش خلقی، شجاعت، حق گوئی اور اکرام ضیف (مہمان نوازی) جیسے گراں بہا جواہر سے لبریز تھا۔ جامع ترمذی میں عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں کسی ایسے صاحب کا پتا دیجیے جو خلق و ہدایت میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتا ہے تاکہ ہم اس سے کسب فیض کریں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”آپ لوگ عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں جائیے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے سب سے زیادہ پابند ہیں اور جو اصحاب رسول ﷺ اس وقت موجود ہیں، ان کو علم ہے کہ بارگاہ رسالت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کا درجہ کتنا بلند تھا۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلالت علمی نے ایک دنیا کو مسح کر رکھا تھا لیکن ان کے انکسار کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو بلا تاویل کہہ دیتے کہ میں نہیں جانتا۔ اگر کوئی فتویٰ دیتے اور بعد میں اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اپنے فتویٰ کو منسوخ قرار دیتے اور اس سے رجوع کر لیتے۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی ہمیشہ تلقین فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز (مسئلہ) کو تم نہ جانتے ہو، اس کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ میرا خیال یہ ہے یا میری رائے یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ وہ نامعلوم مسائل میں اپنے اہل علم معاصرین (صحابہ) سے بلا تکلف استفادہ کرتے تھے اور اس میں مطلق اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے ہم عصر ارباب علم کا نہایت احترام و اکرام کرتے تھے اور فراخ دلی سے ان کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی بابت فرمایا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ بھی ان کا قول تھا کہ تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

”ابن عباس بہترین ترجمان القرآن ہیں۔ اگر وہ عہد رسالت میں ہماری عمر کے ہوتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا۔“

اپنے شاگرد علقمہ بن قیس نخعیؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ علقمہ کے دینی علم سے میرا دینی علم زیادہ نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الإصابة“ میں حضرت تمیم بن حرام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے لیکن میں نے عبداللہ بن مسعود سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور

آخرت کا طالب نہیں دیکھا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو برس تک (بیت المال سے) ان کا سالانہ وظیفہ بند کر دیا تھا۔ وفات کے وقت انھوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا تو حضرت ابن مسعودؓ نے نہایت بے نیازی سے انکار کر دیا اور فرمایا، کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج اور دست نگر ہونے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں ہدایت کی ہے کہ ہر رات کو سونے سے پہلے سورۃ واقعہ پڑھ لیا کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ کش تنگ دست یا محتاج نہ ہوگا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہایت حلیم الطبع اور خلیق تھے۔ بات کرتے وقت یہ کوشش کرتے کہ کسی کا دل نہ دکھے۔ ان کا پورا دن مخلوق خدا کی خدمت اور تعلیم قرآن و حدیث میں گزرتا اور رات اللہ کی عبادت میں بسر ہوتی۔ ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے ان کو رات کے کھانے پر مدعو کیا مگر انھوں نے کہلا بھیجا کہ جب تک رات کی نماز نہ پڑھ لوں، حاضر نہیں ہو سکوں گا۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بے حد مہمان نواز تھے۔ انھوں نے کوفہ میں اپنا الرمادہ کا مکان اس لیے خالی کر دیا تھا کہ اس میں مہمانوں کو ٹھہرا کر ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔ وہ لباس کے معاملے میں بہت سادگی پسند تھے۔ لباس سادہ مگر نہایت صاف ستھرا ہوتا تھا۔ خوشبو کا خود بھی استعمال کرتے اور دوسروں کو بھی خوشبو کے استعمال کی ہدایت فرماتے۔ غذا پر تکلف تو نہ ہوتی تھی لیکن کھانے کے بعد عموماً نمیند (چھوہاروں کا شربت) استعمال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نمیند پیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر میں آپ کو ایسا کرتے نہ دیکھتا تو کبھی نمیند استعمال نہ کرتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قد کوتاہ، جسم لاغر، رنگ گندم گوں اور سر پر کانوں تک نرم اور خوبصورت زلفیں (پٹے) تھے۔ وہ ان کو اس طرح سنوار کر رکھتے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔ ٹانگیں نہایت پتلی تھیں۔

عبادت و خشیتِ الہی

سیدنا ابن مسعودؓ کا شمار اگرچہ مقربانِ بارگاہِ رسالت میں ہوتا تھا اور وہ خود لسانِ رسالت سے کئی بار اپنی مغفرت کی بشارت سن چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خشیتِ الہی سے ہر وقت لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو جنت اور دوزخ کے متعلق اختیار دے دیا جائے کہ ان میں سے اپنے لیے جس کو چاہو پسند کر لو یا راکھ ہو جاؤ تو میں راکھ ہو جانا پسند کروں گا تاکہ مجھ سے میرے اعمال کی پریش نہ ہو۔ ابن سعدؒ نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کاش میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے اور رمضان کے علاوہ ہر دو شنبہ، جمعرات اور عاشورے کے دن ضرور روزہ رکھتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ ان کی ساری ساری رات تلاوتِ قرآن میں گزر جاتی۔ ان کا معمول تھا کہ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے تھے۔ خود ہی نہیں بلکہ اپنے تمام اہل خانہ کو بھی صبح سویرے بیدار کر دیتے تھے اور سارا گھر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا۔ نماز جماعت کے ساتھ اور وقت پر پڑھنے کے سخت پابند تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو داؤدؒ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم لوگ فجر کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ سے ملنے کے لیے گئے، ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ہمیں اندر آنے کی اجازت مل گئی لیکن ہم تھوڑی دیر دروازے ہی پر ٹھہرے رہے۔ اتنے میں گھر سے ایک کنیز دروازے پر آئی اور اس نے کہا، آپ لوگ باہر کیوں کھڑے ہیں، اندر آ جائیں۔

ہم لوگ گھر کے اندر گئے تو دیکھا کہ عبداللہ بن مسعود بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا۔“

ہم نے کہا، کسی نے نہیں، ہم اس خیال سے رُک گئے تھے کہ شاید آپ کے گھر والوں میں سے بعض سو رہے ہوں۔

ابن مسعود نے فرمایا، تم نے ابنِ امّ عبد کی اولاد پر غفلت کا گمان کیا (مطلب یہ کہ میرے اہل خانہ ایسے غافل نہیں ہیں کہ صبح دیر تک سوئے رہیں۔) اس کے بعد وہ پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے جب سمجھے کہ آفتاب نکل آیا تو کینر سے کہا، دیکھو آفتاب طلوع ہو گیا ہے نا۔

اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ آ کر ان کو بتایا تو وہ پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کینر سے پھر کہا کہ دیکھو اب آفتاب طلوع ہو گیا کہ نہیں اس نے آ کر بتایا کہ طلوع ہو چکا ہے۔ اب انہوں نے یہ دعا پڑھی۔

”اس اللہ کا شکر ہے جس نے آج کے دن ہم کو معاف کر دیا۔“

راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا:

”اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔“

مُسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ حضرت عبداللہ نے ان کا انتظار کیے بغیر وقت پر نماز پڑھا دی۔ ولید نے برہم ہو کر ان سے جواب طلبی کی تو فرمایا:

”اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ تم اپنے کاموں میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارا انتظار کرتے رہیں۔“

حضرت ابن مسعود رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کی تمام طاق راتیں لیلۃ القدر

کی تلاش میں بسر کرتے تھے۔ مُسْنَدِ اَحْمَد میں ان کے ایک ملنے والے صاحب ابو عقیب کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ میں رمضان المبارک میں ایک دن علی الصبح حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں:

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا:

میں نے پوچھا، آپ کس بات کا ذکر کر رہے ہیں؟
انہوں نے فرمایا:

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ (دس دنوں) میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آفتاب طلوع ہوا اور اس میں شعاع نہیں تھی۔ (سیر الصحابہ، مہاجرین (حصہ اول) بحوالہ مُسْنَدِ اَحْمَد ج ۱ ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے، روزے اس کثرت سے نہیں رکھتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ دوسرے فقہاء کی طرح زیادہ روزے کیوں نہیں رکھتے تو فرمایا، میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر زیادہ روزے رکھوں گا تو کمزوری کے باعث نماز نہ ہو سکے گی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

علم و فضل

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر صحابہ کرام کی صف اول میں ہوتا ہے۔ ان کو قرآن حدیث اور فقہ میں غیر معمولی درجہ تبحر حاصل تھا اور دوسرے تمام صحابہ کرام بھی ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ بشاش ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

کیف ملی علما (ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے)

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی علمی حیثیت کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ انھوں نے جواب میں فرمایا:

”ابن مسعود کو قرآن و سنت کی تعلیم دی گئی یہاں تک کہ وہ اس کی انتہا پر پہنچ

گئے اور اب ان کا علم کافی ہے۔ (یعنی اب مزید علم کی ضرورت نہیں ہے۔)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک یہ بڑے عالم (عبداللہ بن مسعود) ہم میں موجود ہیں، مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی جلالت علمی کے بارے میں فرمایا:

”میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ

کتاب کا عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر کوئی عالم چھوڑا ہو۔“ (صحیح مسلم)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم و فضل

اور مقام و مرتبہ کا کس قدر لحاظ تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے:

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا تہبند ٹخنوں

سے نیچے لٹکا رکھا ہے۔ انھوں نے اس سے فرمایا: ”تہبند ذرا اوپر کر کے باندھو۔“ اس نے

ترشی سے کہا۔ ”ابن مسعود! تم بھی اپنا تہبند اوپر کر کے باندھو۔“

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ”بھائی میں تم جیسا نہیں، میری ٹانگیں بہت پتلی ہیں۔“

(اس لیے تہبند نیچے ڈھلک آتا ہے۔)

حضرت عمرؓ کو ان دونوں کی گفتگو کا علم ہوا تو انھوں نے اس شخص کو کوڑے لگوائے کہ تو

نے عبداللہ بن مسعود جیسی محترم شخصیت سے منہ زوری کی۔ حالانکہ انھوں نے تجھے ایک

شرعی تقاضا پورا کرنے کے لیے کہا تھا۔

جس زمانے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قیام کوفہ میں تھا، چند اہل کوفہ کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان لوگوں نے حضرت ابن مسعود کے تبحر علمی، تقویٰ اور حسن اخلاق کی بے حد تعریف کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، سچے دل سے کہہ رہے ہو؟

انہوں نے کہا: ”جی ہاں ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں سچے دل سے کہہ رہے ہیں۔“
حضرت علیؑ نے فرمایا: ”تم نے عبداللہ بن مسعود کی جو تعریف کی ہے میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں۔“
(طبقات ابن سعد)

حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے فضل و کمال کے ساتھ اصابت رائے، تدبیر اور غیر معمولی فراست کے اوصاف سے بھی نوازا تھا۔ ان کے ان اوصاف کا اندازہ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں لوگوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کو ان کا حاکم یا امیر بناتا تو اُمّ عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود) کو بناتا۔
(ترمذی و ابن ماجہ)

گویا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی انتظامی قابلیت، اصابت رائے اور تدبیر و تجربہ پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کو کسی جماعت یا مقام کا امیر یا حاکم بنانے کے لیے کسی سے مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو قاضی اور وزیر (افسر خزانہ) بنا کر کوفہ بھیجا جہاں وہ دس سال تک نہ صرف ان عہدوں کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے بلکہ مختلف نوع کے انتظامی امور میں بھی کوفہ کے گورنر (والی یا امیر) کے مشیر اور معاون بھی رہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ:

”مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھو، واللہ اس کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رات کونازل ہوئی یا دن کے وقت، سنگلاخ زمین پر نازل ہوئی یا نرم زمین پر۔“ لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لیے کوفہ میں ان کا معمول یہ تھا کہ مسجد کوفہ میں تشریف لے جاتے، قرآن حکیم کی کوئی آیت تلاوت کرتے اور دیر تک اس آیت کی تفسیر اور اس کے بارے میں لوگوں سے گفتگو کرنے میں گزار دیتے۔

(فقہ عبداللہ بن مسعود بحوالہ تفسیر قرطبی و تفسیر طبری)

خطابت

درس و افتا کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود تبلیغ و ارشاد کا فرض بھی ادا کرتے رہتے تھے۔ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے اور ان کے خطبات و مواعظ میں ایجاز و اختصار کے ساتھ بے مثال تاثیر ہوتی تھی۔ کتب احادیث و سیر میں کئی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر انھوں نے خود ذات رسالت مآب ﷺ کی موجودگی میں خطبہ دیا تو حضور ﷺ نے ان کے انداز خطابت کی تحسین فرمائی۔ علامہ ابن عساکر اور پیشمی نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر خطبہ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکر کھڑے ہو اور خطبہ دو۔ انھوں نے حضور ﷺ کے خطبہ سے بھی مختصر خطبہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خطبہ دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن اپنے خطبہ کو حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ سے بھی مختصر رکھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی اور صاحب کو خطبہ دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے اپنے خطبہ میں متفرق باتیں کہنا شروع کیں۔ سرور عالم ﷺ نے انہیں ناپسند فرمایا اور انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ اب آپ ﷺ نے اپنا رخ انور حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف پھیرا اور فرمایا: ”اے ابن ام عبد کھڑے ہو اور خطبہ دو۔“ حضرت عبداللہ کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا:

”اے لوگو بے شک اللہ عزوجل ہمارا مالک ہے اور بے شک اسلام ہمارا دین ہے اور قرآن ہمارا امام ہے اور بے شک کعبہ ہمارا قبلہ ہے اور (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہمارے نبی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو چیزیں ہمارے لیے پسند فرمائیں ہم نے بھی وہ چیزیں پسند کیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جن چیزوں کو ہمارے لیے مکروہ سمجھا ہے ہم نے بھی وہ چیزیں مکروہ سمجھیں۔“ سرورِ عالم ﷺ ان کا خطبہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ابنِ اُمِّ عَبْدِ نے ٹھیک کہا ہے، ابنِ اُمِّ عَبْدِ نے ٹھیک کہا اور سچ کہا ہے، میں راضی ہو گیا اس سے جس سے اللہ راضی ہے میرے لیے میری اُمت کے لیے اور ابنِ اُمِّ عَبْدِ کے لیے۔“

حضرت ابنِ مسعود اپنے خطبات و مواعظ میں بالعموم توحید و نماز باجماعت اور خوفِ آخرت کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے ارشادات کے چند فقرے ملاحظہ ہوں۔

”لوگو جس نے دنیا کا ارادہ کیا اس نے آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا۔ تمہیں چاہیے کہ فانی کا خسارہ باقی کے لیے برداشت کرو۔“

”لوگو جو دنیا میں ریاکاری کرے اللہ قیامت کے دن اس کو ریاکاری کا بدلہ دے گا جو دنیا میں شہرت کے لیے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کام کی شہرت کرائے گا اور اس کے لیے جزا کچھ نہیں اور جو عظمت اور بڑائی کی خاطر بلندی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو گرا دے گا اور جس نے ازراہ خشوع تواضع اختیار کی اللہ اس کو سر بلند کرے گا۔“

”بھائیو۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، قرآن کے ساتھ چلو، وہ جہاں تمہیں لے جائے اور جو تمہارے پاس حق لائے اسے قبول

کرو اگرچہ حق لانے والا کتنا ہی غیر ہو اور تمہیں اس سے دشمنی ہو اور جو تمہارے پاس باطل کو لائے اس کو رد کر دو اگرچہ وہ تمہارا کتنا ہی دوست اور قریبی رشتہ دار ہو۔“

”لوگو! اگر میں اس بات پر قسم کھا لوں تو حانت نہ ہوں گا کہ جب اللہ نے دنیا میں کسی بندہ کی پردہ پوشی کی تو وہ آخرت میں بھی اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“

ابن مسعود لوگوں کو سمجھانے کے لیے اپنے مواعظ میں تمثیلات سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ان کی بیان کی ہوئی ایک تمثیل کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ ایک شخص کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا کوئی نیکی نہ تھی۔ وہ مرنے لگا تو اس نے وصیت کی کہ میری لاش کو آگ میں جلا دینا اور جلے ہوئے اجزا کو پیس کر سمندر میں بہا دینا۔ لوگوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے سوال کیا کہ تو نے اپنی لاش کے بارے میں ایسی وصیت کیوں کی؟ اس نے عرض کیا ”الہی تیرے خوف اور ڈر سے۔ اس کے جواب پر اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور وہ شخص بخش دیا گیا۔“

یہ تمثیل بیان کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانا تھا کہ خشیتِ الہی (اللہ تعالیٰ کا خوف) ہی تمام نیک اعمال کی روح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک فصیح البیان خطیب ہونے کے باوجود وعظ و تقریر کے لیے کبھی کبھار ہی منبر پر کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وعظ و نصیحت کی کثرت سے لوگ (سامعین) اکتا جاتے ہیں اور اس کا بہت کم اثر قبول کرتے ہیں۔ اس لیے وہ نہ صرف وعظ و تقریر کی کثرت سے بچتے تھے بلکہ اپنے خطبوں میں اختصار سے بھی کام لیتے تھے تاہم یہ مختصر خطبے بڑے صاف سادہ اور اثر انگیز ہوتے تھے۔ وہ اپنے اس طرز

عمل کے جواز میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں (صحابہ) کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن کے وقفے کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد: ج-۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خطبات و مواعظ اکثر ایسے بلوغ جملوں پر مشتمل ہوتے تھے جو سامعین کے دلوں میں اتر جاتے تھے۔ اگر کتبِ سیر سے ایسے گہرے تاہلہ چنے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

فقہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ساہا سال تک مسلسل بارگاہِ نبوت سے براہِ راست کسبِ فیض کیا تھا چنانچہ وہ احکامِ شریعت کی معلومات کا ایک بحرِ خاں بن گئے تھے۔ ان کا شمار فقہائے صحابہ کے طبقہ مکثرین میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جن سے بکثرت فقہی مسائل منقول ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک اس طبقہ میں صرف سات صحابہ کبار داخل ہیں یعنی حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔

علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے کئی ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ ان سات بزرگوں میں سے بھی صرف چار یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ موجودہ فقہ اسلامی کے بیشتر حصے کی بنیاد ان کے فتاویٰ پر قائم ہوئی اور وہ سب فقیہ الامت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے فتاویٰ اور آراء اگرچہ سبھی فقہی مسالک کے نزدیک بڑے وزن اور اہمیت کے حامل ہیں لیکن فقہ حنفی کا تو تمام تر دار و مدار انھیں پر ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت ابن مسعودؓ کو فہم فقہ کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اور ان کے شاگردان کے فتاویٰ کو معرضِ تحریر میں لے آتے تھے۔ علامہ ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے سوا کسی صحابی

کے تلامذہ نے ان کے فتاویٰ اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا۔

حضرت ابن مسعودؓ کے بعد ان کے تین نامور شاگردوں علقمہ بن قیس نخعی، اسود بن یزید نخعی اور مسروق بن عبدالرحمن (اجدع) ہمدانی نے فقہ اور اجتہاد میں بڑی شہرت پائی۔ ان میں سے علقمہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کی وفات کے بعد ابراہیم بن یزید نخعی نے (جو ان کے بھتیجے اور خاص شاگرد تھے) ان کی مسند فضیلت کو رونق بخشی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ فقہ کے امام تھے اور ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔ ابراہیم کے فتاویٰ کے سب سے بڑے عالم حضرت حماد بن ابی سلیمان تھے جن سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم پائی۔ چنانچہ فقہ حنفی کی عمارت بالواسطہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی اساس پر تعمیر ہوئی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علم و اجتہاد سے کام لے کر فقہ حنفی کو اس قدر ترقی دی کہ دنیائے اسلام کا بہت بڑا حصہ صدیوں سے حنفی مسلک سے وابستہ چلا آ رہا ہے۔

فقہ اسلامی کی عمارت جن ستونوں پر قائم ہے، ان میں قرآن و حدیث اور سنت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عہد رسالت میں تو کسی مسئلے کے لاینحل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ بعض مسائل جن کے بارے میں واضح احکام قرآن و حدیث میں نہیں ہیں، بالخصوص وہ نئے نئے مسائل جو عہد رسالت کے بعد مسلمانوں کو پیش آئے ان مسائل کے سلسلے میں جو سوال پیدا ہوئے، ان کو حل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور ائمہ فقہانہ نے اجماع، قیاس اور اجتہاد سے کام لیا۔ ان بزرگوں میں حضرت ابن مسعودؓ ان چھ صحابہ میں سے ایک تھے جن کو مجتہد تسلیم کیا جاتا تھا۔ دوسرے پانچ یہ تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ فقہی مسائل میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے۔

روایتِ حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود روایتِ حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ انہیں ہر لحظہ یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جو حضور ﷺ نے نہ فرمایا ہو۔ حدیث روایت کرتے وقت بڑے مؤدب انداز میں بیٹھتے اور ایک ایک لفظ ایسی احتیاط کے ساتھ زبان سے نکالتے گویا ذمہ داری کے بوجھ سے دبے جا رہے ہوں۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک حدیث بیان کرنے کے بعد متبسم ہو گئے۔ پھر لوگوں سے فرمایا: ”تم نے پوچھا نہیں کہ میں کیوں مسکرایا۔“ لوگوں نے کہا ”آپ ہی فرمائیے۔“ ارشاد ہوا۔ ”اس لیے کہ اس موقع پر خود رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔“ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حدیث بیان کرتے ہوئے ”قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ“ کے الفاظ زبان سے نکالنے سے حتی الوسع احتراز کرتے تھے۔ اگر کبھی یہ الفاظ زبان سے نکل جاتے تو جسم پر کپچی طاری ہو جاتی اور فرماتے، حضور ﷺ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ یا اسی کے ہم معنی الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ طبقات ابن سعد میں مشہور تابعی حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ پورے ایک سال تک میرا یہ معمول رہا کہ ہر جمعرات کو حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کسب فیض کرتا۔ اس مدت میں سوائے ایک موقع کے میں نے انہیں کبھی حضور ﷺ کی نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ اس موقع پر اتفاق سے ان کی زبان سے ”قال رسول اللہ ﷺ“ کا فقرہ نکل گیا۔ اس وقت ان کے بدن پر ریشہ طاری ہو گیا، ماتھے پر پسینہ آ گیا، رگیں پھول گئیں اور آنکھیں پُر آب ہو گئیں۔“ بایں ہمہ احتیاط و خوف ابن مسعود حضور ﷺ کے ارشادات کو اُمت تک پہنچانا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے چنانچہ ان سے ۸۲۸ احادیث مروی ہیں۔ ان میں ۶۴ متفق علیہ، ۲۱ میں بخاری اور ۳۵ میں مسلم منفرد ہیں۔

احادیث بیان کرنے میں غیر معمولی احتیاط کے باوجود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مذاکرہ حدیث کا بہت شوق تھا (یعنی دوسرے صحابہ، شاگردوں یا اہل علم دوستوں اور بزرگوں سے احادیث کے بارے میں گفتگو کرنا، ان کو حدیثیں سنانا اور ان سے حدیثیں سننا) وہ اکثر اپنے احباب اور شاگردوں کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر دیر تک عہد رسالت کے واقعات اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات ایک دوسرے سے سنتے سنا تے رہتے۔ ان کے ایک شاگرد و ابصہ اسدی کا بیان ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت کسی نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر ”السلام علیکم“ کہا، میں نے باہر نکل کر دیکھا تو عبداللہ بن مسعود تھے۔ میں نے کہا، ابو عبد الرحمن! اس وقت آپ کیسے تشریف لائے؟ انھوں نے فرمایا، آج بعض کاموں میں ایسے مصروف رہا کہ دن چڑھ گیا، اب فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد رسالت کی یادیں تازہ کروں۔ پھر وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان کرنے لگے اور دیر تک ایمان افروز صحبت رہی۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں سے تیس احادیث

- ۱- قارئین ذیل کی ۱۳۰ احادیث میں سے ہر حدیث سے پہلے ان الفاظ کا اضافہ کر لیں۔
”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:“
کسی مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے کسی مرض سے یا اس کے علاوہ کسی سبب سے۔
اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں
رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
- ۲- جو کوئی غمی اور موت کے موقع پر اپنے گالوں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور
اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (یعنی ہمارے
طریقے پر نہیں ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
- ۳- جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال

مار لے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک اور ناراض ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۴- سچ بولنے سے بہت سے نیک کاموں کی توفیق ملتی ہے اور نیک اعمال بجالانے سے جنت ملے گی۔ جو آدمی سچ بولنے کی عادت ڈالے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بولنے سے بہت سی بدیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور بدیوں کا ارتکاب کرنے سے آدمی دوزخ میں جاتا ہے اور جو جھوٹ بولنے کی عادت ڈالے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا نام کذاب (یعنی بڑا دروغ گو) پڑ جاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۵- وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا۔ اس پر ایک شخص نے کہا، بے شک ہر شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو آپ ﷺ نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور پسند کرتا ہے جمال کو (مگر) تکبر حق کو باطل کرنا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے (حقارت سے دیکھنا ہے)

(صحیح مسلم)

۶- دو شخصوں کے سوا کسی شخص کی حالت قابل رشک نہیں۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال عطا فرمایا اور اسے توفیق دی کہ وہ نیک جگہوں پر اسے صرف کرے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سے نوازا کہ اس کے ذریعے لوگوں میں فیصلہ کرتا اور لوگوں کو علم سکھاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۷- جب تین شخص ایک جگہ جمع ہوں تو ان میں سے دوسرے گوشی سے باتیں نہ کریں کیونکہ تیسرے کو اس سے رنج ہوگا۔ (صحیح بخاری)

۸- اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داری اٹھانے کی استطاعت رکھتا ہو، اسے نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نظر کو نیچا رکھتا اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ (یعنی

غیر عورتوں پر بُری نظر ڈالنے اور شہوانی طاقت کو غلط یعنی بے جا استعمال کرنے سے بچاتا ہے۔) اور جو نکاح کی ذمہ داری پوری کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ شہوت پر قابو پانے کے لیے وقتاً فوقتاً روزے رکھا کرے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۹- فصاحت لسانی کا تکلفاً مظاہرہ کرنے والے تباہ ہو جائیں۔ (یہ بات رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرائی) (صحیح مسلم)

یعنی حضور ﷺ نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا اور اس کی ممانعت فرمائی کہ تقریر کرنے والے سننے والے لوگوں پر محض اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کے لیے بھاری بھر کم مشکل الفاظ استعمال کریں۔ تقریر وہی اچھی ہوتی ہے جس میں سادہ زبان اور ایسے الفاظ استعمال ہوں جن میں نہ تکلف ہو اور نہ بناوٹ۔

۱۰- اگلی نبوت (انبیائے سابقین) کی باتوں (تعلیمات) میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے، ان میں سے ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ جب تم میں شرم و حیا نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ (صحیح بخاری)

فارسی زبان میں یہ مقولہ اس طرح مشہور ہے ”بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن“ یعنی جب آدمی بے حیا ہو جاتا ہے تو جو اس کے جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے نہ تو اس کو اللہ کا خوف ہوتا ہے اور نہ مخلوق خدا کا، کوئی بھی برا کام کرنے سے وہ نہیں شرماتا۔

۱۱- جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا اور ان سے مدد چاہی تو اسے اس مشکل سے مستقل نجات نہیں ملے گی اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اسی سے مدد مانگی (دعا کی) تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی حاجت پوری کر دے گا (اس کی مشکل حل کر دے گا) یا تو جلد موت دے کر (اگر اس کی موت کا مقررہ وقت آ گیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۲- جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

۱۳- گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اسی بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا

ہی نہ ہو۔ (جامع ترمذی سنن ابن ماجہ، سنن داری)

۱۴- قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین اور مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا میرا وہ امتی ہوگا جو

مجھ پر زیادہ صلوٰۃ (درود) بھیجے والا ہوگا۔ (جامع ترمذی)

۱۵- جس نے کتاب اللہ (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھا، اس نے ایک نیکی کمالی اور یہ

نیکی اللہ تعالیٰ کے قانونِ کرم کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا

کہ اَلْم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف

ہے (اس طرح اَلْم میں تین حرف ہیں اور اَلْم پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر

ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن داری)

۱۶- کسبِ حلال (حلال روزی کے حصول) کے لیے فکر و کوشش (تگ و دو) کرنا فرض

کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۱۷- ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ کسی ناجائز طریقے سے حرام مال کمائے اور اس میں سے

صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں برکت ہو

اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لیے جہنم

کا توشہ ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے

مٹاتا ہے یہ حقیقت ہے کہ گندگی کو گندگی نہیں دھو سکتی۔ (مسند احمد)

۱۸- مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور نہ زبان دراز ہوتا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

۱۹- کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ

اس پر حرام ہے۔ یہ ایسا شخص ہے جو تیز مزاج نہ ہو، نرم خو ہو اور لوگوں سے قریب ہونے والا ہو۔
(ابوداؤد، ترمذی)

۲۰۔ اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی بات سنی پھر جس طرح سنی اسی طرح لوگوں تک پہنچا دی۔ یاد رکھو بعض وہ لوگ ہیں جن کو میری باتیں پہنچیں گی وہ بعض خود سننے والوں سے زیادہ سمجھنے والے ہوں گے۔
(جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی چند بیانیہ احادیث

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ”یا رسول اللہ! کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا، اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا، ماں باپ کے ساتھ نیکی (حسن سلوک) کرنا۔ میں نے کہا، اس کے بعد کون سا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو سفر کرتے ہوئے کسی ایسی غیر آباد اور ویران جگہ پہنچ گیا ہو جو ضروریات زندگی سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھری (آباد) ہو۔ اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان لدا ہو۔ پھر وہ آرام کے لیے اپنا سر زمین پر رکھ کر لیٹ جائے اور اسے نیند آ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی سامان خور و نوش سمیت غائب ہے پھر وہ اس کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے لگے یہاں تک کہ جب گرمی اور پیاس کی شدت سے اس کی جان لبوں پر آ جائے تو وہ سوچنے لگے کہ کیوں نہ اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں جہاں سویا تھا اور جہاں سے اونٹنی

غائب ہوئی تھی یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے پھر وہ وہاں جا کر اپنے بازو پر سر رکھ کر مرنے کے لیے لیٹ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی سامان خور و نوش سمیت اس کے پاس کھڑی ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے خوش ہوگا، اللہ کی قسم، مومن بندے کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۳- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى
وَالْتَّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى

(اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور تقویٰ اور پاک دامنی اور غنا، یعنی مخلوق کی محتاجی سے بے نیازی) (صحیح مسلم)

۲۴- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان (جماعت کے لوگوں) کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی جس سے محبت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہے (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۵- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا مگر دو نمازوں میں یعنی مغرب اور عشا کی نمازوں کو آپ نے (دورانِ حج مزدلفہ میں) جمع کیا اور اس روز فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۶- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، آپ نے مجھے یہ تشہد تلقین فرمایا جیسا کہ آپ قرآن کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے۔

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ
 أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ط السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى
 عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ
 مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ-

ترجمہ: تعظیم و ادب اور اظہارِ عجز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لیے ہیں اور تمام عبادات و صدقات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ آپ پر سلام ہوا ہے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

۲۷- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے جو شخص نماز پڑھے مگر زکوٰۃ نہ دے تو اس کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگی۔
 (ترغیب و ترہیب بحوالہ طبرانی)

۲۸- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! کون سا کام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے پوچھا، پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا، تمہاری زبان سے کسی کو تکلیف (دکھ نہ پہنچے) نہ کسی کو برا کہو، نہ کسی پر تہمت لگاؤ، نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو۔
 (ترغیب و ترہیب بحوالہ طبرانی)

۲۹- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے فرمایا، ہمارا رب دو آدمیوں کے عمل سے بہت خوش ہوتا ہے۔

ایک وہ جو سردی کے موسم میں اپنے نرم بستر اور لحاف کو چھوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں سے جدا ہو کر نماز کو جاتا ہے۔ ہمارا رب اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندے کو اس نے اپنا بستر اور لحاف چھوڑا اور اپنے بیوی بچوں سے الگ ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کے دل میں ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی خواہش ہے جو میرے پاس ہیں اور دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، مجاہدین کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جنگ سے ہٹے لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ میدان جہاد سے ہٹنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور میدان میں ڈٹے رہنے کا کیا صلہ ملتا ہے یہ سوچ کر وہ جہاد میں مشغول رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ ایسا اس نے اس لیے کیا کہ میرے انعامات کی خواہش رکھتا ہے اور میرے عذاب سے ڈرتا ہے تو اللہ عزوجل اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندے کو کہ یہ میدان جہاد میں دوبارہ واپس ہوا اور لڑتے لڑتے جان دے دی اس لیے کہ اسے میرے انعام کی خواہش ہے اور میرے عذاب کا ڈر ہے۔ (مُسْنَدِ أَحْمَد)

۳۰- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو میرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین چار بار دہرائی پھر کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم پر سبقت لے جائے گی اور ان کی قسم گواہی پر سبقت لے جائے گی۔ (یعنی ان کی قسم اور گواہی کی کوئی قدر و قیمت نہ رہے گی) حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہمارے سرپرست اصحاب ہم بچوں کو جھوٹی قسم کھانے اور جھوٹی گواہی دینے اور عہد پورا نہ کرنے پر مارا کرتے تھے۔ (مُسْنَدِ أَحْمَد)



حضرت عبداللہ بن مسعود کی والدہ حضرت اُمّ عبد رضی اللہ عنہا

اصل نام معلوم نہیں ہے (کسی سیرت نگار نے نہیں لکھا)

انہوں نے اپنی کنیت اُمّ عبد ہی سے شہرت پائی۔ شاید یہی ان کا اصل نام ہو۔ ان کا تعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان بنو ہذیل ہی سے تھا۔ علامہ ابن اثیر نے ان کے والد کا نام اس طرح لکھا ہے۔

سود بن قویم بن صاہلہ ہذلی

ابن اثیر نے حافظ ابو عمر بن عبدالبر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ایک روایت میں ان کے والد کا نام عبدود بن سواء بھی آیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے ”سود بن قویم“ نام ہی کو ترجیح دی ہے۔

حضرت اُمّ عبد کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کو دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے ہی میں قبولِ حق کی سعادت حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں ہجرت کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثر ”ابن اُمّ عبد“ کہہ کر بلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ اپنی والدہ کو اکثر حرمِ نبوی ﷺ میں بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ رحمتِ عالم ﷺ کی خانگی زندگی کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔

حضرت اُمّ عبد رضی اللہ عنہا کے مزید حالات نہیں ملتے اور نہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کب وفات پائی۔ یہ بات البتہ ثابت ہے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے محبوب بھائی حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کا نسب نامہ حضرت عبداللہ کے تذکرہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے اپنے والد اور بھائی کے ساتھ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر مکہ میں آ گئے تھے اور قریش کے خاندان بنو زہرہ سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مکہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی شہر میں دونوں بھائیوں نے بچپن سے جوانی تک کی منزلیں طے کیں۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت ان کے والد مسعود بن غافل کا انتقال ہو چکا تھا اور ان دونوں بھائیوں کا عنفوانِ شباب تھا۔ حصولِ معاش کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود تو مکہ کے ایک رئیس عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے، حضرت عتبہ کے بارے میں اربابِ سیر نے وضاحت نہیں کی کہ اس وقت وہ کیا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کا کوئی کام کرتے ہوں۔ بہر صورت اس بات پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے کہ دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو دونوں بھائیوں نے اس پر لبیک کہا اور یوں دونوں نے سَابِقُونَ اَوَّلُونَ کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کر لی۔

دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں جو سعید الفطرت ہستیاں مشرکینِ قریش کے بے پناہ

مظالم کا نشانہ بنیں، حضرت عتبہ بن مسعود بھی ان میں شامل تھے۔ ۵ اور ۶ بعد بعثت میں رسول اکرم ﷺ نے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو دوسری ہجرت حبشہ (۶ بعد بعثت) میں بہت سے دوسرے صحابہ کے ساتھ حضرت عتبہ بھی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود پہلی ہجرت حبشہ میں شریک تھے لیکن وہاں سے کچھ عرصہ بعد واپس مکہ آ گئے اور ۶ بعد بعثت میں دوبارہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ وہ آنحضور ﷺ کی ہجرت اہل المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے حبشہ سے واپس مکہ آئے اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ گئے لیکن حضرت عتبہ غزوہ احد (۳ ہجری) سے کچھ پہلے حبشہ سے مدینہ آئے اور غزوہ احد میں رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی وہ جانبازانہ شریک ہوئے۔ اپنے بھائی کی طرح ان کو بھی رسول اکرم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملا۔

اہل سیر نے حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کی بھی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود سے علم و فضل میں کچھ کم نہ تھے مگر انھوں نے زیادہ عمر نہ پائی اس لیے ان کی علمی صلاحیتیں اُجاگر نہ ہو سکیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عتبہ سے زیادہ دینی مسائل کو نہ جانتے تھے لیکن عتبہ رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پا گئے۔ (اسد الغابہ) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی یعنی ۱۳ ہجری سے ۲۴ ہجری کے درمیان کسی وقت۔ (مشدرک حاکم)

کسی مستند روایت میں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کے سال وفات کی تصریح نہیں کی گئی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حیات تھے۔ ان کو اپنے بھائی سے بے پناہ محبت تھی۔

بھائی کی دائمی جدائی کے صدمے نے ان کو نڈھال کر دیا اور وہ فرطِ غم سے رونے لگے۔ لوگوں نے حیران ہو کر ان سے کہا۔ ”آپ بھی روتے ہیں؟“ انھوں نے فرمایا:

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے، میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں میرا ساتھی تھا اور وہ عمر بن خطاب کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔“ حضرت عتبہؓ کے فرزند حضرت عبداللہ نے اپنے عم محترم حضرت عبداللہ بن مسعود سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے ”رموزِ بے خودی“ میں حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ ارتحال پر حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے غم کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

جسم و جانِ اوسراپا سوزِ عشق

ابن مسعود آں چراغِ افروزِ عشق	جسم و جانِ اوسراپا سوزِ عشق
سوخت از مرگِ برادرِ سینہ اش	آبِ گردید از گدازِ آئینہ اش
گریہ ہائے خویش را پایاں ندید	در غمش چوں مادراں شیون کشید
اے دریغا آں سبتِ خوانِ نیاز	یارِ من اندرِ دبستانِ نیاز
آہ آں سرو سہی بالائے من	در رہِ عشقِ نبیؐ ہمپائے من

حیفِ اوسِ محرومِ دربارِ نبیؐ
چشمِ منِ روشنِ ز دیدارِ نبیؐ

(لم یلد ولم یولد / رموزِ بخودی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشق کے چراغ کی روشنی بڑھانے والے تھے اور ان کے جسم و جان میں سر سے پاؤں تک عشق ہی کا سوز تھا۔
 بھائی کی موت سے ان کا سینہ جل اور ان کا آئینہ دل گداز ہو کر پانی بن گیا۔ ان کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے، وہ بھائی کے غم میں ماں کی طرح آہ و زاری کر رہے تھے۔ کہتے تھے ہائے افسوس جو نیازِ عشق کا سبق خواں تھا اور نیاز کی درسگاہ میں میرا ساتھی تھا۔ آہ وہ میرا بلند قامت بھائی جو نبی ﷺ کے عشق میں میرا ہم سفر تھا۔ افسوس وہ دربارِ نبی ﷺ کی حاضری سے محروم ہو گیا اور میری آنکھ نبی ﷺ کے دیدار سے روشن ہے۔



یہ تیرے پر اسرار بندے (جدید ایڈیشن)

مؤلف: طالب الہاشمی

اصحاب رسول ﷺ کی بابرکت زندگیوں کا وجد آفریں اور پر نور تذکرہ مشاہیر امت کے سبق آموز تذکرے اس میں شامل ہیں۔ اصحاب صفہ کے عمومی حالات ان کے علاوہ ہیں۔ محترم جناب طالب الہاشمی نے بڑی تحقیق و تفحص کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور مشاہیر امت کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ معرکہ آراء کتاب ہر علمی اور دینی لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔

طاہر اپیلی کیشنز

ملنے کا پتا

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

Ph:042-6120422 Mob:0333-4470509

حضرت بلال

بن

رباح رضی اللہ عنہ

مؤذن و خادم رسول

حدیث نبوی ﷺ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے حاکموں میں سب سے اچھے وہ حاکم ہیں کہ تم لوگ ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے حق میں دعا کرو اور وہ تمہارے حق میں دعا کریں۔ اور تمہارے حاکموں میں سب سے بُرے حاکم وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔
(صحیح مسلم)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
 کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے (غالب)
 سیدنا حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار جناب رسالت مآب ﷺ
 کے ان خادمانِ خاص اور دربار رسالت کے ان عظیم المرتبت ارکان میں ہوتا ہے جن کا اسم گرامی
 سن کر ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور اس کی گردن فرط عقیدت و احترام
 سے جھک جاتی ہے۔

نام و نسب

نام بلال بن رباح مشہور کنیت ابو عبد اللہ۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ بعض لوگوں
 نے اُن کی کنیت عبد الکریم اور بعض نے ابو عمرو بھی بیان کی ہے۔
 نسب نامہ کسی نے نہیں لکھا صرف ان کے والد (رباح) کا نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔
 والدہ کا نام حمامہ تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدین حبش کے رہنے والے تھے اور بعثتِ نبوی
 سے ساہا سال پہلے ترکِ وطن کر کے مکہ آ گئے تھے۔ یہاں (مکہ میں) انھوں نے قریش
 کے خاندان بنو حجاج کی غلامی اختیار کر لی تھی۔ (یا انہیں غلام بنا لیا گیا تھا) اس طرح مکہ ہی ان کا
 مستقل مسکن بن گیا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے ولادت تمام سیرت نگاروں نے مکہ معظمہ

بیان کی ہے البتہ ان کے سالِ ولادت کے بارے میں اسی طرح کا اختلاف ہے جس طرح ان کے سالِ وفات اور عمر کے بارے میں ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ بعثتِ نبوی سے اٹھائیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ بعض نے ان کا سال ولادت ۲۵/۲۶ سال اور بعض نے ۳۰ سال قبل بعثت بیان کیا ہے۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہے کہ جب وہ حلقہٴ بگوشِ اسلام ہوئے تھے تو وہ جوان تھے اور ان کی عمر پچیس تیس سال کے درمیان تھی۔ وہ سنِ شعور کو پہنچے تو چاروں طرف کفر و شرک کی ضلالت کو محیط پایا۔

قبولِ اسلام

جس زمانے میں رسولِ اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنو جمح کے غلام کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا آقا بنو جمح کا رئیس اُمیہ بن خلف تھا۔ وہ دینِ حق کا سخت دشمن اور نہایت سنگ دل شخص تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا جو نبی ان کے کانوں میں دعوتِ توحید کی آواز پہنچی۔ انھوں نے اس پر بلا تامل لبیک کہا اور داعیِ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان سے پہلے صرف چھ سعید الفطرت انسان رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان نفوسِ قدسی کی صف میں امتیازی جگہ پانے کا شرف حاصل ہو گیا جن کو اللہ تعالیٰ نے سَابِقُونَ اَوَّلُونَ کا لقب دیا اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی۔ سورہ توبہ میں ان سعید الفطرت ہستیوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ اَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

(التوبہ: آیت ۱۰۰)

ترجمہ: وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں ”مہاجرین“ کے لفظ کا اطلاق حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بھی ہوتا ہے کیونکہ چند سال بعد ان کو راہِ حق میں ہجرت کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کے وقت ان کے والد وفات پا چکے تھے البتہ ان کی والدہ حمامہ حیات تھیں۔ ان کو بھی قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوگئی۔

راہِ حق میں بلاکشی

دعوتِ حق کے ابتدائی دور کو اس دعوت کے قبول کرنے والوں کا دور ابتلا یا دور آزمائش کہا جاسکتا ہے کیونکہ کفار قریش کو جس شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے یا جس نے بھی کسی طرح اپنے اسلام کا اظہار کیا، وہ اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانے لگتے۔ شروع شروع میں تو وہ اسلام قبول کرنے والوں کو ملامت کرتے کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے پھر اس پر دباؤ ڈالتے کہ نیا دین (اسلام) چھوڑ دو ورنہ تم کو سخت ذلیل و خوار کیا جائے گا۔ جب وہ کفار کی بات ماننے سے انکار کر دیتے تو ان کو طرح طرح کے مظالم کا ہدف بنا لیتے۔ سب سے زیادہ دردناک مظالم ان غلاموں اور لونڈیوں پر توڑے گئے جو بے سہارا تھے اور جن کا مکہ میں کوئی پشت پناہ نہ تھا لیکن آفرین ہے اللہ کے ان پاکباز بندوں پر کہ انہوں نے ہر نوع کے انسانیت سوز مظالم جھیلے لیکن دینِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

بلاشبہ شہادت حق کی راہ میں بے مثال استقامت نے ان عاشقانِ خیر البشر ﷺ کو اس جنت اور عظیم الشان کامیابی کا حقدار بنا دیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ قبولِ اسلام کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنو حنیئہ کے پاس غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا آقا امیہ بن خلف جمحی سخت مشرک اور بد باطن شخص تھا۔ اس کے کانوں میں جو نہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کی بھنک پڑی، وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا:

”میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے، سچ سچ بتاؤ تم نے اب

کس معبود کی پرستش شروع کر دی ہے؟“

حضرت بلال نے بے دھڑک جواب دیا:

”محمد ﷺ کے اللہ کی۔“

امیہ نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا:

”محمد (ﷺ) کے اللہ کی پرستش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمارے

مقدس معبودوں لات اور عزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اپنی سلامتی چاہتا ہے تو

محمد (ﷺ) اور اس کے اللہ کا انکار کر کے لات اور عزیٰ کی عبادت شروع کر

دو۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم ہمارے معبودوں کو چھوڑ کر محمد (ﷺ)

کے اللہ کی عبادت کرنے لگو۔“

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہو چکے تھے۔ انہوں نے

امیہ بن خلف کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

”میں تمہارے خود ساختہ معبودوں کی پرستش ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکا

ہوں اور محمد ﷺ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکا ہوں۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کسی صورت میں روگردانی نہیں کر سکتا۔“

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر اُمیہ بن خلف غیظ و غضب سے دیوانہ ہو گیا کہ ایک بے کس اور بے سہارا غلام اس کے حکم کی سرتابی کرے، اس نے کڑک کر کہا:

”اچھا تو پھر لات اور عزی سے منہ موڑنے کا مزہ چکھ، دیکھوں گا کہ محمد (ﷺ) اور اس کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔“

یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی ایسی انسانیت سوز اذیتیں دینی شروع کر دیں کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلالؓ کے اسلام لانے کا حال اُمیہ بن خلف پر کھلا تو اس نے ان کو طرح طرح کے عذاب دیے۔ یہ عذاب کس نوعیت کے تھے۔ ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

ابن ہشام اور علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ اُمیہ بن خلف دو پہر کو سخت گرمی کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیتا اور قسم اٹھا کر ان سے کہتا، تو اسی طرح پڑا رہے گا جب تک تو محمد (ﷺ) کی پیروی سے انکار کر کے لات اور عزی کو اپنے معبود نہ مان لے۔

اس کے جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُحد اُحد ہی کہے چلے جاتے۔ اُمیہ غضبناک ہو کر ان کو زد و کوب کرنے لگتا لیکن ان کی زبان سے اُحد اُحد ہی کی آواز نکلتی تھی یعنی معبودِ حق تو ایک ہی ہے (اللہ تعالیٰ)، ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی وہ یوں کہ پورا ایک دن اور پوری ایک رات حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے تڑپنے کا تماشا دیکھتا رہا۔

بد بخت اُمیہ بن خلف نے ایک دفعہ اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ اگر تم میری

خوشی اور رضامندی چاہتے ہو تو بلال کو اتنی ایذا میں دو کہ یہ محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کے خدا کا نام لینا چھوڑ دے۔ چنانچہ یہ غلام اپنے مالک کو خوش کرنے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے اور جب شام ہوتی تو ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک تاریک کوٹھڑی میں قید کر دیتے اور جب کسی کو خیال آتا تو رات کو وقتاً فوقتاً ان کو تازیانے رسید کرتا رہتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ:

بڑھتا تھا اور شوقِ گنہ ہر سزا کے بعد

علامہ بلاذریؒ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے بلال کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا (یعنی اُمیہ بن خلف نے ان کو اس تپتی ہوئی زمین پر لٹا رکھا تھا) کہ اگر اس پر (کچا) گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ میں لات اور عزی کو معبود نہیں مانتا۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اُمیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر انہیں لڑکوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکے کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ پھر تپتی ہوئی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے اور ان سے کہتے کہ تمہارے معبود لات اور عزی ہیں لیکن وہ برابر ان کا انکار کرتے رہتے اور اُحَدِ اُحَدِ ہی کہتے رہتے۔

شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں (زمانہ جاہلیت میں) حج (یا عمرے) کے لیے مکہ گیا تو دیکھا کہ بلال ایک رسی میں بندھے ہوئے ہیں اور لڑکوں کے ان کو گھسیٹتے پھر رہے ہیں مگر وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات اور عزی اور ہبل اور اساف اور نائلہ اور بوانہ (قریش کے بتوں یا معبودوں کے نام) سب کا انکار کرتا ہوں۔ مختصر یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ عرصہ تک زہرہ گداز مظالم کی چنگی میں پستے رہے لیکن ان کی قوتِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی سختی اور اذیت ان کے

پائے استقامت کو اپنی جگہ سے ذرہ برابر نہ ہلا سکی۔

راہِ حق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تیر خیز بلاکشی کا جو نقشہ اربابِ سیر نے کھینچا ہے اس کو دیکھ کر ان کی ہمت، حوصلے اور قوتِ برداشت پر بے اختیار آفرین کہنا پڑتا ہے۔
طرح طرح کی اذیتیں سہتے ہوئے انھوں نے نہ کبھی واویلا کیا، نہ چیخ پکار کی نہ کبھی ان کے منہ سے ”ہائے ہائے“ کی آواز نکلی۔ اگر ان کے منہ سے کچھ نکلا تو کفار کے معبودانِ باطل سے انکار اور اُحد اُحد ہی کے الفاظ نکلے۔

اتفاق سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر بنو حنیفہ کے محلے ہی میں تھا۔ اپنے کسی ذاتی کام سے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے وہ گھر سے نکلتے تو ان کو اس مقام کے قریب سے گزرنا پڑتا جہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مار پڑ رہی ہوتی۔ یہ ظلم دیکھ دیکھ کر ان کو سخت دکھ ہوتا۔ اس حالت میں حضرت بلال کی استقامت کا نقشہ ایک صاحبِ دل شاعر الحاج سید محمد عبدالعزیز شرقی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کھینچا ہے۔

حضرت بلال عرصہ امتحان میں

سرشار و مست بادۂ توحید ایک دن	کوڑوں سے پٹ رہے تھے سر رہگزر کہیں
تھا جرم یہ کہ کیوں ہے زباں پر اُحد اُحد	اور وہ لات و منات کو کیوں پوجتا نہیں
ہر ضربِ تازیانہ پہ لیتے خدا کا نام	یہ دردِ عشق بھی ہے عجب لذت آفریں
کہنے لگا بہ طنز وہاں اک ستم ظریف	تم جس پہ جان دیتے ہو وہ پوچھتا نہیں
سرخیلِ عاشقان نبی (ﷺ) نے دیا جواب	سن لو مری بات کہ ہے عقل کے قریں
جاتے ہو تم جو مٹی کا برتن خریدنے	ٹھنکا کے دیکھ لیتے ہو کچا نہ ہو کہیں
تم تو حقیر شے کو بھی لو دیکھ بھال کر	مولیٰ مرا خریدے یونہی کیا مرے تیں؟

(الحاج سید محمد عبدالعزیز شرقی)

پنجہ ستم سے حضرت بلالؓ کی رہائی

حضرت بلالؓ کو نئے نئے مظالم و شدا ید کا نشانہ بنتے دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ بے تاب ہو جاتے لیکن ان کا بس نہ چلتا کہ مظلوم بلالؓ کو مشرکین کے پنجہ ستم سے فوراً چھڑا لیں۔ قیاس یہ ہے کہ انھوں نے اُمیہ بن خلف کو حضرت بلالؓ پر ظلم ڈھانے سے ضرور روکا ہوگا لیکن وہ بد بخت اپنے خاندان (بنو ح) کا بگڑا ہوا رئیس تھا اس نے ان کی بات پر کان نہ دھرا ہوگا آخر ایک دن ان کا پیاناہ صبر بالکل لبریز ہو گیا، وہ اُمیہ بن خلف سے دو ٹوک بات کرنے پر تل گئے۔ وہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا:

”اے اُمیہ! اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کر، اگر وہ ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے تو تیرا کیا جاتا ہے۔ اگر اس پر سختیاں کرنے کے بجائے تو اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت میں تیرے کام آئے گا۔“

اُمیہ نے اکڑ کر جواب دیا:

”میں تمہاری خیالی آخرت کا قائل نہیں، اگر بالفرض آخرت ہو بھی تو مجھے دنیا میں کس چیز کی کمی ہے کہ تمہاری موہوم اخروی نعمتوں کی تمنا کروں، جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کے جواب سے دل برداشتہ نہ ہوئے اور بڑے تحمل سے فرمایا:

”بے شک اللہ نے تمہیں بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ایک بے سہارا غلام پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہو، یہ ظالمانہ طرز عمل ہرگز تمہارے شایان شان نہیں۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گفتگو سے تنگ آ کر اُمیہ نے کہا:

”ابن ابی قحافہ! (ابو قحافہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد ماجد کی کنیت تھی) اگر تم اس

غلام کے اتنے ہمدرد ہو تو اس کو خرید کیوں نہیں لیتے؟“

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جھٹ فرمایا: ”بولو اس کے عوض کیا لو گے؟“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سوال کے جواب میں اُمیہ بن خلف نے حضرت بلالؓ کی جو قیمت بتائی اور وصول کی، اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اُمیہ نے ایک نومند جشی غلام کے بدلے میں حضرت بلالؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا ایک کار گزار اور مستعد غلام فسطاس چالیس اوقیہ چاندی کے ہمراہ اُمیہ کو دے کر حضرت بلالؓ کو خریدا۔ کتب سیر میں اسی مضمون کی اور روایتیں بھی ملتی ہیں لیکن قیمتوں میں اختلاف ہے۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُمیہ کو منہ مانگا عوضانہ دے کر حضرت بلالؓ کو خرید لیا۔ اُمیہ بن خلف نے اپنی دانست میں بڑے نفع کا سودا کیا۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کے منجہ ستم سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے تو ہنس کر کہنے لگا۔

”ابن ابی قحافہ! تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درہم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

”ارے نادان! تو اس غلام کی قدر و قیمت کیا جانے، مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی اس کی قیمت میں بیچ ہے۔“

یہ کہہ حضرت بلالؓ کو ساتھ لیا اور سیدھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سارا واقعہ رسول اکرم ﷺ کو سنایا اور پھر عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے بلالؓ کو آزاد کرتا ہوں۔“

یہ سن کر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں دعائے نیر کی۔ حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ کی والدہ حضرت حمانہ رضی اللہ عنہا بھی

حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھیں اور ان کو بھی قبولِ حق کے ”جرم“ میں عذاب دیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو بھی مشرکین سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۵۴۹)

بارگاہِ رسالت سے وابستگی

اُمّیہ بن خلف کے پنجہ ستم سے رہائی پانے کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ دکھ ہو یا سکھ، سفر ہو یا حضر، وعظ و تبلیغ کی مجالس ہوں یا میدانِ جنگ وہ ہمیشہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت نے حضرت بلالؓ کو تاریخ میں وہ قابلِ رشک مقام عطا کر دیا جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے اپنی اس نظم میں اشارہ کیا ہے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جولانگہ سکندرِ رومی تھا ایشیا! گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشاہِ انجم سپاہ کو حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا
آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں
لیکن بلالؓ، وہ حبشی زادہ حقیر فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بلالؓ محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشاہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے؟
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے!

(اقبال)

اس نظم میں اقبال کہتے ہیں کہ ایک دنیا کو زیروزبر کر دینے والے سکندرِ اعظم (رومی)
کو تو آج ایشیا میں کوئی جانتا بھی نہیں یعنی اس کا نام اور کارنامے فنا ہو چکے ہیں لیکن (اس
کے مقابلے میں) غریب حبشی والدین کے مسکین بیٹے بلالؓ کو حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی اس
لیے کہ وہ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت بلالؓ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی مسلسل رفاقت،
خدمت، عقیدت اور محبت کی بدولت نہ صرف دنیا میں زندہ جاوید ہو گئے بلکہ انہوں نے
آخرت میں بھی عظیم الشان کامیابی حاصل کر لی وہ یوں کہ خود رحمتِ عالم ﷺ نے یہ فرما کر
ان کو جنت کی بشارت دی کہ اے بلال! میں نے (شبِ معراج میں) جنت میں تمہارے
جو توں کی آواز اپنے آگے سنی ہے۔ (اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی)

ہجرت

مکی عہدِ رسالت ﷺ کا سارا زمانہ حضرت بلالؓ نے ننگہ ہی میں گزارا۔ اگرچہ بعد بعثت
کے پانچویں اور چھٹے سال بہت سے صحابہ کرامؓ اور صحابہ کرامؓ (کفار کے ظلم و ستم سے بچنے کے
لیے) رسولِ اکرم ﷺ کے ایما پر مکہ سے ہجرت کرنے کے جوشہ چلے گئے لیکن حضرت بلالؓ نے
کسی حالت میں بھی حضور ﷺ سے جدا ہونا گوارا نہ کیا، تسلسل کے ساتھ بارگاہِ رسالت
میں حاضر رہے اور ہر قسم کے نامساعد حالات کی نہایت استقامت اور حوصلے سے مقابلہ
کرتے رہے۔ دکھ ہو یا سکھ وہ ہر حالت میں اپنے آقا ﷺ کے ساتھ رہے۔ جامع ترمذی
میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے

میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی دور رسالت جسے اہل حق کے لیے آزمائش کا زمانہ بھی کہا جا سکتا ہے، حضرت بلالؓ اس میں عزمِ راسخ کے ساتھ خیر البشر ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور ہر طرح کی سختیاں اپنے آقا ﷺ کی طرح صبر اور حوصلے سے جھیلتے رہے۔ آخر رسالہ بعد بعثت میں وہ وقت آ گیا جب رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یثرب (بعد میں مدینہ النبی ﷺ) کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضور ﷺ کی ہجرت سے کچھ پہلے بیشتر صحابہ کرام مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے۔ ان میں حضرت بلالؓ بھی شامل تھے وہ جس طرح قبولِ اسلام کے اعتبار سے سابقون اولون میں ہیں اسی طرح ہجرت کے اعتبار سے بھی ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے کیونکہ ان سے پہلے صرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ نے ہجرت کی۔ مکہ سے ہجرت کے بعد حضرت بلالؓ نے یثرب کی نواحی بستی قبایم (عارضی طور پر) قیام کیا۔ (اب یہ بستی مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے۔) اس بستی میں انصار کے قبیلہ اوس کا ایک خاندان ”بنی عمرو بن عوف“ آباد تھا۔ اس خاندان کے ایک معزز رکن حضرت سعد بن خنیثمہ انصاری رضی اللہ عنہما نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔^۱

حضرت سعد بن خنیثمہ انصاری رضی اللہ عنہما کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ (بقول بعض وہ بنی عمرو بن عوف کے سردار تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سعد بن خنیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرء القیس بن مالک بن اوس)

حضرت سعد کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے ان کے کانوں تک دعوتِ توحید پہنچی تو انھوں نے اس پر بلا تامل لبیک کہا۔ (بانی بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں حصہ لیا

مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا اہتمام فرمایا: ارباب پیر کا بیان ہے کہ مسجد کی تعمیر میں اس کے معماروں اور مزدوروں میں نہ صرف تمام صحابہ کرامؓ (انصار و مہاجرین) نے حصہ لیا بلکہ خود رسالت مآب ﷺ مزدوروں کی طرح پتھر اور گارا ڈھوکراتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بار بار عرض کرتے کہ حضور ہم غلاموں کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں لیکن آپ ﷺ متبسم ہو کر برابر کام کیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۱۳ بعد بعثت میں وہ یشرب کے ان پچھتر سعید الفطرت انسانوں میں شامل ہو کر مکہ گئے جنہوں نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت عقبہ کبیرہ کی سعادت حاصل کی اور حضور ﷺ کو یشرب تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضورؐ نے اس موقع پر حضرت سعد بن خیشمہ کو بنی عمرو بن عوف کا نقیب مقرر فرمایا۔ ان کے والد حارثؓ بھی اسی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور اسلام کے جاں نثار سپاہی بن گئے۔ رسول اکرمؐ مکہ سے ہجرت کے بعد قباء میں رونق افروز ہوئے تو باختلاف روایت حضرت کلثومؓ بن الہدمؓ یا حضرت سعد بن خیشمہؓ کو آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ اگر حضرت کلثومؓ بن الہدمؓ کی میزبانی والی روایت کو ترجیح دی جائے تو پھر بھی حضرت سعد بن خیشمہؓ کے اس شرف پر سب کا اتفاق ہے کہ قیام قبا کے دوران میں جو اصحاب رسول اکرمؐ سے ملاقات کے لیے آتے، آپ ان سے حضرت سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہما کے مکان پر ملتے۔ حضرت سعدؓ نہایت نیک سرشت تھے اس لیے ان کو ”سعد الخیر“ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

۴ ہجری میں آنحضرتؐ غزوہ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو والد (حضرت خیشمہؓ) اور فرزند (حضرت سعدؓ) کے درمیان اس بات پر تکرار ہو گئی کہ رسول اللہؐ کی ہم رکابی کا شرف کون حاصل کرے۔ حضرت خیشمہؓ کا اصرار تھا کہ گھر کی نگہداشت کے لیے حضرت سعدؓ گھر پر رہیں اور وہ حضورؐ کے ساتھ جائیں۔ ادھر فرزند حضرت سعدؓ کی خواہش تھی کہ بوڑھے والد گھر پر رہیں اور وہ حضورؐ کی ہم رکابی کی سعادت حاصل کریں۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے اس میں جس کا نام نکلے وہ حضورؐ کے ساتھ جائے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت سعدؓ کا نام نکلا چنانچہ وہ حضورؐ کے ساتھ بدر کے میدان جہاد میں پہنچ گئے اور کفار کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور بقول بعض انہوں نے ایک کم سن فرزند اپنے پیچھے چھوڑا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت خیشمہؓ بھی غزوہ احد (۳ ہجری) میں شہید ہو گئے۔

جاتے تھے۔ اس کارِ خیر میں حضرت بلالؓ بھی شروع سے اخیر تک برابر شریک رہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ہجرت کے بعد آپ (ﷺ) نے پہلا کیا جو کام
 اک قطعہ زمین تھا کہ اس کام کے لیے
 یہ قطعہ زمین تھا یتیموں کی ملکِ خاص
 چاہا حضور (ﷺ) نے کہ بہ قیمت خرید لیں
 یتام نے حضور میں آ کر یہ عرض کی
 یہ ہدیہ حقیر پذیرا کریں حضور (ﷺ)
 لیکن حضور (ﷺ) نے نہ گوارا کیا اسے
 احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا
 بارہ ہزار سکہ رائج عطا کیے
 سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لیے
 مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
 انصارِ پاک اور مہاجر تھے جس قدر
 اک روز نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک
 کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت
 سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال
 صلو علی النبی و اصحابہ الکریم

تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا
 واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا
 ہر چند گزرگاہ و گزر گاہِ عام تھا
 ان کے مریبوں سے کہا جو پیام تھا
 یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا
 اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا
 منت کشی سے آپ (ﷺ) کو پرہیز تام تھا
 بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انام تھا
 یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا
 اب ان کی نگر مشغلہ صبح و شام تھا
 از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
 مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
 جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
 سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
 یہ خود و جودِ پاکِ رسول (ﷺ) انام تھا
 اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا

حضرت بلالؓ نے اپنے محبوب آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل میں مکہ سے ہجرت تو کر لی
 لیکن آپ ﷺ سے جدا ہو کر وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے تھے۔ جلد ہی
 رسولِ اکرم ﷺ بھی مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر قباء تشریف لے آئے اور حضرت بلالؓ

کے دل بے قرار کو چین آ گیا۔ قیامِ قباء کے دوران میں حضور ﷺ نے مسجدِ قباء کی تاسیس کی۔ اس مقدس کام میں حضرت بلالؓ نے یقیناً ذوق و شوق سے حصہ لیا ہوگا۔ چند دن کے بعد حضور ﷺ قباء سے یثرب تشریف لے گئے اور یہ شہر مدینہ النبی ﷺ بن کر انوار رسالت سے جگمگانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

عقدِ مواخاۃ یا بھائی چارا

ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد رسولِ اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین جو عقدِ مواخاۃ یا بھائی چارا قائم کرایا، وہ تاریخِ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔ بیشتر اربابِ سیر نے اس واقعہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن انہوں نے اس عقدِ مواخاۃ یا بھائی چارے کا ذکر یا تو بالکل نہیں کیا یا اس کا نہایت مختصر تذکرہ کرنے پر اکتفا کیا ہے جو حضورؐ نے مکہ میں صحابہؓ کے مابین کرایا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس عقدِ مواخاۃ کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے (کیونکہ اس میں حضرت بلالؓ کا ذکر بھی آتا ہے۔)

بعثت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جن سعید الفطرت انسانوں کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے اکثر اپنے خاندانوں سے کٹ کر رہ گئے۔ وہ یوں کہ باپ مسلم ہے تو بیٹا کافر ہے، بیٹا مسلم ہے تو باپ کافر ہے، شوہر مسلمان ہے تو بیوی کافر ہے، ایک بھائی مسلمان ہے تو دوسرے بھائی کافر ہیں، بہن مسلمان ہے تو بھائی کافر ہے، بیٹا مسلمان ہے تو ماں کافر ہے۔ وَعَلَىٰ هَذَا لِقِيَاَس۔ مسلمان ہو جانے والے افراد نہ صرف اپنے کافر عزیزوں کی محبت اور شفقت سے محروم ہو گئے بلکہ مشرک رشتہ داروں کے مظالم اور قہر و غضب کا نشانہ بھی بن گئے۔ ان کے مظالم سے بچنے کے لیے مسلمانوں کی خاصی تعداد حضور ﷺ کے ایماء پر ۵ اور ۶ بعد بعثت میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلی گئی جو مسلمان مکہ ہی میں موجود رہے وہ معاشرتی خلا سے دوچار ہو گئے۔ اس خلا کو پُر کرنے اور مسلمانوں کو معاشرتی و دینی طور پر منظم کرنے کے لیے

حضور ﷺ نے مکی مسلمانوں کے درمیان بھائی چارا قائم کر دیا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ سب سے بڑا اور اعلیٰ رشتہ دین کا رشتہ ہے۔ اس کے مقابلے میں باقی سب رشتے (نسلی، قبائلی، خونی وغیرہ) ہیچ ہیں۔ بعض کتب سیر میں اس (مکی) بھائی چارے کی جو تفصیل ملتی ہے اس طرح ہے۔

☆ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت عثمان غنیؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت حمزہؓ کو حضرت زید بن حارثہ کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت بلالؓ کو حضرت عبیدہ بن حارث کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت سعید بن زید کو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت عمر بن خطابؓ کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص کو حضرت مصعب بن عمیر کے مواخاتی بھائی بنایا۔

☆ حضرت زبیر بن عوامؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعود کے مواخاتی بھائی بنایا۔

(کتاب الحجر از محمد بن حبیب بغدادی، الدرر فی اختصار المغازی والسیر از ابن عبدالبر،

عیون لا اثر فی فنون المغازی والشمال والسیر از امام ابن سید الناس)

اوپر جن صحابہ کرام کی مواخاۃ کا ذکر ہوا ہے، ان کے علاوہ اور صحابہ کرام کے مابین

بھی یقیناً بھائی چارا قائم ہوا ہوگا لیکن اس کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔

اب رہا مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا عقد مواخاۃ، تو اس کے لیے حضور ﷺ نے

ہجرت کے پانچ ماہ بعد حضرت انس بن مالک کے وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع

کیا۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد سو یا اس سے کچھ کم تھی۔ حضور ﷺ نے

مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”یہ تمہارے بھائی ہیں۔“

اس کے بعد آپؐ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری (بروایت دیگر دو دو مہاجروں اور دو دو انصار) کو بلا تے اور ان سے مخاطب ہو کر فرماتے، آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ اس مدنی مواخاۃ میں حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حضرت ابو رویحہ عبد اللہ بن عبد الرحمن کا مواخاتی بھائی بنایا۔ حضرت ابو رویحہؓ کا نسب نامہ اور خاندانی حالات کسی نے بیان نہیں کیے۔ بعض نے ان کا تعلق بنو شعم سے بیان کیا ہے اور بعض نے ان کو انصاری لکھا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ اصلاً وہ شعمی تھے لیکن مدینہ میں انصار کے حلیف بن کر مقیم ہو گئے تھے اس لیے ان کو انصاری کہا گیا ہے۔ حضرت ابو رویحہؓ اور حضرت بلالؓ میں ہمیشہ کمال درجے کی محبت رہی۔

اذان کی ابتدا

مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے عام مسلمانوں کو نماز کے وقت سے کچھ دیر پہلے اطلاع دینی چاہیے۔ آپ ﷺ نے اپنا یہ خیال صحابہ کرام کے سامنے ظاہر کیا اور ان سے پوچھا کہ اس مقصد کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ بعض صحابہ نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ پر آگ جلا کر نماز کی خبر دی جائے۔ بعض نے عرض کیا کہ نماز کے وقت سے کچھ پہلے مسجد پر جھنڈا بلند کر دیا جائے، بعض نے یہ مشورہ دیا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں ناقوس یا سنگھ بجاتے ہیں، ہم بھی نماز کے اعلان کے لیے اسی طرح کیا کریں۔

۱۔ بنو شعم باختلاف روایت ایک عدنانی یا قحطانی قبیلہ تھا۔ پہلے ان کی بستیاں جبال السراۃ (حجاز) میں تھیں۔ سدہ مارب ٹوٹنے کے بعد قبیلہ ازد نے ان سے جنگ کی اور انہیں ان کی بستیوں سے نکال دیا۔ اس کے بعد وہ یمن چلے گئے۔ ان کا ایک وفد ۱۰ ہجری میں مدینہ آ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا۔

ابھی اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ دوسرے دن علی الصبح حضرت عبداللہ بن زید انصاری بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور یوں عرض پیرا ہوئے۔

”یا رسول اللہ! رات خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا، میں نے اس سے کہا، اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا، تم اس کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا، ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔ اس نے کہا، کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتا دوں جو اس مقصد کے لیے ناقوس بجانے سے بہتر ہے۔ میں نے کہا، ہاں ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا:

كَبْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ - حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ - حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ - حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ - اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -

یہ تمام کلمات بتا کر وہ شخص مجھ سے ذرا پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا:

”پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو۔

اللَّهُ أَكْبَرُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ - حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ - قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - اللَّهُ أَكْبَرُ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -

یہ روایت سنن ابی داؤد اور مسند دارمی سے لی گئی ہے۔

صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث میں بھی کلمات اقامت کو ایک ہی دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند دارمی میں حضرت ابو مخدومہ کی یہ روایت بھی ملتی ہے کہ رسول اللہ نے مجھے اقامت کے سترہ کلمے سکھائے، اللہ اکبر چار مرتبہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ، اشہد ان محمد رسول اللہ دو مرتبہ، قد قامت الصلوة دو مرتبہ، اللہ اکبر دو مرتبہ، لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اکرم ﷺ نے یہ خواب سن کر فرمایا:

”یہ سچا خواب ہے، ان شاء اللہ، تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو تم نے خواب میں سنے ہیں اور وہ اذان پکارتیں کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔“

حضرت بلالؓ نے حضرت عبداللہ بن زید سے اذان کے الفاظ سیکھے اور پھر اذان دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ اذان دے چکے تو حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر سے چادر گھسیٹتے ہوئے (یعنی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے) نکلے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”یا رسول اللہ! اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو اپنا نبی بنا کر بھیجا، میں نے خواب میں ایک شخص سے وہی الفاظ سنے ہیں جو بلالؓ نے اذان دیتے وقت کہے ہیں۔“

یہ سن کر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا **فَلِلَّهِ الْحَمْدُ** اسی دن سے آپ ﷺ نے اذان کو قیامت تک کے لیے اسلام کا شعار قرار دیا۔ فجر کی نماز کے لیے اذان میں (وقت کی مناسبت سے) صرف ان الفاظ کا اضافہ ہوا۔ **”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“** (نماز نیند سے بہتر ہے) حضرت عبداللہ بن زید اپنے سچے خواب کی بدولت ”صاحب الاذان“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور کوفہ کے دوسرے فقہا کا اسی پر عمل ہے۔ ان کا موقف ہے کہ جن احادیث میں کلمات اقامت کو ایک دفعہ کہنے کا ذکر ہے، وہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان و اقامت کی شروعات ہوئی تھی۔ اس کے بعد عرصہ تک یہی طرز عمل رہا لیکن سات آٹھ سال بعد (شوال ۸ ہجری میں) غزوہ حنین سے واپسی پر آنحضرتؐ نے حضرت ابو مخدومہؓ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دفعہ کہنے کی تلقین فرمائی۔ اس لیے بعد کا حکم ہونے کی بنا پر اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت بلالؓ کو حضور ﷺ نے مسجدِ نبویؐ کا مؤذن مقرر فرمایا:
الحاج شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ اول) میں
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند و بالا اور دلکش تھی۔ ان کی ایک صدا
توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی۔ مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستانِ حرم اور بچے کھیل
کو دچھوڑ کر والہانہ وارنگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ جب خدائے واحد کے
پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے۔
حَيِّ عَلَى الصَّلَاةِ - حَيِّ عَلَى الصَّلَاةِ - يَا رَسُولَ اللَّهِ - (یعنی یا رسول اللہ! نماز
تیار ہے) غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت
کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والا کرام میں سر بسجود ہونے کے لیے صف
کھڑا کر دیتی۔ (ترجمہ حضرت بلال بن رباح بحوالہ طبقات ابن سعد)

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محمدؓ
اور حضرت ابنِ اُمّ مکتوم ان کی قائم مقامی کرتے تھے۔ صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے
ہوئے دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں۔ آخری اذان
حضرت ابنِ اُمّ مکتوم دیتے تھے چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا۔ جب

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن زید انصاریؓ کا تعلق خزرج کی شاخ بنی حارث بن خزرج سے تھا۔ ۱۳ بعد بعثت کی
بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک تھے۔ یوں ہجرتِ نبویؐ سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر انصار کے سابقین
اولین میں شمار ہوئے۔ ان کو عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔
حجۃ الوداع میں بھی حضور کے ہم رکاب تھے۔ اس موقع پر انہیں یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ رحمتِ عالم
نے اپنے موعظ مبارک ترشوائے توان میں سے کچھ ان کو عطا فرمائے۔ ان بالوں کو انہوں نے تبر کا عمر بھر
اپنے پاس محفوظ رکھا۔ انہوں نے ۳۲ ہجری میں بعد حضرت عثمان غنیؓ ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔
امیر المؤمنین نے بہ نفس نفیس نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبد اللہ نے اپنے چچے دو اولادیں چھوڑیں۔
ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی۔ ان سے سات حدیثیں مروی ہیں۔

لوگ ان سے کہتے کہ صبح ہوگئی تو اٹھ کر صدائے تکبیر بلند فرماتے تھے۔ اس بنا پر رمضان میں حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادتِ الہی میں مصروف رہے ہیں وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خوابِ راحت میں سرشار رہے ہیں، وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔

(ترجمہ: حضرت بلال بن رباح بحوالہ صحیح بخاری باب الاذان)

ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے صبح کی اذان نہ دے سکے تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کو فجر کی اذان کا حکم دیا۔ انھوں نے اس کی تعمیل کر دی مگر جب جماعت کھڑی ہوئی تو حضرت بلال معمول کے مطابق اقامت کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا کہ صدائی نے اذان دی ہے وہی اقامت بھی کہے جو شخص اذان دے، اقامت بھی اسی کو کہنی چاہیے۔

(سیرۃ حضرت بلالؓ از جناب وجاہت حسین)

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

حضرت بلالؓ کو قبولِ اسلام (اور مشرکین کے پنجہ ستم سے رہائی کے بعد) رحمتِ عالم ﷺ کے خادمِ خاص کا قابلِ رشک شرف حاصل ہو گیا تھا۔ ان کی مزید خوش بختی کہ اذان کی ابتدا ہوتے ہی حضور ﷺ نے انہیں مؤذن کے منصب پر فائز فرما دیا۔ یہ ایک ایسا منصب ہے جس پر فائز ہونے کے لیے بے شمار فضائل مختلف احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔

ان میں سے کچھ یہ ہیں:

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں اس بات پر قسم کھا لوں تو میرا قسم کھانا صحیح ہوگا، اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے جو سورج اور چاند کی رعایت رکھتے ہیں، مؤذنین ہیں اور تحقیق قیامت کے دن وہ اپنی ایسی گردنوں سے

پہچانے جائیں گے۔

(طبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤذن کی مغفرت کر دی جائے گی جہاں تک اس کی اذان پہنچے ہر تر اور خشک مخلوق جس نے اس کی اذان سنی اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ اللہ ائمہ کو ہدایت عطا فرمائے اور مؤذنین کو معاف فرمائے۔ (ابن حبان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ثواب کی امید رکھنے والا مؤذن اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لٹ پٹ ہو۔ (طبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سات سال تک برابر اذان دے اور محض ثواب کی نیت رکھے، اس کے لیے دوزخ سے آزادی (برأت) کا پروانہ لکھ دیا جائے گا۔ (ابن ماجہ و ترمذی)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے پہلے کون جنت میں داخل ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، انبیاء پھر ان کے بعد شہداء پھر کعبۃ اللہ کے مؤذن، پھر بیت المقدس کے مؤذن پھر میری مسجد کے مؤذن داخل ہوں گے پھر باقی مؤذن اپنے اعمال کے موافق جنت میں داخل ہوں گے۔ (کنز العمال)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ تم اپنی بکریوں کے ریوڑ میں یا صحرا میں ہو اور نماز کے لیے اذان دینے لگو تو اپنی آواز کو بلند کرو کیونکہ جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو جن ہو یا انسان یا کوئی بھی چیز اس کی آواز سنے، قیامت کے دن اس کی گواہی دے گی۔

(صحیح بخاری، موطا امام مالک، سنن نسائی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رحمن کا ہاتھ مؤذن کے سر پر ہے اور مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (برانی فی الاوسط)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن مؤذنین میدانِ حشر میں اس شان سے اٹھیں گے کہ جنت کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے۔ بلالؓ ان کے آگے آگے بلند آواز سے اذان دے رہے ہوں گے۔ حیرت سے تمام مجمع ان کو دیکھ رہا ہوگا، پوچھا جائے گا، یہ کون لوگ ہیں، کہا جائے گا یہ محمد (ﷺ) کی اُمت کے مؤذنین ہیں۔ عام لوگ خوفزدہ ہوں گے مگر ان کو بالکل خوف نہ ہوگا، لوگ غمگین ہوں گے مگر یہ مؤذنین غم سے بالکل آزاد ہوں گے۔ (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر)

غزوات میں شرکت

ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بلالؓ کو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ اربابِ سیر نے غزوہ بدر کے حالات بیان کرتے ہوئے اُمیہ بن خلف کے قتل کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ یہ وہ دشمنِ اسلام تھا جو حضرت بلالؓ پر (جب وہ اس کے غلام تھے) قبولِ اسلام کے جرم میں انسانیت سوز مظالم ڈھایا کرتا تھا۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت بلالؓ (غزوہ بدر کے موقع پر) آٹا گوندھ رہے تھے۔ یکا یک ان کی نظر اُمیہ بن خلف پر پڑی جسے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ اُمیہ اور حضرت عبدالرحمنؓ کے درمیان زمانہ جاہلیت میں دوستانہ تعلق رہا تھا۔ میدانِ بدر میں جب مشرکین شکست کھا کر بھاگ رہے تھے تو اُمیہ نے حضرت عبدالرحمنؓ سے التجا کی تھی کہ وہ اسے اور اس کے بیٹے کو بچالیں چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اُمیہ کو دیکھتے ہی حضرت بلالؓ کو اس کی اسلام دشمنی یاد آگئی اور وہ پکارنے لگے:

”اے انصار اللہ و انصار الرسول یہ اُمیہ بن خلف مشرکوں کا سرغنہ اور اسلام کا بدترین دشمن ہے دیکھنا یہ بیچ کے نہ جانے پائے۔“

ان کی آواز سن کر چند صحابہ کرام اُدھر دوڑے۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے ہر چند کہا کہ یہ دونوں میرے قیدی ہیں لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی اور پہلے اُمیہ بن خلف اور پھر اس کے مشرک بیٹے کا کام تمام کر دیا۔

رمضان المبارک ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلالؓ بھی رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب ان دس ہزار جاں نثار صحابہ میں شامل تھے جن کے بارے میں صدیوں پہلے

اُمیہ بن خلف کے قتل سے رسول اکرمؐ کی ایک پیش گوئی بھی پوری ہوئی۔ وہ یوں کہ ہجرت نبویؐ کے بعد ایک دن رسول اکرمؐ کی خدمت میں چند صحابہ حاضر تھے کہ اُمیہ بن خلف کی اسلام دشمنی کا ذکر چھڑ گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ شخص ایک دن مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اس مجلس میں جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ان کی زمانہ جاہلیت میں اُمیہ سے تجارت وغیرہ کے سلسلے میں شناسائی تھی۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد وہ عمرہ کے لیے مکہ گئے اور اُمیہ ہی کے مکان پر ٹھہرے۔ ان کی خواہش پر جب حرم لوگوں کے ہجوم سے خالی تھا اُمیہ انہیں ساتھ لے کر حرم کی طرف (طواف کے لیے) روانہ ہوا۔ راستے میں ابو جہل مل گیا اس نے اُمیہ سے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے اس نے کہا ”اوس کے سردار سعد بن معاذ“۔ ابو جہل کی رگ جہالت پھڑک اٹھی اس نے حضرت سعدؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

”تم نے اپنے یہاں صابیوں (مسلمانوں) کو پناہ دتی ہے اور پھر تم یہاں مکہ میں بے خوف پھر رہے ہو اگر اُمیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم یہاں سے بیچ کر کیسے واپس جاتے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی غیرت دینی جوش میں آگئی۔ کڑک کر بولے:

”ہاں ہاں ذرا مجھے روک کر دیکھو تو سہی میں نے تمہارا مدینہ کا راستہ بند نہ کر دیا تو سعد نام نہیں۔“ بات بڑھتی دیکھی تو اُمیہ بیچ میں بول اٹھا ”ہائیں سعد کیا کر رہے ہو؟ یہ ابوالحکم مکہ کے رئیس ہیں ان سے نرم لہجے میں بات کرو۔“

حضرت سعدؓ کب دبنے والے تھے بولے:

”اُمیہ جاؤ اپنا کام کرو میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ ایک دن مسلمان تم کو قتل کریں گے۔ اُمیہ یہ سن کر لرز اٹھا اور بولا: ”کیا مکہ میں آ کر ماریں گے؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا، ”مجھے اس کا علم نہیں۔“ اسی خوف کی بنا پر غزوہ بدر کے موقع پر اُمیہ کفار کے لشکر میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن ابو جہل اسے اور اس کے بیٹے کو مجبور کر کے ساتھ لے گیا۔ وہاں نہ صرف اُمیہ بن خلف اور اس کا بیٹا مارے گئے بلکہ ابو جہل بھی جہنم داخل ہوا۔

”کتاب استثناء“ میں یوں پیشین گوئی کی گئی تھی۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ کوہ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا

اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں

(نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔“

آنحضور ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلالؓ کو بھی آپ کی معیت کا

شرف حاصل تھا۔ تطہیر کعبہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:

”اے بلال! کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر تو حید کی صدائے تکبیر بلند کرو (یعنی

اذان دو)“

حضرت بلالؓ نے تعمیل ارشاد کی جب وہ اپنی دلکش آواز میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا

اللَّهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ پکار رہے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ زمین اور

آسمان پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔

حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اور اس اذان کے بارے

میں فرماتے ہیں:

”یہ وقت بھی اپنے اندر نہایت نعمت و بزرگی رکھتا تھا جس کے دامانِ اجلال

تک دستِ ادراک کی رسائی ناممکن ہے اس وقت کی حقیقت کو حاملانِ عرش

سے پوچھنا چاہیے کہ حضرت بلالؓ کی اس وقت کی اذان وہاں تک پہنچی تھی

بلکہ اس سے بھی گزر گئی تھی۔ الہی اس وقت کے طفیل ہمیں دین اسلام پر ثابت

قدم رکھ اور کلمہ اسلام کو اور بلند و بالا فرما۔“

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے ”سیر الصحابة“ (ترجمہ: حضرت بلالؓ) میں کیا خوب

لکھا ہے کہ:

”خدا کی قدرت، وہ حریمِ اقدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے

خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمہ توحید سے گونجا۔“

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ (کسی غزوہ کے سلسلے میں) بہت سے صحابہ کے ہمراہ سفر فرما رہے تھے۔ ان صحابہ میں حضرت بلالؓ بھی شامل تھے۔ اثنائے سفر میں ایک جگہ رات ہو گئی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اندیشہ ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی۔“

حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر لوگ سو گئے تو میں سب کو بیدار کر دوں گا۔“ اس پر حضور ﷺ نے وہیں پڑاؤ ڈالنے کی اجازت دے دی اور سب لوگ محو استراحت ہو گئے۔ حضرت بلالؓ نے جو کام اپنے ذمہ لیا تھا، اس کے پیش نظر وہ رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے (جاگتے) رہے لیکن اتفاق سے فجر کے وقت ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ اس وقت بیدار ہوئے جب سورج طلوع ہو رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ بھی اسی وقت بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو پکار کر فرمایا:

”بلالؓ تم نے لوگوں کو نماز کے وقت بیدار کرنے کا ذمہ لیا تھا، یہ ذمہ داری کیا ہوئی؟“
 حضرت بلالؓ نے نادم ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور باجماعت نماز ادا کی گئی۔ ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ غزوہ خیبر (محرم ۷ ہجری) سے واپسی پر وادی القرئی میں پیش آیا۔ ہو سکتا ہے کسی اور موقع پر بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا ہو۔“
 (واللہ اعلم بالصواب)

غیبی مدد

عہد رسالت کا ایک واقعہ حضرت بلالؓ کی زبانی

(رسول اکرم ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد) ایک دفعہ ایک صاحب (عبداللہ ہوزنیؓ) نے حضرت بلالؓ سے رسول اللہ ﷺ کے مصارف کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے کرم سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ ﷺ کی رحلت تک (مکہ اور مدینہ دونوں جگہ) آپ ﷺ کے مدخل و مصارف کا منتظم میں ہی رہا۔ جو کچھ حضور ﷺ کے پاس آتا، آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں ہی اسے صرف کرتا اور جب آپ خالی ہاتھ ہوتے تو میں ہی قرض وام لے کر آپ ﷺ کی ضروریات پوری کیا کرتا تھا۔ اگر ایسی حالت میں (جب آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا) کوئی ایسا مسلمان آپ کے پاس آتا جو بھوکا ہوتا یا جس کے بدن پر کپڑا نہ ہوتا تو میں آپ کے ارشاد کے مطابق قرض لے کر اسے کھانا کھلاتا اور اس کے لیے کپڑے بنا دیتا۔ دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے مجھ سے کہا کہ اے بلال! میں بڑا دولت مند ہوں، تمہیں جب کبھی قرض لینے کی ضرورت پڑے تو ادھر ادھر سے لینے کے بجائے مجھ سے لے لیا کرو۔ چند دن کے بعد مساکین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض کی شدید ضرورت پیش آگئی۔ میں نے ایک مہینے کے وعدے پر جتنی رقم کی ضرورت تھی اس سے قرض لے لی۔

ایک دن میں وضو کر کے اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ سوداگروں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس آیا اور بڑے درشت لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

”اوجہی! تجھے معلوم نہیں کہ مہینہ پورا ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ تجھے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تجھے قرض ادا کرنے کی کوئی فکر نہیں شاید تیری نیت قرض واپس کرنے کی نہیں۔“

اس شخص کا بے ہودہ رویہ میرے لیے حیرت کا باعث ہوا کیونکہ ابھی وعدے کا عرصہ (ایک مہینہ) نہیں گزرا تھا۔ میں تو اب یہی سمجھا کہ اس شخص نے مجھے ذلیل کرنے کے ارادے سے قرض دیا تھا، اب یہ خواہ مخواہ اس قسم کی درشت کلامی کر رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولا، دیکھو، مہینے میں صرف چار دن باقی ہیں میں چار دن کے بعد قرض تجھ سے وصول کر کے رہوں گا ورنہ تجھے میری بکریاں چرائی پڑیں گی۔

مجھے اس شخص کی بدکلامی سے سخت دکھ پہنچا۔ نمازِ عشا کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لے گئے تو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! وہ مشرک جس سے میں نے آپ کے لیے (مساکین کو دینے کی خاطر) فلاں روز قرض لیا تھا، آج اس نے مجھے سخت ذلیل کیا اور شرمناک بدزبانی کی۔ اب حال یہ ہے کہ نہ حضور ﷺ کے پاس اتنا مال ہے کہ یہ قرض ادا کیا جاسکے اور نہ میرے پاس اتنا مال ہے کہ اسے دے کر جان چھڑاؤں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ ذلیل کرے گا۔ اگر حضور ﷺ کی اجازت ہو تو میں مدینہ سے باہر کسی نو مسلم قبیلے کے پاس چلا جاؤں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا مال عطا فرمائے جس سے یہ قرض ادا ہو سکے۔“

رسول اللہ ﷺ میری گزارش کے جواب میں خاموش رہے۔ اس پر میں دل برداشتگی کے عالم میں اپنی قیام گاہ پر واپس آیا اور تلوار ڈھال جو تا وغیرہ ضرورت کی سب چیزیں اس ارادے کے ساتھ سرہانے رکھ کر سویا کہ صبح ہوتے ہی یہاں سے کہیں دور نکل جاؤں گا۔

جب صبح صادق ہوئی اور میں گھر سے نکلنے کے لیے تیار ہوا تو اتنے میں ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہا، ”رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یاد فرمایا ہے اور حضور ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما ہیں۔“ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مسجد کے

قریب چار اونٹ سامان سے لدے ہوئے بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے قرض ادا کرنے کے لیے مال بھیج دیا ہے۔ یہ چاروں جانور

(اونٹ) اور جو سامان ان پر لدا ہوا ہے، لے جاؤ اور سب کو فروخت کر کے

قرض ادا کرو۔ یہ اونٹ سامان سمیت رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔“

میں نے تعمیل ارشاد کی اور رئیس فدک کے بھیجے ہوئے اونٹ اور ان کا سامان فروخت

کر کے واپس مسجد میں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھ

سے دریافت فرمایا، اونٹ اور ان کا سامان کتنے میں فروخت ہوا اور قرضہ ادا کرنے کے بعد

کتنی رقم بچ گئی؟ میں نے بتایا کہ قرض ادا کرنے کے بعد اتنی رقم بچ گئی ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: ”یہ تمام رقم فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دو، جب تک یہ رقم مستحقین تک نہیں پہنچ

جاتی، میں گھر نہیں جاؤں گا۔“

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں: ”میں نے حاجت مندوں کو تلاش کرنے کی بہت

کوشش کی لیکن اتفاق سے کوئی نہ ملا اور بچی ہوئی رقم میں سے کچھ بھی صرف نہ ہوسکا، نماز

عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بچے ہوئے مال کے بارے میں دریافت

فرمایا تو میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! وہ سارے کا سارا میرے پاس موجود ہے

کیونکہ ابھی تک مجھے کوئی حاجت مند نہیں ملا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسجد ہی میں قیام

فرما رہے اور مجھے حکم دیا کہ جب تک تم ساری رقم مستحقین میں تقسیم نہ کر دو گے میں یہیں

قیام کروں گا۔“

دوسری رات نماز عشا کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض

کیا: ”یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس پسماندہ مال کی طرف سے آپ کو بے فکر کر دیا، میں

نے وہ تمام مال حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا ہے۔“

آپؐ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، الحمد للہ کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں وقتِ آخر آپہنچے اور مال اسی طرح موجود رہے، اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو آپ مسجد سے خانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آپ نے ازواجِ مطہرات کے پاس جا کر ہر زوجہٴ مطہرہ کو فرداً فرداً سلام کیا۔

(ابوداؤد)

محبوب آقا ﷺ کی دائمی جدائی

ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں حضرت بلالؓ کے شفیق و محبوب آقا رحمتِ عالم ﷺ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا تو ان پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ اپنے مخدوم و مطاع آقا کی دائمی جدائی نے ان کے دل کی دنیا جاڑ دی۔ اب مدینہ منورہ میں ان کو کسی نل چمین نہ پڑتا تھا۔ یہی جی چاہتا تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں پہنچوں اور دشمنانِ حق کے خلاف لڑتے لڑتے جان دے دوں۔ یہی سوچ کر وہ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”اے خلیفہ رسول! کیا آپ نے مجھے اللہ کے لیے آزاد کیا تھا یا اپنی مصاحبت کے لیے؟“

صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں اللہ (کی خوشنودی) کے لیے آزاد کیا تھا۔“ حضرت بلالؓ نے کہا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مومنین کے لیے میری اُمت کے اعمال میں سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اب تادم مرگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں۔ اس مقصد کے لیے مجھے شام جانے کی اجازت دیجیے جہاں رومیوں کے خلاف جہاد ہو رہا ہے۔“

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ”اے بلال! میں تمہیں اللہ اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اپنی رفاقت سے محروم نہ کرو، میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری موت قریب

آگئی ہے اس لیے تم میرے پاس ہی رہو۔“

حضرت بلالؓ نے خلیفۃ الرسولؐ کی بات مان لی اور وہ عہدِ صدیقی میں مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔
(طبقات ابن سعد و اسد الغابہ ابن اثیر)

حافظ ابو نعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت سعید بن مسیبؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ کے راستے میں آزاد کیا تھا تو حضرت بلالؓ نے عرض کیا، پھر مجھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی اجازت دے دیجیے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں اجازت دے دی اور وہ شام جانے والے لشکر میں شامل ہو گئے لیکن اس روایت کی سند کی حیثیت کمزور ہے اور جمہور اربابِ سیر کے نزدیک حضرت بلالؓ نے خلافتِ صدیقی کا سارا زمانہ مدینہ منورہ ہی میں گزارا۔

شام کے میدانِ جہاد میں

۱۳ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت بلالؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہونے کے لیے شام جانے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو حضرت عمرؓ نے بھی اجازت دینے سے انکار کیا لیکن جب حضرت بلالؓ نے اصرار کیا تو انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت بلالؓ اپنے مواخاتی بھائی حضرت ابو رویحہؓ کے ساتھ شام پہنچ گئے اور وہاں اسلامی لشکر میں شریک ہو کر رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ امیر المؤمنینؓ حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۶ ہجری میں شام کا سفر کیا۔ دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی شام میں امیر المؤمنینؓ کا استقبال کیا۔ امیر المؤمنینؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں سے صلح کا معاہدہ کر کے اس قدیم تاریخی شہر پر اسلام کا پرچم بلند کر دیا پھر انہوں نے وہاں موجود تمام مجاہدین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک پر اثر خطبہ دیا۔ ان مجاہدین میں حضرت بلالؓ بھی شامل تھے۔ خطبہ ختم ہوا تو امیر المؤمنینؓ نے حضرت بلالؓ سے مخاطب

ہو کر فرمایا:

”اے ہمارے سردار بلال! آج اسلام کے قبلہ اول پر توحید کا پرچم لہرایا ہے اس مبارک موقع پر آپ اذان دیں تو ہم سب آپ کے شکر گزار ہوں گے۔“
حضرت بلالؓ نے عرض کیا:

”امیر المؤمنین! میں عہد کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے

اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اذان کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب ان کے منہ سے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

کے الفاظ نکلے تو لشکر میں موجود تمام صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ یاد آ گیا اور ان

کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے جب حضرت بلالؓ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ پر

پہنچے تو صحابہ کرام روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ تو اس قدر روئے کہ ہچکی

بندھ گئی اور ان پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہی حال حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت

معاذ بن جبلؓ کا ہوا۔

حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی دیر کے بعد ان اصحاب کو قرار آیا۔

مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ اپنے قیامِ شام کے زمانے میں حضرت بلالؓ نے ایک مرتبہ

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ امراء فوج پرندوں کا گوشت اور عمدہ آٹے کی

روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مجاہدین ان چیزوں سے محروم رہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق

۱ علامہ ابن اثیرؒ نے ”اسد الغابہ“ (ترجمہ حضرت بلالؓ بن رباح) میں بعض لوگوں کے بیان کے حوالے

سے لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی اذان دیتے رہے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو اپنے پاس مدینہ ہی میں رکنے

کے لیے کہا تو انھوں نے خلیفۃ الرسولؐ کی یہ بات اس شرط پر مانی کہ میں اب رسول اللہ کے بعد کسی کے

لیے اذان نہ دوں گا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا تمہیں اس بات کا اختیار ہے۔

قیاس یہ ہے کہ حضرت بلالؓ نے عہدِ صدیقی میں اذان نہیں دی۔

کی تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں وہاں بہت سستی ہیں تاہم انہوں نے مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ تمام سپاہیوں کی رسد بھی مقرر کر دی اور یہ حکم بھی دیا کہ ہر مجاہد کو روزانہ دو روٹیوں کے علاوہ زیتون کا تیل اور سرکہ بھی دیا جائے۔

شام میں مستقل قیام

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی فتح کے بعد مقامِ جابہ میں گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ انہیں اور ان کے مواخاتی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو شام میں مستقل سکونت کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ امیر المؤمنین نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور دونوں بھائیوں نے شام کے ایک قصبہ خولان کے ایک محلے میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت بلال پہلے اکیلے شام گئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شام جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے پوچھا، بلال تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا، ابورویحہ (حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ بعد حضرت ابورویحہ کو بھی اپنے پاس شام بلا لیا۔) قیامِ خولان کے دوران میں دونوں بھائیوں نے وہاں کی دو خواتین سے نکاح کر لیا۔ اس کی تفصیل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عائلی زندگی کے زیر عنوان بیان کی گئی ہے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ سکونتِ خولان کے زمانے میں حضرت بلال نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں:

”اے بلال! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے آؤ۔“

اس خواب نے حضرت بلال کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ ڈالا، اپنے شفیق اور محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا صدمہ تازہ ہو گیا اور وہ بے تاب ہو کر عازمِ مدینہ ہو گئے۔ چند دن کے سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس

پر حاضر ہو کر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ ساتھ ہی اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کو بھی رونا آ گیا۔ اس موقع پر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی وہاں آ گئے۔ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشوں کو دیکھا تو ان کو سینے سے بار بار لگا کر پیار کرنے لگے۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور دیوانہ وار ان کا منہ اور سر چومتے جاتے تھے۔ دونوں شہزادوں نے خواہش ظاہر کی:

”بابا بلال! ہمارا جی چاہتا ہے کہ کل فجر کی نماز کے لیے آپ اذان دیں۔“

اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے کسی بات کی خواہش کریں اور حضرت بلالؓ اسے پورا نہ کریں، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔

دوسرے دن فجر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے قریب (بروایت دیگر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھت پر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ان کی مدینہ منورہ میں آمد کی خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی اور لوگ ان کی اذان سننے کے منتظر تھے۔ شہر کے بیشتر لوگ ان کی اذان سننے کے لیے مسجد نبوی کے قریب جمع ہو گئے تھے۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی لوگوں کی عجیب حالت ہو گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ ان کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضہ اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ کہا تو پردہ دار خواتین بھی بے تاب ہو کر گھروں سے باہر نکل آئیں۔ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ہی انہیں داغِ مفارقت دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا پُراثر اور درد بھرا منظر کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ واپس شام چلے گئے اور تادمِ آخر وہیں مقیم رہے۔

عائلی زندگی

حضرت بلالؓ کی عائلی زندگی کے بارے میں کتب سیر میں بہت کم (مستند) معلومات ملتی ہیں۔ نامور سیرت نگار الحاج مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے اپنی تالیف سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ اول) میں حضرت بلالؓ کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں کہ ”حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرادیا تھا۔ ابن سعدؒ کی روایت ہے کہ ابن ابی بکرؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہماری ہمشیرہ کا نکاح کسی سے کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم بلالؓ کو چاہتے ہو؟ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور چلے گئے۔ پھر واپس آئے اور یہی عرض کیا: حضور ﷺ نے پھر حضرت بلالؓ کا نام لیا اور وہ چلے گئے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا بالآخر وہ راضی ہو گئے اور کہا آپ کو اختیار ہے چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی کا نکاح حضرت بلالؓ سے کر دیا (غلامان اسلام بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۶۹) بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔“

حضرت بلالؓ کے ایک نکاح کا حال جو انھوں نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں کیا، علامہ شبلی نعمانیؒ نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

بارگاہِ نبویؐ کے جو مؤذن تھے بلالؓ	کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں	جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
ہوں غلام ابنِ غلام اور حبشی زادہ	یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہشِ تزویج بھی ہے	ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے عذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور	جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

عہدِ فاروقی میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات یہ کہا حضرت فاروقؓ نے بادیدہ تر اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر ﷺ

اس مساوات پہ ہے معشرِ اسلام کو ناز

نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلمِ اکبر

(شبلی نعمانیؒ)

حضرت بلالؓ نے ایک نکاحِ شام میں مستقل اقامت کے دوران میں بھی کیا تھا۔ اس کی تفصیل ابنِ اثیرؒ نے اسد الغابہ میں اس طرح بیان کی ہے:

”حضرت ابوالدرداء انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ اور ان کے مواخاتی بھائی حضرت ابورویحہؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے اجازت پا کر شام کے شہر خولان کے ایک محلہ میں مستقل اقامت اختیار کی تو حضرت بلالؓ نے (اہلِ خولان سے) کہا، ہم تمہارے پاس نکاح کی درخواست کرنے آئے ہیں، ہم پہلے کافر تھے، اب اللہ نے ہمیں ہدایت کر دی، ہم غلام تھے، اللہ نے ہمیں آزاد کر دیا، ہم فقیر تھے، اب اللہ نے ہمیں مالدار کر دیا پس اگر تم اپنی (لڑکیوں کا) نکاح ہمارے ساتھ کر دو تو الحمد للہ اور اگر ہماری درخواست نامنظور کرو تو برائی سے بچنا اور بھلائی کی توفیق مرحمت ہونا اللہ کے اختیار میں ہے۔ ان لوگوں نے ان کے ساتھ اپنی لڑکیوں کے نکاح کر دیے۔

(اسد الغابہ جلد اول ترجمہ حضرت بلالؓ)

ابنِ اثیرؒ نے حضرت بلالؓ کی ایک بیوی کا نام ہند خولانیہ لکھا ہے جو دمشق کی داریا بستی کی رہنے والی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد اول ترجمہ سیدہ ہند خولانیہ)

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے مہاجرین حصہ اول میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے: ”حضرت بلالؓ اور حضرت ابورویحہؓ نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی تو حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت

کی سلسلہ جنبانی کرتے ہوئے کہا، ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے اس نے آزاد کرایا ہم محتاج تھے اس نے مال دار بنایا، اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے ورنہ کوئی شکایت نہیں۔ اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی، انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور ان کی اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔ (مہاجرین حصہ اول ترجمہ حضرت بلال بن رباح)

حضرت بلالؓ کی اہلیہ کو رسول اکرم ﷺ کی نصیحت

علامہ ابن اثیر نے طویل حوالوں سے حضرت بلالؓ کی ایک بیوی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لائے اور آپؐ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا، کیا بلال موجود ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔

حضور ﷺ نے پوچھا ”کیا تم بلال سے ناراض ہو؟“ میں نے عرض کیا، ”وہ اکثر میرے پاس آ کر بتاتا ہے کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا ہے۔“ حضور نے فرمایا: ”جو کچھ وہ تجھے میری طرف سے بتائے اس کی تصدیق کر، وہ جھوٹ نہیں کہتا اس لیے اسے ناراض نہ کرنا اور تجھے کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے بلال ناراض ہو“

بعض ارباب سیر نے ان خاتون کا نام ہند خولانیہ لکھا ہے لیکن علامہ ابن اثیر کی رائے میں یہ کوئی اور خاتون تھیں۔

حضرت بلالؓ کے ایک بھائی کی شادی

حضرت بلالؓ کے اعلیٰ اخلاق اور بارگاہ رسالت ﷺ میں تقرب نے ان کو صحابہ کرام کے نزدیک نہایت معزز و محترم بنا دیا تھا۔ ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب کہتے تھے، ایک عرب خاتون کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس خاتون کے اہل خاندان نے جواب دیا، اگر بلال ہمارے پاس آ کر تصدیق کریں گے تو ہم کو بخوشی منظور

ہے۔ حضرت بلالؓ نے ان کے پاس جا کر کہا:

”صاحبو! میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے میں جانتا ہوں کہ یہ اخلاق اور مذہب کے لحاظ سے ایسا ہے اور ایسا ہے اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کر دو۔ انھوں نے کہا:

”بلال تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے باعثِ عار نہیں۔“

(مہاجرین حصہ اول ترجمہ حضرت بلالؓ بحوالہ مستدرک حاکم ج ۳، ۲۸۳)

سفرِ آخرت

کئی سال شام میں گزارنے کے بعد آخر حضرت بلالؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا اور انھوں نے ۲۰ ہجری میں بمقام دمشق داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اُس وقت ان کی عمر باختلاف روایت ساٹھ یا تریسٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ دمشق میں باب الصغیر کے قریب ان کی تدفین ہوئی جہاں آج بھی ان کا مزار موجود ہے۔
امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت بلالؓ کی وفات کا علم ہوا تو ان کو سخت صدمہ پہنچا اور ان پر گریہ طاری ہو گیا، بار بار فرماتے تھے۔

”آج ہمارا سردار بلال بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔“

۱۔ کچھ روایات میں حضرت بلالؓ کا سال وفات ۱۷ ہجری یا ۱۸ ہجری بیان کیا گیا ہے لیکن علامہ ابن سعدؒ علامہ ابن اثیر اور بیشتر دوسرے ارباب سیر نے ان کا سال وفات ۲۰ ہجری ہی بیان کیا ہے۔ ہم نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ ایک تابعی حضرت علی بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے شام کے شہر حلب میں وفات پائی اور وہیں باب الاربعین میں دفن کیے گئے لیکن جمہور ارباب سیر نے اس روایت کو قبول نہیں کیا کیونکہ نامور سیاح ابن بطوطہ اور پاکستان و ہندوستان سے جانے والے اکثر سیاحوں نے حضرت بلالؓ کا مزار پچشم خود دمشق میں دیکھا ہے۔ اگر انھوں نے حلب میں انتقال کیا ہوتا تو وہاں سے ان کی میت دمشق لا کر دفن کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور پھر اس زمانے میں ذرائع آمد و رفت دورِ حاضر کی طرح آسان نہ تھے کہ میت جائے وفات سے اتنی دور لے جا کر دفن کی جاتی۔

محاسنِ اخلاق اور شغفِ عبادت

حضرت بلالؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ فطرت عطا کی تھی اور پھر ہادی اکرم محبوب رب العالمین ﷺ کے فیضانِ صحبت سے ہمہ وقت بہرہ یاب ہونا گویا سونے پر سہاگہ تھا۔ اس طرح ان کی شخصیت صبر و تحمل، عشقِ رسول، شوقِ جہاد، شغفِ عبادت، جوشِ ایمان اور انکسار و تواضع جیسے محاسن کی جامع بن گئی تھی۔ ان کے صبر و تحمل، استقامت جوشِ ایمان اور اخلاص فی الدین کا اندازہ ان مصائب سے کیا جاسکتا ہے جو انھوں نے غلامی کی حالت میں جھیلے عشقِ رسول ﷺ کا ذکر الگ کیا جا چکا ہے۔ شوقِ جہاد کی یہ کیفیت تھی کہ عہدِ رسالت کا کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ شریک نہ ہوئے ہوں۔ اس کے علاوہ عہدِ فاروقی میں شام کے میدانِ جہاد میں بھی جاپہنچے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ انکسار و تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو وہ فرماتے۔ ”میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک ایک معمولی غلام تھا۔“ تمام صحابہ کرام ان کے فضائل کا برملا اعتراف کرتے یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صاحبِ رسول انہیں اپنا سردار کہا کرتے تھے لیکن انھوں نے اپنے آپ کو ایک معمولی حبشی اور رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ خادم ہی کہا۔ شغفِ عبادت کا یہ حال تھا کہ نہ صرف رسول اکرم ﷺ کے مؤذنِ خاص تھے بلکہ عابدِ شبِ زندہ دار بھی تھے۔ اگرچہ اذان دینا (اور ہر نماز کے لیے تسلسل کے ساتھ دینا) بھی اعلیٰ درجے کی عبادت ہے لیکن وہ اس کے علاوہ فرائض و سنت اور نوافل کی صورت میں بھی بہت عبادت کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا:

”بلال! تمہارا کون سا دینی عمل تمہارے نزدیک سب سے زیادہ اعتماد اور

بھروسے کے قابل ہے۔ (یعنی تمہیں اپنے کون سے عمل خیر سے سب زیادہ

ثواب کی اُمید ہے۔) اس لیے کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز
(چاپ) اپنے آگے سنی ہے۔“

حضرت بلالؓ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میرے اعمال میں سب سے زیادہ بھروسے کے لائق یہ عمل ہے
کہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو حسبِ توفیق کچھ نفل نماز ضرور پڑھ لیتا
ہوں۔“
(صحیح بخاری کتاب التہجد)

صحیح مسلم میں بھی یہ روایت تقریباً ایسے ہی الفاظ میں موجود ہے۔ جامع ترمذی کی
روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بلال! تم اپنے کس عمل کی بنا پر جنت میں مجھ سے آگے ہو جاتے ہو، میں جب بھی
جنت میں داخل ہوا، تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی۔ رات بھی میں جنت میں گیا تو
تمہارے جوتوں کی آواز میں نے سنی تھی۔“

حضرت بلالؓ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میں جب بھی اذان دیتا ہوں، دو رکعت نفل نماز ضرور پڑھتا ہوں اور
جب بھی وضو ٹوٹتا ہے، فوراً وضو کر لیتا ہوں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے دو رکعتیں
پابندی کے ساتھ پڑھتا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمہارے یہی دونوں عمل فضیلت کا باعث ہیں۔“

یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ یا واقعات
خواب کے تھے۔ (یعنی آنحضور ﷺ عالم خواب میں جنت میں گئے اور حضرت بلالؓ کے
جوتوں کی چاپ سنی) اور اکثر علماء کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔
بعض شارحین حدیث نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ شبِ معراج سے تعلق رکھتا

ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت بلالؓ ایمان کو تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا، سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟

انہوں نے فرمایا:

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر (صدقِ دل سے) ایمان لاؤ پھر جہاد فی

سبیل اللہ اور پھر حجِّ مبرور“

اپنے تمام اعمالِ حسنہ کے باوجود حضرت بلالؓ فکرِ آخرت سے لرزہ بر اندام رہتے

تھے۔ ان کی اہلیہ ہند کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ اپنے بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے۔

”الہی میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں میں مجھے معذور سمجھ۔“

حلیہ

حضرت بلالؓ کا قد لمبا اور کسی قدر خمیدہ، سینہ کشادہ، جسم لاغر، رخساروں پر گوشت نسبتاً کم۔

رنگ سیاہ (بروایت دیگر نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی) سر کے بال گھنے خمدار اور اکثر سفید

تھے۔ آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح روشن، ریش مبارک ہلکی، آواز بہت بلند اور بارعب تھی۔

روایتِ حدیث

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت

اقدس میں گزرا اور ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا لیکن عجیب

اتفاق ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے میں بے حد محتاط تھے چنانچہ ان کا شمار راویانِ حدیث

صحابہ کرامؓ کے طبقہ چہارم میں ہوتا ہے یعنی وہ ۳۳ صحابہ کرامؓ جن سے مروی احادیث کی

تعداد چالیس سے سوتک ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت

عبداللہ بن عمرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت کعب بن عجرہ اور

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور شام کے متعدد تابعین عظام شامل ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، رسول اکرم ﷺ کے خاص مؤذن اور نماز کے مہتمم تھے اس لیے ان کی بیشتر مرویات نماز، وضو اور اذان وغیرہ سے متعلق ہیں۔ یہاں ہم ان سے مروی احادیث بطور تبرک درج کرتے ہیں۔

۱- حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے، میں نے ایک دن فجر کی اذان کہی، اس دن شدید سردی تھی، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو مسجد میں (میرے سوا) کسی کو نہ دیکھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، اے بلالؓ! اور لوگ کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ سردی کی وجہ سے نہیں آئے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! سردی کو ان لوگوں سے دور کر دے پس فوراً ہی نماز کے لیے مسجد میں لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ (سیرۃ حضرت بلالؓ مؤلفہ وجاہت حسین)

۲- حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں بجز نماز فجر کے کسی دوسری نماز کے لیے (اذان کے بعد) لوگوں کو نہ بلاؤں یعنی اذان کے بعد لوگوں سے جا کر کہوں کہ اٹھو، نماز کے لیے آؤ۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۳)

۳- حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۲)

۴- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بلالؓ سے دریافت کیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی؟ بلالؓ نے جواب دیا ہاں آپ ﷺ نے دو ستونوں کے درمیان دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۲)

۵- حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ سے نقل کر کے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے کہ اذان کے آخری الفاظ یہ ہیں

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

۶- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے بلالؓ سے پوچھا کہ جب لوگ (صحابہ کرام) نماز میں سلام کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کو کس طرح جواب دیتے تھے؟ بلالؓ نے کہا کہ آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشق رسول ﷺ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ سے کمال درجے کی عقیدت اور محبت تھی۔ اس بے پناہ محبت اور عقیدت کو عشق صادق یا عشق حقیقی بھی کہا جاسکتا ہے۔ قبول اسلام اور مشرکین کے پنجہ ستم سے آزادی کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنی زندگی رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ اپنے محبوب آقا ﷺ کی اطاعت متابعت، وفا شعاری اور خدمت کو اپنا جزو ایمان سمجھتے تھے۔ وہ ہر روز جب تک اپنے شفیق اور محبوب آقا ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لیتے انہیں چین نہیں پڑتا تھا۔ سفر ہونا حضر جنگ ہو یا امن، دکھ ہو یا سکھ وہ ہر حال میں حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے آرام اور راحت کا ہر وقت خیال رکھتے تھے سفر میں دھوپ تیز ہوتی تو وہ حضور ﷺ کے سر اقدس پر کپڑے کا سایہ کیے رکھتے۔ جب کبھی موقع ملتا یا ضرورت پڑتی تو آپ ﷺ کے ناقہ کی مہار پکڑ کر چلنے کی سعادت بھی حاصل کرتے۔ عیدین اور نماز استسقا کے موقعوں پر وہ برچھا (نیزہ) پکڑ کر حضور ﷺ کے آگے آگے چلتے۔ بعض اوقات حضور ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ آپ کے پیچھے یا پہلو میں کھڑے ہو کر آپ کی ٹیک بن جاتے۔ حضور ﷺ کسی کام کا حکم دیتے تو اس کو انجام دینے میں وہ اپنی جان لڑا دیتے۔ آپ ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ کبھی آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرتے تھے۔ اذان فجر کے بعد حجرہ اقدس کے قریب آ کر ادب سے سلام کرتے اور خاموشی کے ساتھ کھڑے رہتے یہاں تک کہ حضور ﷺ نماز کے لیے

باہر تشریف لاتے۔ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور دوسرے اہل بیت کا بھی بے حد احترام کرتے تھے اور ان کے احکام کی تعمیل پر بھی ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے مختصر یہ کہ اپنی وفا شعاری خدمت گزاری اور بے پناہ عقیدت و محبت کی بدولت انہوں نے بارگاہِ رسالت میں درجہِ محبوبیت حاصل کر لیا تھا اور حضور ﷺ نے اپنی کئی ذاتی اور گھریلو ذمہ داریاں ان کے سپرد کر رکھی تھیں۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسولؐ کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

سیدنا بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
 وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلماں ادا شناس تری شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
 تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا اولیں طاقت دیدار کو ترستا تھا
 مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
 تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید خنک دلے کہ تپید و دے نیا سائید
 گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موٹی پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بردل تو زدند

چہ برق جلوہ بخاشاکِ حاصل تو زدند

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
 ازاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
 خوشادہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
 خوشادہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

(اقبال)

بارگاہ رسالت ﷺ میں تقرب

قبولِ اسلام اور آزادی کے بعد حضرت بلالؓ کو امام الانبیاء ﷺ سے جو تعلق پیدا ہوا
 اس کا کچھ ذکر ”بارگاہ رسالت سے وابستگی“ اور ”حضرت بلالؓ کا عشق رسول“ کے زیر عنوان کر
 دیا گیا ہے۔ فی الحقیقت حضرت بلالؓ کو بارگاہ رسالت میں جو تقرب اور اختصاص حاصل
 ہو گیا تھا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ان کی وفا شعاری، صداقت، دیانت، بے لوثی اور حضور ﷺ
 سے بے پناہ عقیدت و محبت نے انہیں سرکار ﷺ کا نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا۔ وہ نہ صرف
 حضور ﷺ کے مؤذن اور خادم خاص تھے بلکہ حاجب، مصاحب اور خازن بھی تھے۔ جامع
 ترمذی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات نجیب و
 رفیق ملے اور مجھے چودہ عطا کیے گئے۔ ہم نے عرض کیا: وہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جن
 چودہ اصحاب کے نام لیے ان میں بلالؓ بھی شامل تھے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹)

سرورِ عالم ﷺ کو حضرت بلالؓ پر اس قدر بھروسا تھا کہ اپنے بیشتر خانگی امور ان
 کے سپرد کر دیے تھے اور اپنا خازن بھی بنا دیا تھا۔

وہ اُمہات المؤمنینؓ اور دوسرے اہل بیت کی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے
 کا اہتمام کرتے۔ بعض اوقات مالِ غنیمت کو جمع کرنے اور اس کی تقسیم کا فریضہ بھی (رسولِ
 اکرم ﷺ کی ہدایات کے مطابق) انجام دیتے۔

آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاجت مندوں اور سائلوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا

تھا۔ آپ حضرت بلالؓ ہی کے ذریعے ان کی حاجتیں اور سوال پورے کرتے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس مال نہ ہوتا تو حضرت بلالؓ کہیں نہ کہیں سے قرض وام لے کر ہی حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کر دیتے تاکہ در رسول ﷺ سے کوئی خالی ہاتھ نہ جائے۔ بسا اوقات حضرت بلالؓ بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی حاجت یا دربانی کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ اگر کوئی صحابی یا کوئی دوسرے آدمی حضور ﷺ سے ملنے کے لیے آتے تو آپ گھر میں جا کر آپ ﷺ کو اطلاع دیتے۔

بارگاہ رسالت میں حضرت بلالؓ کے تقرب کا اندازہ ان دو روایات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

۱- ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت بلالؓ کی آپس میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت بلالؓ کو کالا کہہ دیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے

پاس شکایت کر دی۔ آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ”اے ابوذرؓ! تمہارے دل

میں جاہلیت کا تکبر ابھی باقی ہے؟ یہ سن کر حضرت ابوذرؓ نے اپنے آپ کو گرا دیا اور قسم

کھائی کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائیں گے جب تک بلالؓ ان کے رخسار پر اپنا

پاؤں نہ رکھیں گے۔ چنانچہ جب تک حضرت بلالؓ نے ایسا نہ کیا، انھوں نے سر نہ

اٹھایا۔ (پیکر جمال بحوالہ صحیح بخاری ص ۹۹ ارشاد الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۶)

۲- ایک دفعہ حضرت بلالؓ، حضرت صہیب رومی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم

کہیں اکٹھے بیٹھے تھے کہ ابوسفیان قبول اسلام سے پہلے ادھر سے گزرے۔ تینوں

نے انہیں دیکھ کر کہا:

”اللہ کی تلوار (بروایت دیگر تلواروں) نے ابھی تک اس دشمن خدا کا سر قلم نہیں کیا۔

اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی کہیں پاس ہی تھے۔ انھوں نے فرمایا:

”یہ شخص قریش کا سردار ہے، اس کے لیے ایسے سخت الفاظ منہ سے نہ نکالو۔“

اس کے بعد ان تینوں بزرگوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر

یہ واقعہ بیان کیا۔ کچھ دیر بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو

حضور ﷺ نے (اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:
 ”اے ابو بکر! آپ کے ٹوکنے پر شاید یہ بُرا مان گئے ہوں، ان کو ناراض کرنا
 اللہ کی ناراضی کا موجب ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر لرز گئے۔ اسی وقت ان تینوں بزرگوں
 کے پاس گئے اور کہا: ”پیارے بھائیو! میری بات سے تم ناراض تو نہیں ہو گئے۔“
 انھوں نے کہا: ”نہیں اے ابو بکر! ہمارے دل میں آپ کے خلاف کوئی ملال نہیں
 ہے۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔“ (مشکوٰۃ ص ۵۷۶)

حضرت بلالؓ کو بارگاہ رسالت ﷺ میں جو تقرب حاصل ہو گیا تھا، اس کے نتیجے میں
 ان کو حضور ﷺ سے بے پناہ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت کا جذبہ اس انتہا
 کو پہنچ گیا تھا کہ وہ افلاس اور ناداری کے زمانے میں بھی جو کچھ میسر آ جاتا، اس کا ایک حصہ
 اپنے محبوب آقا ﷺ کو نذر کرنے کے لیے الگ کر لیتے۔ اس سلسلے میں بعض اوقات
 لاشعوری طور پر حد سے بڑھ جاتے اور خود آنحضور ﷺ کو انہیں اس طرز عمل سے روکنا پڑتا۔
 ایسا ہی ایک واقعہ شاہ معین الدین ندویؒ نے مہاجرین حصہ اول میں اس طرح بیان کیا ہے:
 ”ایک دفعہ حضرت بلالؓ برنی کھجوریں جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں،
 آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا:
 ”بلال! یہ کیا ہے؟“

عرض کی، میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے
 حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا تھا، اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع
 اچھی کھجوریں حاصل کیں۔ ارشاد ہوا:

”اُف اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں
 کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے ان اچھی کھجوروں کو خرید لیتے۔“

(مہاجرین حصہ اول ترجمہ: حضرت بلالؓ بن رباح بحوالہ بخاری ج ۱ ص ۳۱۱)

سیدنا حضرت بلالؓ کی کتاب فضائل کے تمام ابواب اتنے روشن اور ایمان افروز ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک باب بھی ان کے مقام رفیع، عظمت و شان یا جلالتِ قدر کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان کی زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالیں وہ نورِ علیٰ نور نظر آتا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی ساری زندگی ہر نوع کے فضائل سے عبارت ہے۔ عہدِ رسالت کی شاید ہی کوئی ایسی سعادت اور فضیلت ہو جو ان کو حاصل نہ ہوئی ہو۔ سب سے پہلا شرف ان کو سابقون أو لئون کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا حاصل ہوا اور یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کے جنتی ہونے کی بشارت خود اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں دی۔ اس بشارت پر جنتی ہونے کی مزید بشارت ان کو محبوبِ رب العالمین ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے دی۔ راہِ حق میں انھوں نے جو مصائب جھیلے اور جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اس کو اپنی مثال آپ ہی کہا جاسکتا ہے۔ قبولِ اسلام اور آزادی کے بعد اپنی زندگی کو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دینا اور بارگاہِ رسالت میں درجہٴ محبوبیت و تقرب حاصل کرنا، کیا یہ کوئی کم درجے کی سعادت اور خوش بختی ہے؟ غزوات میں سب سے پہلے غزوہٴ بدر میں دادِ شجاعت دے کر ان صحابہ کرامؓ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی جن کو دوسرے تمام اصحاب سے افضل قرار دیا گیا ہے پھر دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا، عہدِ فاروقی میں شام کے میدانِ جہاد میں رومیوں کے خلاف سرفروشانہ معرکہ آرائی کی غرض ان کی کس کس فضیلت اور سعادت کا ذکر کیا جائے۔ خلاصہٴ کلام یہ ہے کہ انھوں نے اپنے صبر و استقامت، صدق و اخلاص اور عشقِ رسول ﷺ کے جو نقوش صفحہٴ تاریخ پر ثبت کیے وہ ہر مسلمان کے لیے تابعدار نشانِ راہ بنے رہیں گے۔ ان کا اسمِ گرامی سن کر ہر مسلمان کا سرفرطِ احترام و عقیدت سے جھک جاتا ہے اور اس کے دل میں تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش اس کو حضرت بلالؓ کے کردار کا ہزارواں حصہ ہی نصیب ہو جائے اور اس کی آخرت سنور جائے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

کو

حضرت سیماب اکبر آبادی مرحوم کا خراج عقیدت

اے بلالؓ زار اے سرگزشتہ اُلفتِ بلالؓ
جانتے ہیں ہم رسول اللہ کا پیارا ہے تو
عین چشمِ مصطفیٰ ہے تیری عینیتِ بلالؓ
اے سویدائی، ہماری آنکھ کا تارا ہے تو

گرچہ تھا خاکِ جش سے تیرے پیکر کا خمیر
کھینچ لائی تجھ کو لیکن خاکِ بطحا کی کشش
کر دیا روشن نصیبی نے تجھے روشن ضمیر
تیری سودائی بنی نورِ سویدا کی کشش

دی ازاں جب تک نہ تو نے مسجد سرکار میں
کی ملائک نے ادا کب سقفِ گردوں پر نماز
تیری وقعت اے مؤذن تھی بڑی دربار میں
جس کا تو بندہ ہے، کہتے ہیں اسے بندہ نواز

گو کہ مظلومی سے تیرا حال تھا بگڑا ہوا
تھا مگر دل میں ترے جوشِ تولائے نبیؐ
ظالموں نے ظلم بھی تجھ پر کیے تو کیا ہوا
تیری حامی بن گئی آخر تمنائے نبیؐ

اے غلامِ بارگاہِ خسروِ شام و حجاز
فخر میں رتبہ ہے تیرا بادشاہوں سے سوا
تو نے سیکھے فقر میں سب عشق کے راز و نیاز
بانگین میں بڑھ گیا تو کجکلاہوں سے سوا

اے منادیِ شریعت اے ندائے معرفت
لہجہٴ مستانہ پنہاں تھا تری آواز میں
تجھ سے وابستہ تھی احیائے صلائے معرفت
سحر زندہ تھا ترے الفاظ کے انداز میں

”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا“ جب تو کرتا تھا ادا
جانبِ ختمِ رُسلِ انگی اٹھا دیتا تھا تو
اس سے بہتر اور تکمیلِ شہادت ہوگی کیا
”یہ ہے وہ محمودِ پیغمبر“ بتا دیتا تھا تو

تو جو آیا مضطرب بعد وفاتِ مصطفیٰؐ
پھر کیا لوگوں نے تجھ کو آہ! مجبور اذان
گر پڑا تو نام لے کر سیدِ ابرار کا
حشر برپا کر گیا کونین میں صورِ اذان

سیدِ کونینؑ کی الفت میں او محو خیال
کم سے کم کوئی محبت آشنا اتنا تو ہو
نام لیتے ہی کیا خود کو فنا تو نے بلالؓ
آہ! کوئی جاں نثارِ مصطفیٰؐ اتنا تو ہو

حضرت عقبہ
بن
عامر جہنی رضی اللہ عنہ

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان
مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے سہارا چھوڑتا ہے اور
جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔
اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کرے گا تو اللہ قیامت کے
دن اس کی پریشانی دور کرے گا۔

اور جو مسلمان کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت
کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

نام و نسب

عقبہ نام ابو عمر و کنیت۔ خاندانی تعلق ”بنو جہینہ“ سے تھا۔ یہ قبیلہ عرب کے مشہور قبیلے بنو قضاعہ کی شاخ بنو اسلم کا عظیم بطن تھا۔ حضرت ابو عمر و عقبہ بن عامر جہنی کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کو نہ صرف رحمت عالم ﷺ کے خادمان خاص میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا بلکہ مسلسل کئی سال تک فیضان نبوی سے بہرہ یاب ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ

حضرت عقبہ بن عامر اپنے قبیلے کے ذہین و فریس آدمیوں میں سے تھے اور فن خطابت اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ ان کی سکونت یثرب (بعد میں مدینۃ النبی ﷺ) سے چند میل دور ایک ایسے علاقے میں تھی جہاں کے بیشتر لوگ بھیڑ بکریاں پال کر گزارا کرتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر نے بھی بکریاں پالنے اور چرانے کا مشغلہ اختیار کر رکھا تھا۔ چند سال پہلے مکہ میں رسول اکرم ﷺ نے دعوت توحید کا آغاز فرمایا تو آہستہ آہستہ ہر سال حج پر آنے والے قبائل کے ذریعے اس دعوت کی خبر عرب کے مختلف قبائل کے بے شمار لوگوں تک پہنچ گئی۔ ان لوگوں میں عقبہ بن عامر بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت سعید سے نوازا تھا۔ وہ اس دعوت سے بہت متاثر ہوئے لیکن کسی وجہ سے

مکہ جا کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔

ادھر مکہ میں حالات نے ایسی صورت اختیار کی کہ رسول اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے اور اس قدیم شہر کو ”مدینۃ النبی ﷺ“ بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت عقبہؓ بن عامر کا قبولِ اسلام

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کی خبر مدینہ کے نواحی علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیل گئی۔ حضرت عقبہؓ بن عامر کو جس وقت یہ خبر ملی وہ بکریاں چرا رہے تھے۔ یہ خبر سن کر ان کی دلی مراد برآئی، اپنی بکریوں کا ریوڑ اپنے کسی ساتھی کے سپرد کیا اور خود بسرعت تمام عازم مدینہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر سیدھے بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچے اور کلمہ توحید پڑھا کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مجھ سے بیعت لے لیجئے۔“

حضور ﷺ نے پوچھا:

”تم کون ہو؟“

انہوں نے جواب دیا: ”میں بنو جہینہ کا ایک فرد ہوں، عقبہ بن عامر میرا نام ہے۔“

حضور ﷺ نے پوچھا: ”بیعتِ عربیہ (یا اعرابیہ) کرنا چاہتے ہو یا بیعتِ ہجرت؟“

انہوں نے عرض کیا: ”بیعتِ ہجرت“

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے انہی باتوں پر بیعت لی جن پر دوسرے مہاجرین سے لی تھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عقبہؓ بن عامر نے بیعت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ بیعت کرنے کے بعد انہوں نے ایک رات مدینہ منورہ میں گزاری اور پھر واپس اپنی بکریوں میں چلے گئے۔ وہاں ان کے ساتھ اور گیارہ آدمی

اقامت گزین تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے اور وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ کیا ہر وقت بکریاں چراتے رہنے سے یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم دین کی تعلیم حاصل کرنے اور رسول اللہ ﷺ پر اللہ کا جو کلام نازل ہوتا ہے، اسے سننے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں باری باری حاضر ہوا کریں، جس دن ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ جائے اس کی بکریوں کی حفاظت دوسرے ساتھی کریں۔

سب نے اس کی بات سے اتفاق کیا لیکن مجھے اپنی بکریاں کسی دوسرے کے سپرد کرنا پسند نہ تھا اس لیے میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ باری باری مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیا کرو اور دین کی جو باتیں آپ ﷺ سے سیکھو، واپس آ کر مجھے بتا دیا کرو، میں تم سب کی بکریوں کی حفاظت کروں گا۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا پھر ایک دن یکا یک میرے ضمیر نے مجھے کچوکا دیا کہ تم ان حقیر بکریوں کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیوض و برکات سے کیوں محروم رہنا چاہتے ہو یہ سوچ کر بکریاں اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے مدینہ منورہ پہنچ گیا اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

خادمانِ خاص میں شمولیت

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے جاتے، عقبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کھینچنے کی خدمت انجام دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے۔ حضرت عقبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خدمت گزارنی پر بڑے نازاں

تھے۔ وہ سواری مبارک کی مہاریا لگام تھامے ہوتے تو یوں محسوس کرتے گویا سارے جہان کی نعمتیں ان کو حاصل ہو گئی ہیں۔ حضور ﷺ بھی حضرت عقبہؓ کی خدمت گزاری سے بہت خوش تھے اور ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھالیا کرتے تھے۔ اس لیے لوگ ان کو ”ردیف رسول اللہ ﷺ“ کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اثنائے سفر میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کھینچ رہے تھے کہ ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک سواری بٹھادی اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”عقبہ اب تم سواری پر بیٹھو، میں اس کی مہار پکڑوں گا۔“

اپنے آقا (حضور ﷺ) کا حکم سن کر حضرت عقبہ سناٹے میں آگئے، عرض کیا:

”سبحان اللہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اور آپ ﷺ کی سواری پر بیٹھوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا:

”ہاں بھائی تم بہت تھک گئے ہو، اب تمہارا حق ہے کہ تم سواری پر بیٹھو۔“

انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! مجھ بندہ حقیر کی یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ میں سواری پر بیٹھوں

اور حضور ﷺ اس کو کھینچیں۔“

جب حضور ﷺ نے اصرار فرمایا کہ یہ میرا حکم ہے تمہیں سواری پر ضرور بیٹھنا ہوگا تو

وہ **أَلَا مَرْفُوقُ الْأَرَبِ** کے مصداق تعمیل ارشاد پر مجبور ہو گئے۔ اور پھر چشم فلک نے یہ

تخیر خیز منظر دیکھا کہ خیر الانام امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی مہار تھامے آگے آگے

چل رہے ہیں اور عقبہ بن عامر سواری پر بیٹھے ہیں۔

قیاس یہ ہے کہ دشوار گزار طویل اسفار میں حضور ﷺ نے کئی بار حضرت عقبہؓ کو یہ

شرف بخشا ہوگا۔

فیضانِ نبوی ﷺ سے اکتساب

بارگاہِ رسالت میں ہر وقت کی حاضر باشی سے حضرت عقبہ بن عامر کو فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہونے کا خوب موقع مل گیا تھا۔ وہ جہاں حضور ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کرتے رہتے وہاں مختلف اصنافِ علم میں ہادیِ اکرم ﷺ سے خوب خوب کسب فیض بھی کرتے رہتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی متعدد سورتیں انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ فرطِ ذوق و شوق میں رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے سورۃ ہود اور سورۃ یوسف پڑھائیے۔

حضور ﷺ نے نہایت شفقت و انبساط کے ساتھ ان کو ان سورتوں کی تعلیم دی۔

(الاصابہ)

ایک مرتبہ سفر میں حضرت عقبہؓ معمول کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کی سواری کھینچ رہے تھے کہ معاً حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، عقبہ! کیوں نہ تمہیں قرآن کی دو بہترین سورتیں پڑھنے کے لیے بتاؤں؟ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ بہترین سورتیں ہیں۔ تحصیلِ علم کے شوق نے حضرت عقبہؓ کو رسولِ اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کا مورد بنا دیا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کو بطور خاص ایک شرعی حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں خود حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ بکریاں میرے سپرد کیں تاکہ قربانی کے لیے آپ ﷺ کے (بعض) صحابہ میں تقسیم کر دوں۔ میں نے بکریاں تقسیم کر دیں البتہ ایک بکری بچ گئی جو ایک سال سے کم عمر کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، تم تو بس اس کی قربانی کر لو۔ (اس کو ذبح کر لو) مگر تمہارے بعد اس عمر کی بکری آئندہ کسی شخص کے لیے بھی (قربانی کے لیے) کافی نہ ہوگی۔

سپاہیانہ فنون سے شغف

حضرت عقبہؓ کو سپاہیانہ فنون بالخصوص تیراندازی سے بڑا شغف تھا۔ خود بھی ایک ماہر تیرانداز تھے اور دوسروں کو بھی اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلے میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کرے گا، اس کے بنانے والے کو، اللہ کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور اس کے چلانے والے کو اور حضور ﷺ نے تین کھیلوں کو جائز قرار دیا ہے، تیراندازی، گھوڑے کی تادیب اور اپنی اہلیہ سے ہنسی مذاق کرنا، جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر اسے بھلا دیا، اس نے بڑی نعمت کھودی۔

میدانِ جہاد میں

عہد رسالت ﷺ کے کسی غزوے میں حضرت عقبہؓ بن عامرؓ کی شرکت یا عدم شرکت کے بارے میں قدیم کتب سیر میں تصریح نہیں کی گئی۔ کسی سیرت نگار یا مورخ نے اس کا سبب بھی بیان نہیں کیا البتہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عہد رسالت کے بعض غزوات میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف ضرور حاصل ہوا ہوگا کیونکہ ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عقبہؓ بن عامرؓ کی مسلسل حاضر باشی پر تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ جب وہ سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہے تو غزوات میں کیسے غیر حاضر رہ سکتے تھے۔ مصر کے نامور سیرت نگار ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا نے اپنی تالیف ”صور من حياة الصحابة“ میں لکھا ہے کہ حضرت عقبہؓ بن عامرؓ غزوہ احد اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد تو وہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت سے نمایاں ہو کر دنیا کے سامنے

آتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی رومی حکومت کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عقبہ بن عامر شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں سرفروشانہ شریک ہوئے۔ وہ دمشق کو مسخر کرنے والی فوج میں بھی شریک تھے۔ اس تاریخی شہر پر پرچمِ اسلام بلند کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عقبہ کو بارگاہِ خلافت میں مسلمانوں کی فتح کی اطلاع دینے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو یہ خبر پہنچائی تو وہ سجدہ شکر بجالائے اور حضرت عقبہ کو گلے لگا لیا۔ عہدِ فاروقی کے بعد انھوں نے سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بھی رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں صفین کی افسوسناک جنگ پیش آئی۔ اس میں ایک طرف امیر المؤمنین حضرت علیؓ تھے اور دوسری طرف والی شام امیر معاویہؓ تھے۔ دونوں بزرگوں کے لشکروں میں دوسرے لوگوں کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شریک تھے۔ حضرت عقبہؓ نے جنگ میں امیر معاویہؓ کی طرف سے حصہ لیا۔ اس بنا پر امیر معاویہؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے مصر پر قبضہ کیا تو حضرت عقبہؓ کو وہاں کا امیر الخراج اور امام نماز مقرر کیا۔ وہ اپنے فرائض کئی سال تک نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ کچھ عرصہ مصر کے گورنر بھی رہے۔

۳۷ ہجری میں امیر معاویہؓ نے حضرت عقبہ بن عامر کو جزیرہ رودس کی تسخیر پر مامور کیا۔ انھوں نے ایک بحری بیڑے کے ساتھ رودس پر فوج کشی کی لیکن جنگ کے دوران میں امیر معاویہؓ نے ان کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت مسلمہ بن مخلد انصاریؓ کو مقرر کیا (مورخین نے حضرت عقبہؓ کی معزولی کا سبب نہیں لکھا) اپنی معزولی کے بعد حضرت عقبہؓ ملکی سیاست سے یکسر کنارہ کش ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انھوں نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

سفرِ آخرت

حضرت عقبہؓ بن عامر نے مصر ہی میں سفرِ آخرت اختیار کیا ان کے سال وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن بیشتر روایات میں ان کا سال وفات ۵۸ ہجری بیان کیا گیا ہے اور اسی کو صحیح سمجھا جاتا ہے۔

ازواج و اولاد کی تفصیل کے بارے میں کتبِ سیرِ خاموش ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت حضرت عقبہؓ کے پاس ۷۰ کمائیں اور ان کے لوازم تھے۔ ان سب کو انھوں نے راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا۔

علم و فضل

حضرت عقبہؓ بن عامر نے حاملِ وحی و رسالت ﷺ سے کئی سال تک براہِ راست کسب فیض کیا تھا اس لیے ان کا پایہ علمی بہت بلند ہو گیا تھا اور وہ فضلاء صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عقبہؓ بن عامر قرآن مجید کے قاری، اونچے درجے کے فقیہ، فرائض کے ماہر، خوش گوشا اور بلند مرتبہ شخص تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج: ۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب العہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت عقبہؓ بن عامر نے ایک قرآن خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب مصحف عثمانی سے مختلف تھی۔ قرآن کا یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا اور اس کے آخر میں حضرت عقبہؓ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی: ”کتبہ عقبہ بن عامر“

یعنی ”یہ قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔“ (تہذیب العہذیب ج: ۷)

حضرت عقبہؓ کو تلاوتِ قرآن کا خاص ذوق تھا اور انھوں نے بڑے ذوق و شوق سے اس کی تعلیم رسولِ اکرم ﷺ سے حاصل کی تھی۔ دینی علوم کے علاوہ ان کو عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت اور شعر و شاعری میں بھی دخل تھا۔

ان کے مرتبہ علمی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اور حضرت

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ امیر معاویہؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ عاصم بن سفیان ثقفی نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا: انھوں نے بتا تو دیا لیکن ساتھ ہی حضرت عقبہؓ سے تصدیق چاہی کہ میرا جواب صحیح ہے یا نہیں۔ انھوں نے تصدیق کی تو وہ مطمئن ہوئے۔

حدیث

حضرت عقبہؓ اگرچہ معدنِ فضل و کمال تھے لیکن روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ ان سے صرف ۵۵- احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے سات متفق علیہ ایک میں بخاری اور سات میں مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ نے اور تابعین میں سے ابو الخیر، علی بن رباح، ابو قبیل اور سعید بن مسیب وغیرہم نے روایت کی ہے۔ ایک مرتبہ میزبان رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری صرف ایک حدیث سننے کی خاطر ان کے پاس مدینے سے مصر گئے کیونکہ ان کے بقول ”اس وقت عالم اسلام میں اس حدیث کے جاننے والا عقبہ بن عامر کے سوا کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔“

عام لوگ بھی حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں (بیت المقدس میں) مسجد اقصیٰ کی طرف نماز ادا کرنے کے لیے گیا، میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں، میں نے ان سے کہا، تم لوگوں کو کیا ہوا (کہ تم میرے پیچھے آ رہے ہو) انھوں نے کہا، ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، جو کچھ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ بیان کیجیے۔ (ہمیں بھی سنائیے)۔ میں نے کہا، ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کوئی

بندہ ایسا نہیں ہے کہ اس نے اللہ عزوجل سے اس حالت میں ملاقات کی کہ اس (اللہ) کی ذات میں کسی کو شریک نہ کیا ہو اور نہ خون حرام سے آلودہ ہو اور پھر جس دروازے سے چاہا اس سے جنت میں داخل نہ ہوا ہو۔ (اسد الغابہ)

اخلاق و عادات

حضرت عقبہ بن عامر اخلاقِ حسنہ کے پیکرِ جمیل تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ، سادگی، عیب پوشی، تحمل اور انکسار ان کے خاص اوصاف تھے۔ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے تھے۔ وفات سے پہلے اپنے اسلحہ کا سارا ذخیرہ راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ مزاج کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں خادم ہوتے ہوئے بھی اپنا کام خود کرتے تھے۔ دوسروں کے غیوب سے چشم پوشی ان کا خاص وصف تھا۔ ایک مرتبہ خادم نے شکایت کی کہ ہمارا پڑوسی شراب پیتا ہے۔ فرمایا، جانے دو، کسی اور کو نہ بتانا۔ اس نے کہا، ”میں محتسب کو ضرور بتاؤں گا۔“

حضرت عقبہ نے ناراض ہو کر فرمایا، بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم اس معاملے کو طول دینا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔“ جس زمانے میں مصر میں امیر الخراج اور امام نماز تھے، ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں دیر کر دی۔ اتفاق سے حضرت ابوالیوب انصاری وہاں موجود تھے انہوں نے بھرے مجمع میں حضرت عقبہ سے مخاطب ہو کر کہا:

مَا هَذَا الصَّلَاةِ يَا عَقْبَةُ؟

عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟

حضرت عقبہ نے نہایت تحمل سے جواب دیا:

”ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہو گئی۔“

حضرت ابوالیوب نے فرمایا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ تم رسول اللہ ﷺ

کے صحابی ہو اور تمہارا ہر قول و فعل عامۃ الناس کے لیے حجت بن سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر تم نماز میں دیر کرو گے تو لوگ خیال کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح نماز ادا کرتے ہوں گے۔ یاد رکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عقبہؓ اگرچہ بڑے اونچے عہدے پر فائز تھے لیکن انھوں نے سارے مجمع کے سامنے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے ندامت کا اظہار کیا اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے ”سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ دوم)“ میں مشہور مورخ ابو عمر محمد بن یوسف الکندی کی ”کتاب الولاة“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عقبہؓ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے لیکن پھر (امامت کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد) اس میں احتیاط کرنے لگے۔ ایک دفعہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اس لیے آپ نماز پڑھائیے۔

انھوں نے فرمایا: ”نہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو یہ نماز امام اور مقتدی دونوں کے لیے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو امام ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔“ (سیر الصحابہ ترجمہ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی)

نامور مصری صاحب قلم ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا نے اپنی تالیف ”صور من حياة الصحابة“ میں لکھا ہے کہ حضرت عقبہؓ بن عامر نے وفات سے پہلے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو وصیت کی کہ میرے جگر کے ٹکڑو، میری تین باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا:

- ۱- رسول اللہ ﷺ کی حدیث کسی ناقابل اعتماد (غیر ثقہ) شخص سے قبول نہ کرنا۔
- ۲- کبھی قرض نہ لینا خواہ تم اس قدر تنگ دست اور مفلس ہو جاؤ کہ تمہیں موٹا جھوٹا لباس پہننا پڑے۔

۳- شعر و شاعری سے بچنا کہ اس میں مشغول ہونے سے تمہارے دل قرآن حکیم سے غافل نہ ہو جائیں۔
(ترجمہ ردیف رسول ﷺ حضرت عقبہ بن عامر جہنی)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ۱۵ (پندرہ) احادیث

۱- حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی کا عیب دیکھا اور اس پر پردہ ڈالا، اس نے گویا زندہ گاڑی ہوئی لڑکی کو قبر سے نکالا۔
(ابوداؤد)

شارحین حدیث کے مطابق اس ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ عیب پوشی کرنے والے نے ایک معصوم لڑکی کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا۔

۲- حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا، (یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ) نجات حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے (اور نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی زبان پر قابو رکھو اور چاہیے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہو (یعنی باہر کوئی کام نہ ہو تو گھر میں رہ کر بال بچوں کی نگہداشت کرو اور گھر کا کام کاج دیکھو) اور اپنی خطاؤں پر اللہ کے حضور رویا کرو۔

(جامع ترمذی)

۳- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین مہر وہ ہے جو معمولی ہو۔
(راہ عمل بحوالہ نیل الاوطار)

۴- حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے (مقامات) مجھے اور ابو آء کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ ہم کو تیز و تند ہوا اور تاریکی نے گھیر لیا پس رسول اللہ ﷺ نے ”قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ اور ”قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ پڑھ پڑھ کر دعا مانگنی شروع کی اور مجھ سے فرمایا: عقبہ! پناہ مانگ ان دونوں سورتوں کے

ذریعے سے کہ پناہ مانگنے کے معاملہ میں یہ دونوں سورتیں سب سے بہتر ہیں۔ (ابوداؤد)

۵- حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا

کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے اور اس

میں عیب ہو تو اس کو چاہیے کہ اس عیب کو اس کے سامنے صاف صاف بیان کر دے۔

عیب کو چھپانا کسی (تاجر یا کوئی چیز بیچنے والے) کے لیے جائز نہیں۔ (ابن ماجہ)

۶- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن

حساب کتاب ختم ہونے تک صدقہ کرنے والا اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا۔“

(مسند احمد)

۷- حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی

عبادہ کے طور پر پیش کی گئی۔ آپ نے اس کو پہنا اور نماز پڑھی اور پھر واپس آ کر

اس کو اس طرح (سختی کے ساتھ) اتار ڈالا گویا آپ اس سے نفرت کرتے ہیں اور

فرمایا کہ پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑا زیبا نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۸- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنے بیماروں کو

زبردستی کھانا نہ کھلایا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا پلاتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

۹- حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے نسب

ایسی چیز نہیں ہیں کہ تم ان کے سبب کسی کو برا کہو (یعنی اپنے آپ کو شریف سمجھو اور

دوسروں کو ذلیل خیال کرو) تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو سیر کے برابر سیر (یعنی

ہم وزن اور ہم پایہ) کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے مگر دین اور تقویٰ کے اعتبار سے۔

آدمی کی برائی کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش بکنے والا اور بخیل

ہو۔ (مسند احمد)

۱۰- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع

فرمایا کرتے تھے اور انہی اوقات میں مردوں کو دفن کرنے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے) سے بھی منع فرماتے تھے۔ ایک آفتاب نکلتے وقت، دوسرے اس وقت کہ دوپہر کا سایہ قائم ہو یہاں تک کہ آفتاب کا سایہ ڈھل جائے اور تیسرے اس وقت جب آفتاب غروب ہو رہا ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔ (صحیح مسلم)

۱۱- حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بندوں کے معاملات میں) قیامت کے دن سب سے پہلے جو معاملہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایوں کا جھگڑا ہوگا۔ (مسند احمد)

۱۲- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر پھینکنے کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے، ایک تو تیر بنانے والے کو جو ثواب کی نیت سے بنائے دوسرے تیر چلانے والے کو تیسرے تیر دینے (پکڑانے) والے کو۔ پس تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو گھوڑوں پر (یعنی تیر اندازی اور گھڑ سواری کی مشق کرو۔) (ترمذی، ابن ماجہ)

۱۳- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ترمذی)

۱۴- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے کہ کافروں سے لڑنے کے لیے جس قدر اپنی قوت کو مضبوط کر سکتے ہو کرو، خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے۔ زمانہ حاضر میں قوت کا حصول تیر اندازی کے متبادل طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

۱۵- حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو باوجود اس کے گناہ کرنے کے دنیا کی محبوب ترین چیزیں عطا فرماتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ استدراج (خلاف معمول کام) ہے پھر

آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ
حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ

(مُنداحم)

اس حدیث میں جس آیت مبارکہ کا ذکر ہے وہ سورۃ الانعام کی چوالیسویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر جب انھوں (کافروں) نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ حیران و ششدر اور بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔“



میزبانِ رسول

سیرت حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ

مؤلف: طالب الہاشمی

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ انصاری مدینہ کے سابقون الاولون میں سے تھے اور حضرت ابوالیوب انصاری رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے پر میزبان رسول بنے۔ وہ ۳۱۳ مجاہدین بدر میں سے ایک تھے۔ وہ ان چودہ سواصحاب الشجرہ میں شامل تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی۔

طاہر اپیلی کیشنز

ملنے کا پتا

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

Ph:042-6120422 Mob:0333-4470509

معروف سیرت نگار طالب الہاشمی کے گلریز قلم سے

خلق خیر الخلاق

☆ خطیبوں، واعظوں اور مقررین کے لیے ایک تحفہ گراں بہا ☆ طلبہ اور طالبات کے لیے مشعل راہ ☆ محبان رسول ﷺ کے لیے نشاط روح کا سامان ☆ آفتاب رسالت ﷺ کے

خلق عظیم

کے مختلف پہلوؤں کے زیر عنوان بے شمار ایمان افروز واقعات ایسے دلنشین پیرائے میں کہ دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن ہو جائے اور اسوہ خیر البشر ﷺ کے اتباع کی تڑپ پیدا ہو جائے

سدا بہار

پاکیزہ پھولوں کا ایسا گل دستہ جو مشامِ جان کو معطر کر دیتا ہے
خود پڑھیے بچوں کو پڑھائیے

طاہر اپیلی کیشنز

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب

مصنف: محمد اشرف شریف، ڈاکٹر اشتیاق احمد قیمت: 175 روپے

☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز واقارب کی 20 پشتوں کا تعارف ☆ کیا نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب کو آپ کی نبوت کا علم تھا؟ ☆ نبی کریم ﷺ کے گیارہ چچا اور چھ پھوپھیوں کا مفصل تعارف ☆ آپ کے سرالی قرابت دار کون کون تھے؟ آپ کی اولاد داماد اور نواسے، نواسیاں کتنے ہیں؟ ☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز واقارب بارے مستند بیانات اور بے شمار حوالے جو آپ تلاش کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں۔

طاہر اپیلی کیشنز

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

حدیث نبوی ﷺ

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند کرتا ہے۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔

(مسند احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

حضرت ثوبانؓ کا شمار ان عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے جن کو خاتم الانبیاءؐ والمرسلینؑ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا ایک فرد قرار دیا۔ یہ حُسنِ اتفاق تھا یا حضرت ثوبانؓ کی خوش بختی کہ مدینہ میں ان کا وُرود ایک بے سہارا غریب الوطن غلام کی حیثیت سے ہوا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کو وہ رتبہ بلند مل گیا کہ ان کی خوش بختی پر لوگ رشک کرتے تھے۔

نام و نسب

نام ثوبانؓ اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ نسب کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ والد کا نام بجد یا حمد رہا۔ خاندان اور وطن کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کو علامہ ابن اثیرؒ نے یوں بیان کیا ہے:

”یمن کے قبیلہ حمیر سے ہیں اور بعض لوگ انہیں مقامُ مراہ کا رہنے والا کہتے ہیں جو مکہ اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سعدِ عیشیرہ کے قبیلے سے ہیں جو مذحج کی ایک شاخ تھی۔ یہ گرفتار کر لیے گئے تھے اور انہیں ایک قیدی غلام کی حیثیت سے مدینہ لایا گیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔“ (اسد الغابہ ترجمہ: حضرت ثوبانؓ)

بعض مؤرخین نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ وہ بنو حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان یمن میں سا لہا سال تک تخت و تاج اور طبل و علم کا مالک رہا تھا لیکن پھر اس پر زوال آ گیا۔ حضرت ثوبانؓ کے گھرانے پر معلوم نہیں کیا افتاد پڑی کہ ان کو غیروں کی غلامی اختیار

کرنی پڑی۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، یہ حقیقت ہے کہ حضرت ثوبانؓ ایک غلام کی حیثیت سے بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کیے گئے اور جناب رسالتِ مآب ﷺ نے ان کو خرید لیا۔
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کا شرفِ غلامی حاصل کرتے ہی غریب الوطن ثوبانؓ نے قبولِ اسلام کی سعادت بھی حاصل کر لی اور ساتھ ہی رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ بقولِ بعض حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر نجابت و شرافت کے آثار دیکھے تو آپ کا دریائے کرم جوش میں آ گیا اور آپ نے ان کو آزاد کر کے فرمایا:

”اگر تمہاری خواہش ہو تو اپنے خاندان میں چلے جاؤ اور اگر میرے ساتھ رہنا چاہو تو میرے گھر والوں میں تمہارا شمار ہوگا۔“

حضرت ثوبانؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ انہوں نے خدمتِ نبوی ﷺ کی حاضری کو اپنے وطن اور خاندان پر ترجیح دی اور عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ (اور آپ کا در چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔)“

چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اپنے خادمانِ خاص میں شامل کر لیا اور پھر وہ سفر و حضر ہر حالت میں ہمیشہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ (اسد الغابہ و مستدرک حاکم)

ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اہل بیت کے لیے دعا کی۔ اس وقت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی خدمتِ نبوی میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی اہل بیت میں سے ہوں؟“

ارشاد ہوا:

”ہاں جب تک تم کسی امیر کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ یا کسی دروازے کی

چوکھٹ پر (سائل بن کر) نہ کھڑے ہو۔“ (الإصابة لابن حجر)

اس کے بعد حضرت ثوبانؓ نے عمر بھر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا اور یوں سرورِ عالم ﷺ کے اہل بیت میں سے ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔

مسندِ ابی داؤد میں خود حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں جو شخص اس بات کا عہد کرے۔ (اور اس عہد کو پورا بھی کرے) کہ

وہ کبھی لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلانے گا، میں اُس کے لیے جنت

کا ذمہ لیتا ہوں۔“

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہیں مانگوں گا۔“

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت ثوبانؓ نے اپنے اس عہد کی عمر بھر نہایت سختی سے پابندی کی یہاں تک کہ اگر سواری پر کہیں جا رہے ہوتے اور اتفاقاً ان کے ہاتھ سے کوڑا چھوٹ کر زمین پر گر جاتا تو خود سواری سے اتر کر اسے اٹھاتے تھے اور کسی دوسرے کو اس کو اٹھانے کے لیے ہرگز نہیں کہتے تھے۔

(مسند احمد)

رسولِ اکرم ﷺ سے محبت

حضرت ثوبانؓ کو رسولِ اکرم ﷺ سے کمال درجے کی عقیدت اور محبت تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت خدمتِ نبوی میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے اور رحمتِ عالم ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل نہایت مستعدی سے کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے ہر ارشاد کو حرزِ جان بنا لیتے تھے اور اپنی ذاتی زندگی میں اس پر عمل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا غلام کہلا کر فخر محسوس کرتے تھے۔ (اگرچہ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔) حضور ﷺ سے عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو ”اسمِ گرامی“ سے مخاطب کرے۔ ایک دفعہ ان کی موجودگی میں ایک یہودی عالم بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ“

حضرت ثوبانؓ کو اس کے اس اندازِ خطابت پر سخت غصہ آیا اور انھوں نے اُس کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے سنبھل کر وجہ پوچھی تو حضرت ثوبانؓ نے کڑک کر کہا:

”تو نے ”یا رسول اللہ“ کیوں نہ کہا؟“

وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا۔ رسول اکرم ﷺ نے بڑی نرمی سے فرمایا:

”ہاں میرا خاندانی نام محمد ہے۔“

فضل و کمال

حضرت ثوبانؓ کو بارگاہِ رسالتؐ میں جو غیر معمولی درجہ تقرب حاصل تھا اس کی بدولت ان کو ارشاداتِ نبویؐ کی سماعت کا شرف اکثر ملتا رہتا تھا۔ یوں وہ معدنِ فضل و کمال بن گئے تھے۔ ان سے ایک سو ستائیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے رُواۃ حدیث اور تلامذہ میں ابو ادریس خولانیؒ، عبدالرحمن بن غنمؒ، معدان بن طلحہؒ، راشد بن سعدؒ، جبیر بن نفیرؒ اور ابو عامر الالہانیؒ جیسے تابعین شامل ہیں جن کا شمار اپنے دور کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ حضرت ثوبانؓ کو اشاعتِ حدیث میں بھی بڑا اہتمام تھا اور وہ بڑے ذوق و شوق سے رسول اکرم ﷺ کے ارشادات لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی تالیف ”الاستیعاب“ میں لکھا ہے کہ حضرت ثوبانؓ ان اصحاب میں ہیں جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور ان کی اشاعت بھی کی۔ لوگوں کو ان کے حافظے پر اس قدر اعتماد تھا کہ بعض اوقات کسی دوسرے سے کوئی حدیث سن کر ان سے اس کی تصدیق کراتے تھے۔ مُسندِ ابی داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معدان بن طلحہؒ نے (جو حضرت ثوبانؓ کے شاگرد اور مشہور مُحدِّث تھے)، جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء انصاری سے ایک حدیث سنی پھر حضرت ثوبانؓ سے اس کی تصدیق کرائی۔ لوگ ان کے علم و فضل کے مدّاح تھے اور اصرار کر کے ان

سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔

میدانِ جہاد میں

اربابِ سیر نے یہ تو لکھا ہے کہ حضرت ثوبانؓ جس دن سے رحمتِ عالم ﷺ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے، آپ ﷺ کی وفات تک برابر آپ کی خدمت کرتے رہے اور خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہے لیکن انھوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ عہدِ رسالت کے کسی غزوہ یا سریہ میں شریک ہوئے یا نہیں اگر ہوئے تو کس غزوہ یا سریہ میں اور اگر نہیں ہوئے تو اس کا کیا سبب تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے اس کے بعد (غالباً) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وہ شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کر لی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر کی مہم پیش آئی اور امیر المؤمنین نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ان کی زیر قیادت مصر جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور وہاں کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ تسخیرِ مصر کے بعد وہ واپس شام آ گئے اور حمص میں گھر بنا کر وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

اخلاق و عادات اور سفرِ آخرت

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ سے جو الہانہ عقیدت اور محبت تھی اور جس طرح وہ فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوئے تھے اس کی بنا پر لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور وہ بھی بڑے لطف و انبساط سے لوگوں کو ارشاداتِ نبوی سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد جن صحابہ کرام کو اصحابِ علم و افتاء سمجھا جاتا تھا، ان میں سے ایک حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنے آپ کو سرورِ عالم ﷺ کا غلام کہلانے میں بڑا فخر محسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ

دوسرے لوگ بھی حضور ﷺ سے ان کی غلامی کی نسبت کا احترام اور لحاظ کریں۔ اس سلسلے میں مُسندِ احمد میں ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک دفعہ قیامِ حمص کے زمانے میں سخت علیل ہو گئے اس وقت حضرت عبداللہ بن قرط ازدی رضی اللہ عنہ حمص کے والی (گورنر) تھے وہ کسی وجہ سے حضرت ثوبانؓ کی عیادت کے لیے نہ آسکے۔ حضرت ثوبانؓ نے ان کی بے رُخی کو بہت محسوس کیا اور ان کو ایک شکوہ آمیز رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا غلام آپ کے یہاں ہوتا تو کیا آپ اس کی عیادت کے لیے نہ آتے؟ یہ رقعہ حضرت عبداللہ بن قرط کو ملا تو وہ اس سرعت کے ساتھ گھر سے نکلے کہ گھر والوں کو کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے کا گمان ہوا۔ حضرت عبداللہ نے حضرت ثوبانؓ کے پاس جا کر اس سے پہلے اپنے نہ آنے کی معذرت کی اور دیر تک بیٹھ کر ان کی مزاج پرسی کرتے رہے۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ حضرت ثوبانؓ نے ۵۴ ہجری میں (بعہد خلافت امیر معاویہؓ) حمص میں وفات پائی۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی تیرہ احادیث

قارئین ہر حدیث سے پہلے ”حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ:“ کے الفاظ کا اضافہ کر لیں۔

- ۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مُسندِ احمد، جامع ترمذی)
- ۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے حوض (کوثر) کی مسافت اتنی ہے جتنی کہ عمان سے بلقاء تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس کے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بے شمار) ہیں، اس کا پانی جو ایک دفعہ پی لے گا، اسے اس کے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہ ہوگی۔ اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء و مہاجرین ہوں گے، پریشان و پراگندہ

سروں والے، میلے کھیلے کپڑوں والے، جن کا نکاح خوش حال اور آسودہ خاطر عورتوں سے نہیں ہو سکتا اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔) (مُسْنَدِ اَحْمَد، جامع ترمذی، ابن ماجہ)

۳- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک چلو، صراطِ مستقیم پر قائم رہو لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لیے تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پاسکو گے۔ (لہذا ہمیشہ اپنے آپ کو خطا کار سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے۔ (اس لیے اس کی سب سے زیادہ پابندی کرو) اور وضو کی پوری نگہداشت بس بندہ مومن ہی کر سکتا ہے۔

(مُوَطَّأ انام مالک، مُسْنَدِ اَحْمَد، سننِ داری)

۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے، اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔ (مُسْنَدِ اَحْمَد بن حنبل)

۵- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو (نیک بندہ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں رہتا ہے اور ہمیشہ اسی حال میں رہتا ہے پس اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ میری رضامندی کی تلاش میں رہتا ہے، جان لو کہ میری رحمت اس کے لیے ہو چکی پھر جبرائیل کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت فلاں شخص پر ہے پھر یہی بات عرش کو اٹھانے والے فرشتے کہتے ہیں اور وہ فرشتے بھی کہتے ہیں جو ان کے قریب ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے یہی کہتے ہیں پھر رحمت اس شخص کے لیے زمین پر اترتی ہے۔ (مُسْنَدِ اَحْمَد بن حنبل)

۶- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح و شام ان کلمات کو تین مرتبہ کہے تو اللہ تعالیٰ لازماً اس مسلمان کو قیامت کے دن خوش کر دے گا۔

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

(یعنی میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہو گیا۔)
(مسند احمد و جامع ترمذی)

۷- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سکیر دیا تو میں نے مشرق و مغرب پر نظر ڈالی۔ یقیناً میری اُمت اس حصہ زمین کے گوشوں تک پہنچے گی۔ (قابض ہوگی) جو مجھے سکیر کر دکھایا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت فرمائے گئے۔ ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی اُمت کے لیے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کی نسل کو تباہ کر ڈالے۔ میرے پروردگار نے اس کے جواب میں فرمایا: اے محمد جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری اُمت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (صحیح مسلم)

۸- ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے، ہم نے دیکھا کہ (کچھ) لوگ سواریوں پر سوار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا، تم کو شرم نہیں آتی کہ اللہ کے فرشتے تو پیدل چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پشتوں پر سوار ہو۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

۹- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ بہشت کی میوہ خوری میں رہتا ہے (یعنی بہشت میں جانے اور وہاں کی میوہ خوری کا اہل ہو جاتا ہے) جب تک وہ عیادت سے واپس نہ آئے۔ (صحیح مسلم)

۱۰- رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے اور ایک جانب بیٹھتے تو تین مرتبہ استغفار

پڑھتے اور پھر یہ کہتے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ
تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ط

(صحیح مسلم)

۱۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جو نہ کرنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ جو شخص امام ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ صرف اپنے لیے دعا کرے۔ اگر وہ صرف اپنے لیے دعا کرتا ہے۔ (مقتدیوں کو چھوڑ کر) تو مقتدیوں سے خیانت کرتا ہے۔ دوسرا ناجائز کام یہ ہے کہ کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت لیے بغیر گھر کے اندر جھانکے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو گویا بغیر اجازت کسی کے گھر کے اندر داخل ہو گیا اور تیسرا ناجائز کام یہ ہے کہ پیشاب پاخانے کی شدید حاجت ہے لیکن کسی شخص نے اسی حالت میں قضائے حاجت سے پہلے نماز پڑھنی شروع کر دی یا (نماز کے لیے کھڑی) جماعت میں شامل ہو گیا۔

(ترغیب و ترہیب بحوالہ ابوداؤد)

۱۲- جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں.....) اس وقت ہم لوگ کسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ بعض اصحاب نے کہا کہ یہ آیت صرف سونے چاندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کاش ہم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال بہتر ہے (یعنی سونے چاندی کے سوا جن کا حکم اس آیت سے معلوم ہو گیا ہے) تو ہم اسی کو جمع کریں۔ رسول اللہ نے یہ سنا تو فرمایا: بہترین مال اللہ کا ذکر کرنے والی زبان ہے اور اللہ کا شکر کرنے والا دل ہے اور وہ مومن بیوی ہے جو شوہر کے دین و ایمان کی مددگار ہے۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱۳- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ کفر کے گروہ تم پر جمع ہو کر تم سے لڑنے کے لیے اس طرح پل پڑیں جس طرح بھوکا کھانے کے پیالے کی طرف لپکتا ہے۔ ایک کہنے والے نے کہا، یا رسول اللہ! کیا ہم اس دن تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تعداد کے لحاظ سے تم اس دن بہت زیادہ ہو گے لیکن سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ (سستی) ڈال دے گا۔ کہنے والے نے پھر عرض کیا، اس وہن کا سبب کیا ہوگا؟ ارشاد ہوا، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

(مشکوٰۃ باب تغیر الناس)



چھٹی صدی ہجری کے مجاہد اعظم

سلطان نور الدین محمود زنگی

مؤلف: طالب الہاشمی

سلطان نور الدین محمود زنگی کو بعض مورخین نے خلفائے راشدین کے بعد تمام فرمانروایان اسلام میں بہتر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے مثل اوصاف و محاسن سے نوازا تھا۔ وہ ہمیشہ کتاب و سنت پر عمل کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔

طاہر اپیلی کیشنز

ملنے کا پتا

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

Ph:042-6120422 Mob:0333-4470509

حضرت یحییٰ عیسیٰ

حضرت یحییٰ عیسیٰ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔

بیراز

مناجی، حضرت یحییٰ عیسیٰ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔

جس کا نام ہے یحییٰ عیسیٰ، اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔

(۲۲)

حدیث نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو نیک بیٹا ماں باپ کی طرف رحمت و شفقت کی نظر سے دیکھے اللہ اس کے حساب میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

(بیہقی)

حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ

نام و نسب

نام ایمن تھا۔ علامہ ابن سعد کا تب الواقدی اور حافظ ابو عبد اللہ ابن مندہ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

”ایمن بن عبید بن زید بن عمرو بن بلال بن ابی الحریاء بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج“

اس نسب نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ایمن کا تعلق یثرب (بعد میں مدینہ النبی) کے معزز خاندان عوف بن خزرج سے تھا اسے خاندان حبلی بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ حبلی سالم بن غنم کا لقب تھا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ سالم بن غنم کا پیٹ بہت بڑا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزرج کی اس شاخ (عوف بن خزرج) کو یثرب میں بہت معتبر مانا جاتا تھا۔ اس المناقین عبد اللہ بن ابی کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے یثرب میں خزرج اور اوس نے اپنے باہمی جھگڑے ختم کر کے اس شخص کو متفقہ طور پر اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے لیے تاج بھی تیار کر لیا تھا لیکن رسول اکرم ﷺ کی یثرب میں تشریف آوری کے بعد یہ سارا منصوبہ ختم ہو گیا۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے اپنی تالیف سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت ایمن کے والد عبید بن زید یثرب کے خاندان حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے اس روایت کا ماخذ بیان نہیں کیا۔ صحیح یہی ہے کہ ان کا تعلق عوف بن خزرج سے تھا۔ علامہ ابن اثیر نے ”أسد الغابہ“ میں حضرت ایمن کا جو نسب نامہ لکھا ہے اس میں سے ”زید“ کا نام حذف کر دیا ہے اور حضرت ایمن کے والد کا نام عبید بن عمرو بن بلال لکھا ہے شاید کتابت میں زید کا نام چھوٹ گیا ہے۔ صحیح نسب نامہ یہی ہے جو ابن سعد اور ابن مندہ نے لکھا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے حضرت ایمنؓ کے والد کا نام عبید حبشی لکھا ہے لیکن ابن ابی حیثمہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے عبید بن زید اور عبید حبشی کو دو الگ آدمی قرار دیا ہے۔ حضرت ایمنؓ جن کو رحمتِ عالم ﷺ کے خاندانِ خاص میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان کے والد کا نام عبید بن زید ہی ہے۔

پسند

جلیل القدر والدہ

حضرت ایمنؓ بن عبید کی والدہ کا نام برکتہ، کنیت ام ایمن اور عرف ام انطیا تھا۔

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ام ایمن بنت ثعلبہ بن عمرو بن حسن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ حضرت ام ایمنؓ حبش کی رہنے والی تھیں۔ وہ مکے میں کب اور کیسے پہنچیں؟ مورخین نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ان کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا جب وہ اپنے وطن یثرب سے مکے میں آ کر مقیم ہوئے بعد ازاں عبید ام ایمن کو مکے سے لے گئے وہیں ان کی صلب سے ایمن پیدا ہوئے کچھ عرصہ بعد عبید فوت ہو گئے اور ام ایمن اپنے بچے ایمن کو ساتھ لے کر مکہ واپس آ گئیں۔ مکہ میں ان کو جناب عبید اللہ کی کنیز بننے کی عزت حاصل ہوئی جب وہ فوت ہو گئے تو ام ایمن حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت ابی تمیمہ کی خدمت میں رہنے لگیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد انھوں نے ننھے حضور ﷺ کی کھلائی کی خدمت انجام دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ننھے حضور کو حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا جو آپ کو اپنے گاؤں (قبیلہ) میں لے گئیں۔ کوئی پانچ برس کے بعد انھوں نے یہ مقدس امانت حضرت آمنہ کو واپس کر دی۔ تقریباً ایک سال کے بعد حضرت آمنہ، حضرت ام ایمن اور ننھے حضور ﷺ کے ہمراہ یثرب تشریف لے گئیں اور وہاں بنو نجار کی مہمان بنیں جو حضور ﷺ کے دادا کا بھیال تھا۔

بشریبہ میں ان کا قیام ایک مہینہ تک رہا اس دوران میں وہ اپنے شوہر جناب عبداللہ کی قبر پر بھی گئیں۔ (جو ایک تجارتی مقصد کے دوران میں حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے بشریبہ میں فوت ہو گئے تھے) اور حضور ﷺ کو بھی اپنے والد کی قبر دکھائی۔ ایک ماہ کے بعد مکہ معظمہ کو مراجعت کی تو راستے میں بیمار ہو گئیں اور ابواء کے مقام پر فوت ہو گئیں۔ حضرت ام ایمنؓ ننھے حضور ﷺ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچیں اور آپ ﷺ کو دوا اجناس عبدالطلب کے سپرد کر دیا۔ حضرت ام ایمنؓ وراثتہ بطور کنیز حضور ﷺ کے حصے میں آئیں لیکن وہ ایک حقیقی ماں کی طرح آپ کی پرورش اور پرداخت کرتی رہیں۔ آپ ﷺ جوان ہوئے تو ان کو آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ ایک سعادت مند فرزند کی طرح ہمیشہ ان کی عزت کرتے رہے اور ان کو ہمیشہ امی کہہ کر خطاب فرمایا کرتے۔ حضرت ام ایمنؓ کے والد عبید بن زید (جن سے حضرت ام ایمنؓ کا پہلا نکاح ہوا تھا) کے بارے میں ارباب سیر نے وضاحت نہیں کی کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے یا اس سے پہلے کہ اسلام کی دعوت ان تک پہنچے، فوت

ہو گئے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن یہ روایت مشکوک ہے کیونکہ اس کا ماخذ معلوم نہیں ہے۔

عبید کی وفات کے بعد حضرت ام ایمنؓ مکہ واپس آئیں تو حضور ﷺ نے ان کا نکاح اپنے محبوب صحابی اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا۔ ان کی صلب سے حبّ النبیؐ حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ یوں حضرت زید بن حارثہ حضرت ام ایمنؓ کے سوتیلے باپ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ان کے اخیافی بھائی تھے۔ حضرت ام ایمنؓ رضی اللہ عنہا بعثت نبویؐ کے اوائل ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ ان کے فرزند ام ایمنؓ نے ماں کی پیروی کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت ام ایمنؓ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے ایما پر

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں اور وہاں سے غزوہ اُحد (۳ ہجری) سے پہلے مدینہ واپس آئیں۔ غزوہ اُحد کے موقع پر وہ ان خواتین میں شریک ہو گئیں جو میدانِ رزم میں مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ اُحد کے بعد وہ غزوہ خیبر (محرم ۷ھ) میں شریک ہوئیں اور یہی خدمت انجام دی۔ رسولِ اکرم ﷺ اکثر حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی اور مدد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امّ ایمنؓ کے زمانہ وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی رحلت کے پانچ چھ ماہ بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت (۲۳ ہجری تا ۳۵ ہجری) کے دوران میں کسی وقت فوت ہوئیں۔ بیشتر سیرت نگاروں نے اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

رسولِ پاک ﷺ کے خادمانِ خاص میں شمولیت

حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا نے اپنے فرزند حضرت امینؓ کو رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ تمام اربابِ سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امین رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کی مطہرہ برداری کی خدمت انجام دیا کرتے تھے یعنی وہ طہارت کے لیے پانی وغیرہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے۔ اربابِ سیر نے عہدِ رسالت کے صرف ایک غزوے میں حضرت امینؓ کی شرکت کا ذکر تخصیص کے ساتھ کیا ہے۔ یہ غزوہ حنین (۸ ہجری) ہے۔

اس غزوے میں وہ سب صحابہ شریک تھے جو مدینہ منورہ سے رسولِ اکرم ﷺ کی ہم رکابی میں مکہ آئے تھے اور غزوہ فتح (یعنی فتح مکہ) میں حصہ لیا تھا اس لیے حضرت امین

۱۔ حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا کے مفصل حالات زندگی، راقم الحروف کی تالیف ”تذکار صحابیات“ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (طالب العلم اشقی)

رضی اللہ عنہ یقیناً غزوة فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

غزوة حنین میں شرکت اور شہادت

فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے چند دن بعد غزوة حنین پیش آیا۔ قرآن حکیم میں اس کا

ذکر اس طرح آیا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ
 أَعَجَبْتَكُمْ كَثَرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ
 الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ
 سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ
 نَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ: اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور غزوة حنین کے دن جب تم کو
 اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا تو کوئی چیز تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم
 پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنوں
 پر نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور ان لوگوں کو جو منکر حق تھے،
 سزا دی اور منکرین حق کی یہی سزا ہے۔

غزوة حنین کے مختصر حالات یہ ہیں۔

رمضان المبارک ۸ ہجری میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا تو سارے عرب پر مسلمانوں
 کی دھاک بیٹھ گئی اور ہر طرف سے لوگ کفر کے پھندے سے نکل کر دین حق کی طرف
 رجوع کرنے لگے مگر عرب کے ایک طاقتور جنگجو قبیلے ”بنو ہوازن“ نے مکہ پر اہل حق کے
 استیلا کو بوجہ ٹھنڈے پیڑوں برداشت نہ کیا اور بعض دوسرے قبیلوں ثقیف، جشم، ہلال اور
 نضر وغیرہ کو اپنے ساتھ ملائے مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور کئی ہزار جنگجوؤں پر مشتمل
 ان لوگوں کا لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا اس لشکر کا مقصد وحید مکہ کو

مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا اور ان کو بہت شکنی کی سزا اور عمل تھا۔

رسول اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی سرگرمیوں اور ارادے کا علم ہوا تو آپ ﷺ بھی

بارہ ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج

میں حضرت ایمن رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ آپ کے اور صحابہ کے

درمیان ایک میدان میں (جو حنین کے نام سے مشہور ہے) دونوں لشکر ایک دوسرے کے

مقابل ہوئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد کے مقابلے میں دشمن کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ اپنی

کثرت تعداد کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا

ہے یا یہ کہ ہم اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ نازش

پسند نہ آئی اور اس نے ان کو بتا دیا کہ کثرت تعداد کا غرہ کام نہیں آسکتا۔ اور دشمن تعداد

میں تو کم تھے لیکن غضب کے تیر انداز تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بنو ہوازن کے

لوگ تیر اندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے انہوں نے پہلے ہی میدان جنگ میں پہنچ کر

موزوں مقامات پر کمین گاہیں اور مورچے قائم کر لیے تھے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔

اسلامی لشکر نے جو ٹہنی نشیب میں اتر کر دشمن کی جانب بڑھنا شروع کیا، اس پر مختلف

اطراف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے ماہر تیر اندازوں کے

اس غیر متوقع بھرپور حملے سے مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی۔ بھگدڑ اور انتشار کے اس

عالم میں صرف رسول اکرم ﷺ مٹھی بھر جانباڑ صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں کوہ

استقامت بن کر کھڑے رہے۔ اس نازک موقع پر ثابت قدم رہنے والے صحابہ کی تعداد

کے بارے میں اہل سیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی تعداد چار بعض نے آٹھ بعض

نے بارہ اور بعض نے سو لکھی ہے۔ جمہور نے آٹھ اور بارہ پر اتفاق کیا ہے۔ بعض ارباب سیر

نے ان صحابہ میں سے بارہ بہادروں کے نام تخصیص کے ساتھ لیے ہیں جو شروع سے لے

کر اخیر تک حضور ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں قدم جما کر کھڑے رہے ان ثابت قدم

صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

ابو بکر صدیقؓ

- ۱- حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب
 - ۲- حضرت ابوبکر صدیقؓ
 - ۳- حضرت عمر فاروقؓ
 - ۴- حضرت علی مرتضیٰؓ
 - ۵- حضرت فضلؓ بن عباس
 - ۶- حضرت ابوسفیان مغیرہؓ بن حارث بن عبدالمطلب
 - ۷- حضرت عبد اللہؓ بن مسعود
 - ۸- حضرت قثمؓ بن عباس
 - ۹- حضرت اسامہؓ بن زید
 - ۱۰- حضرت امینؓ بن عبید
 - ۱۱- حضرت ربیعہؓ بن حارث
 - ۱۲- حضرت جعفرؓ بن ابی سفیان مغیرہ
- حضور ﷺ اس وقت خچر پر سوار تھے۔ حضرت ابوسفیان مغیرہؓ بن حارث نے زین کا پھیلا حصہ پکڑ رکھا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ حضور ﷺ باواز بلند یہ جرز پڑھ رہے تھے۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ

(میں نبی ہوں اس میں قطعاً جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں) اس نازک موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اصحابِ سمرہ (بیعتِ رضوان کرنے والوں) کو پکاریے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز خاصی بلند تھی۔ انھوں نے

بآواز بلند پکارا:

اے اصحابِ سمرہ، اے گروہ انصار کہاں ہو؟

حضور ﷺ خود بھی بلند آواز سے پکار رہے تھے۔

”اے مہاجرین، اے انصار کی جماعت ادھر آؤ“ آنحضور ﷺ اور

حضرت عباسؓ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دائیں بائیں ہر طرف سے لوگ

اس طرح میدانِ جنگ کی طرف پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف

آتی ہے پھر سب نے سر بکف ہو کر دشمن پر اس زور کا حملہ کیا کہ اس کو خاک

چاٹنے پر مجبور کر دیا اور وہ ستر لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اسلامی لشکر میں سے صرف چار مجاہدین نے جامِ شہادت پیا۔ ان میں حضرت

ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے وہ افراتفری کے وقت بھی میدانِ جنگ میں ثابت

قدم رہے اور پھر سر ہتھیلی پر رکھ کر آخری دم تک دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک کہ

اللہ تعالیٰ نے رتبہ شہادت پر فائز کر دیا حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے سعادت مند

فرزند کی شہادت پر بڑے مہر و نسیب سے کام لیا اور حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے اکلوتے فرزند

حجاج کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ حجاج بڑے ہو کر فضلاءِ مدینہ میں شمار ہوئے۔

حضرت ایمن رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک

ڈھال سے کم قیمت کی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا۔ (اُسُد الغابہ)



حضرت اسلم

بن

شريك تميمى رضی اللہ عنہ

حدیث نبوی ﷺ

حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: - ”خرابی اور نامرادی ہے اس شخص کے لیے جو چھوٹی باتیں اس لیے کہتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے، خرابی ہے اس کے لیے خرابی ہے اس کے لیے۔“ (ترمذی)

”اے اسلع! کیا سبب ہے کہ کجاوہ باندھنے کے تمہارے انداز کو میں بدلا ہوا پیا رہا ہوں۔“

میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میں نے کجاوہ نہیں باندھا تھا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں؟

میں نے عرض کیا: اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے

میں جان کا خوف تھا، اس لیے کسی اور کو کجاوہ باندھنے کے لیے کہہ دیا تھا۔“

اسلع کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا

وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ

وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ

مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ

لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ط۔ (المائدہ: ۶، درمنثور و طبرانی)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ

کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔ اگر جنابت

کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں

کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہ ملے تو

پاک مٹی سے کام لو، بس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سردی کے موسم میں اس وقت پیش آیا جب

رسول اکرم ﷺ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ حالتِ سفر میں تھے۔

علامہ ابن اثیر نے ”أسد الغابہ“ میں حضرت اسلع بن شریک کا بیان قدرے مختلف انداز میں نقل کیا ہے۔ اس میں حضرت اسلع سے یہ روایت منسوب ہے کہ ”ایک مرتبہ سردی کے زمانے میں رات کو مجھے احتلام ہوا اور مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ اگر میں ٹھنڈے پانی سے نہاؤں گا تو مرجاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا اور مجھے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ میں جنابت کی حالت میں حضور ﷺ کی سواری پر کجاوہ کسوں لہذا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے احتلام ہو گیا ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: اے اسلع تیمم کر لو۔

میں نے عرض کیا کہ کس طرح تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ہاتھ دو مرتبہ زمین پر مار ایک مرتبہ منہ کا مسح کرنے کے لیے اور ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنے کے لیے۔“ (أسد الغابہ جلد اول)

حضرت اسلع بن شریک کے مزید حالات کسی سیرت نگار نے بیان نہیں کیے۔

اوپر کی روایات سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تیمم کا حکم پہلی مرتبہ سورۃ المائدہ کی آیت ۶ میں نازل ہوا۔ بعض راویوں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے لیکن بیشتر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ تیمم کا حکم اس سے پہلے سورۃ النساء کی آیت ۴۳ میں نازل ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اکثر روایتوں کے مطابق سورۃ المائدہ ۶ ہجری کے اواخر یا ۵ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی جبکہ سورۃ النساء کے مختلف اجزاء (یا خطبے) ۳ ہجری کے اواخر سے لے کر ۴ ہجری کے اواخر یا ۵ ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے۔ اس سورہ کی آیت ۴۳ میں تیمم کا حکم ان الفاظ میں نازل ہوا:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا

طَيِّبًا فَاْمَسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ط اِنَّ الْبَلَدَ كَانَ مَغْفُوْرًا اِر اہ

سے غفوراً ہے اور آپ نے اس سے قبل کہ آپ نے اللہ کی تعریف کی ہے اور اللہ

نے اسے توجہ فرمائی اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم یہاں سے ہوا یا تم میں سے کوئی شخص زنج
حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لے کر کیا ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے کھڑے
اور اس لئے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لو اور اللہ تعالیٰ نے اسے کام لینے والا اور
بخشنے والا بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے
صحیحین کے مطابق آیت تیمم کا نزول

صحیحین میں آیت تیمم کے نزول کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے

ابن اُمّ البنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ایک سفر میں
ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ جب ہم مقام بیداء یا ذلت الحیش پر پہنچے تو وہاں میرا
(گلے کا ہار) ٹوٹ کر (ا کہیں) گر گیا۔ اس کو تلاش کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اس
جگہ قیام فرمایا اور آپ ﷺ کے ساتھ جو لوگ آئے وہ بھی وہیں ٹھہر گئے۔ اس مقام پر پانی
کا کوئی آئینہ نہ تھا تو کچھ لوگوں نے میرے والد ماجد (حضرت ابوبکر صدیق) کے
پاس جا کر شکایت کی کہ وہ دیکھیں (آپ کی بیٹی) عائشہ نے کیا کیا ہے۔ انھوں نے (ہمارے
لکڑے کے رسول اللہ ﷺ کو یہاں قیام کرنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ یہاں پانی ہے
اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت
رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کو قیام گئی تھی اور
پس میرے والد نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے
تمام ساتھیوں کے یہاں رہنے کا بنا عفت بن گئی ہو اور حالت یہ ہے کہ نہ یہاں کہیں پانی
ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ پھر والد نے مجھے قریب دو گنا لدا جو اللہ کو
منظور تھا اس وقت انھوں نے مجھے وہ قرب کہا اور حضرت میرے پہلو میں لگی گھسی دے

لیکن رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہ ہلی۔ (کہ مبادا میرے ہلنے سے رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑے) پس رسول اللہ ﷺ نے صبح ایسی حالت میں اور ایسے مقام پر کی جہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی پس سب لوگوں نے (نماز کے لیے) تیمم کیا۔

تو اُسید بن حُضَیر (اشہلی انصاری) نے جو انصار کے ان نقیبوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی، (جوشِ مَسْرَت میں) کہا، اے آلِ ابی بکر یہ (تیمم کا حکم) تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے واسطے سے اُمت کو کئی برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب میری سواری کے اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہمارا اس کے نیچے پڑا ہوا مل گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب التیمم)

مُسَدِّاحِد بن حَنْبَل کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آیتِ تیمم کے نزول پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بے حد مَسْرَت ہوئی اور انہوں نے اب فخر کے ساتھ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو مخاطب کر کے فرمایا:

”جانِ پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے۔ تیرے ذریعے سے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔“

اُمُّ الْمُؤْمِنِین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ واقعہ کس سال اور کون سے سفر میں پیش آیا نیز یہ کہ آیت تیمم سے مراد سورہ نساء کی آیت ۴۳ ہے یا المائدہ کی آیت ۶۔

مفسرین نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق رائے ظاہر کی ہے۔



خونیں تحریکیں

مصنف: اظہر امرتسری

اس کتاب کا اشلوب نہایت دلچسپ ہے اور واقعات کو اس طرح مربوط کیا گیا ہے کہ ان کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتی ہے۔ فاضل مصنف نے مواد کی فراہمی میں بے حد تحقیق سے کام لیا ہے۔ تاریخ اور اسلامی تحریکات کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والے اصحاب اس کتاب کو حقیقی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

طاہر اپیلی کیشنز

ملنے کا پتا

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
Ph:042-6120422 Mob:0333-4470509

سیرت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مصنف: طالب الہاشمی

رحمت عالم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسمان ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں جنہیں دیکھ کر سفینہ امت کے لیے منزل مقصود کا رخ متعین ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ان کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کے سب سے زیادہ ارشادات امت تک پہنچائے۔ یہ کتاب ہر علمی اور دینی لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔

طاہر اپیلی کیشنز

ملنے کا پتا

19- ملک جلال دین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
Ph:042-6120422 Mob:0333-4470509

حضرت انس

بن

مالك رضي الله عنه

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر لمبی ہو) تو وہ (اہلِ قرابت) یعنی رشتہ داروں کے ساتھ صلہِ رحمی کرے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

خادم رسول اللہ ﷺ

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کو اساطین امت سمجھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت انس کے مقام و مرتبہ کا کسی قدر اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کا لقب ”خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ تھا جس پر لوگ رشک کیا کرتے تھے۔ حضرت انس کو دس سال کی عمر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بننے کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر وہ مسلسل دس سال (آقا ﷺ کی وفات) تک سفر و حضر اور خلوت و جلوت ہر حال میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہایت استقلال اور تن دہی سے کرتے رہے۔ آقا ﷺ سے ان کی محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ کم عمر ہونے کے باوجود بدر اور احد کے غزوات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے۔ اسی جوش محبت و عقیدت یا جاں نثاری کی بدولت ان کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قابل رشک اختصاص و قرب حاصل ہو گیا تھا۔

مزید برآں ان کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ مسلسل دس سال تک سرچشمہ علم و ہدایت سے براہ راست فیض یاب ہوتے رہے اور یوں علم کا ایسا بحر زخار بن گئے جس سے ہزاروں بندگانِ خدا نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ان سب باتوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نام و نسب

نام انس بن مالک تھا۔ کنیت ابو حمزہ تھی جو رسول اکرم ﷺ نے تجویز فرمائی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ حمزہ ایک خاص قسم کی سبزی تھی جو حضرت انسؓ چنا کرتے تھے۔ اسی کی مناسبت سے حضور ﷺ نے ان کی کنیت ابو حمزہ پسند فرمائی۔ حضرت انسؓ کا لقب خادم رسول اللہ ﷺ تھا۔ حضرت انسؓ کا تعلق مدینہ کے قبیلہ خزرج کے معزز ترین خاندان بنو نجار سے تھا۔ نسب نامہ یہ تھا: انس بن مالک بن نصر بن مضمض بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج

والدہ جو اپنی کنیت ام سلیم سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ہجرت نبوی ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا تو ان کے شوہر مالک (حضرت انسؓ کے والد) ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ (یا کسی نے قتل کر ڈالا) اس کے بعد ام سلیمؓ کا نکاح حضرت ابو طلحہؓ سے ہو گیا۔ حضرت ام سلیمؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ یہی وہ عظیم خاتون تھیں جن کی آغوشِ محبت میں حضرت انسؓ نے پرورش پائی اور جنہوں نے اپنے لختِ جگر کو رحمتِ عالم ﷺ کا خادم بنایا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سوانح حیات یہاں بیان کر دیے جائیں۔

حضرت انسؓ کی والدہ

حضرت ام سلیمؓ

حضرت ام سلیمؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام رملہ یا سہلہ اور بعض کے نزدیک رمیشہ تھا، غمیصا اور رمیصاء لقب اور ام سلیمؓ کنیت تھی۔ بعض اہل سیر نے ان کی ایک اور کنیت ”ام انس“ بھی لکھی ہے لیکن اس کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت ام سلیمؓ قبیلہ خزرج کی نہایت معزز شاخ عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے:

اُمّ سلیم بنت ملحان بن خالد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔
ماں کا نام ملیکہ (بنت مالک بن عدی) تھا۔ وہ بھی بنو نجار سے تھیں۔

اکثر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت اُمّ سلیم رسول اکرم ﷺ کی خالہ مشہور تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اُمّ سلیم کو اس لیے حضور ﷺ کی خالہ کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ کی پردادی سلمی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا اور حضرت اُمّ سلیم سلمی کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اسی نسبت سے وہ اور ان کی بہن اُمّ حرام حضور ﷺ کی خالہ مشہور ہو گئی تھیں۔ اگرچہ یہ رشتہ دور کا تھا لیکن سرورِ عالم ﷺ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت تھی اور آپ ﷺ وقتاً فوقتاً حضرت اُمّ سلیم کے گھر کو اپنے قدمِ مہینت لزوم سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اُمّ سلیم کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں جب چند سعید الفطرت یثربی حضور ﷺ کی بیعت سے سعادت اندوز ہو کر مدینہ واپس گئے اور وہاں جا کر اسلام کا چرچا کیا تو حضرت اُمّ سلیم نے دین حق قبول کرنے میں ایک لمحے کا توقف بھی نہ کیا، چنانچہ ان کا شمار انصار کے سابقوں الاولون میں ہوتا ہے۔ حضرت اُمّ سلیم کی پہلی شادی اپنے ابن عم مالک بن نضر (بن مضمم بن زید) سے ہوئی۔ حضرت انس بن مالک جن کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے، انہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت اُمّ سلیم نے جب اسلام قبول کیا، حضرت انس کا دورِ طفلی تھا۔ ماں نے بیٹے کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہا، وہ انہیں کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائرِ اسلامی سکھاتی تھیں۔ ان کے خاوند مالک بن نضر بد قسمتی سے نہ صرف اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے بلکہ حضرت اُمّ سلیم کے قبولِ اسلام پر بھی بہت خفا ہوئے اور انہیں اپنے فرزند انس کو کلمہ پڑھانے سے منع کیا لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو کسی ترغیب و تخویف سے اتر جاتا۔ حضرت اُمّ سلیم نہایت

سختی سے اسلام پر قائم رہیں اور ننھے انس کو بھی اسی رنگ میں رنگتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میاں بیوی میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔ مالک بن نضر ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ (ایک روایت کے مطابق کسی دشمن نے انہیں قتل کر ڈالا) یہ بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ نبوت) سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت امّ سلیمؓ اب بیوہ تھیں اور ان کا لاڈلا بچہ یتیم۔ کچھ مدت بعد ہر طرف سے نکاح کے پیغام آنے لگے لیکن انہوں نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ جب تک میرا بچہ مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے، میں کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

جب حضرت انسؓ نے ذرا ہوش سنبھالا تو ان کے قبیلے کے ایک شخص ابو طلحہ زید بن سہل نے حضرت امّ سلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

ابو طلحہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے اور لکڑی کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت امّ سلیمؓ نے پہلے شوہر سے اس کے شرک کی وجہ سے علیحدگی گوارا کی تھی، اب انہیں یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک دوسرے مشرک سے نکاح کر لیں، صاف انکار کر دیا اور کہا:

”میں تو خدائے واحد اور اس کے رسول پر ایمان لائی ہوں، افسوس ہے تم پر کہ

جس خدا کو پوجتے ہو، وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت ہے) جو زمین

سے اُگا ہے اور اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔ میں خدائے واحد کی

پرستار اور تم خود ساختہ بتوں کے بیجاری جو کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتے بھلا

میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ باتیں کچھ ایسے دل نشین انداز میں کہی گئیں کہ ابو طلحہ کے دل میں اتر گئیں، کچھ دن

غور کرتے رہے اور پھر حضرت امّ سلیمؓ کے پاس آ کر کہا:

”مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے اور اب میں تمہارا دین قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

حضرت ابو طلحہؓ کی مالی حیثیت اس وقت بہت معمولی تھی، لیکن اُمّ سلیمؓ کو ان کے اسلام قبول کر لینے سے اتنی خوشی ہوئی کہ بے ساختہ کہا:

”فانی اتزوجك ولا اخذ منك صداقا غیرہ“

”پھر میں تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے کوئی مہر نہیں لیتی۔“

اس کے بعد اپنے بیٹے انسؓ سے فرمایا: ”اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔“

حضرت انسؓ نے اپنی والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہؓ سے پڑھا دیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے

کہ میری والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہؓ سے عجیب و غریب مہر پر ہوا۔ یہ روایت ابن سعد

کاتب الواقدی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ”اصابہ“ میں اسے اسی طرح نقل کیا ہے،

لیکن بہت سی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ کے قبول اسلام کے وقت

حضرت انسؓ کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی، ایک نابالغ بچے کا نکاح پڑھانا کچھ عجیب سی

بات معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے نکاح کسی دوسرے صاحب نے پڑھایا ہو اور حضرت

انسؓ مجلس نکاح میں موجود ہوں۔ (واللہ اعلم) حضرت ثابتؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی

عورت کا مہر اُمّ سلیمؓ سے افضل نہیں سنا۔

قبول اسلام کے بعد ابو طلحہؓ اپنے جوش ایمان حبّ رسول ﷺ اور جذبہ ایثار کی

بدولت بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔ نعمت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے چند ماہ

بعد حضرت ابو طلحہؓ کو انصار کے ان کچھتر مردانِ حق میں شامل ہونے کی سعادت نصیب

ہوئی جو ۱۳ نبوت میں مکہ جا کر رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ

کی بیعت سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ کو اس عہد کے ساتھ مدینہ تشریف لانے کی

دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ رحمتِ عالم ﷺ کی اعانت

کریں گے۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعتِ لیلۃ العقبہ، بیعتِ عقبہ ثانیہ اور بیعتِ عقبہ کبیرہ کے

نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت

اُمّ سلیمؓ، ان کے شوہر اور فرزند کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ حضور ﷺ کا ورودِ مدینہ ان کے لیے یومِ عید تھا۔ ہجرت کے ابتدائی ایام ہی میں حضرت اُمّ سلیمؓ نے اپنے لختِ جگر حضرت انسؓ کو سید المرسلینؐ کی خدمت میں دینے کا شرف حاصل کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اُمّ سلیمؓ کے ایما پر حضرت ابو طلحہؓ، حضرت انسؓ کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔

ہجرت کے چند ماہ بعد رحمتِ عالم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ (عقد مواخاة) قائم کرایا، تو حضرت اُمّ سلیمؓ کے مکان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں سید البشر ﷺ اور تمام مہاجرین و انصار اس مقصدِ عظیم کے لیے جمع ہوئے۔

۳ ہجری میں حضرت اُمّ سلیمؓ اپنے شوہر حضرت ابو طلحہؓ کے ہمراہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ جنگِ احد میں شریک ہوئیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت ابو طلحہؓ ان چند صحابہ کرام میں سے تھے جو اخیر تک رحمتِ عالم ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ اس موقع پر حضرت اُمّ سلیمؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمراہ میدانِ جنگ میں مشک بھر بھر کر پانی لاتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔

اواخر ۶ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت اُمّ سلیمؓ چند دوسری صحابیات کے ساتھ لشکرِ اسلام کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو۔ انھوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم اُن کا تے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں حاجت مندوں کی اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے علاج کا سامان ہے، ہم لوگوں کو تیرا ٹھاٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔“

حضور ﷺ نے ان کا جواب سن کر انہیں میدانِ جنگ میں موجود رہنے کی اجازت دے دی۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور حضرت صفیہ بنتِ حنیّٰ نے رسولِ کریم ﷺ کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے انہیں حضرت امّ سلیمؓ کے سپرد کیا کہ نہ ہلا دھلا کر انہیں دلہن بنائیں، کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہؓ کو بہت خستہ حال کر دیا تھا۔ حضرت امّ سلیمؓ نے بڑے ذوق و شوق سے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

۸ ہجری میں فتح مکہ کے چند دن بعد حنین کی خونیں لڑائی پیش آئی۔ حضرت امّ سلیمؓ اپنے شوہر حضرت ابوطحہؓ کے ساتھ اس معرکے میں والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئیں۔ لڑائی کی ابتدا میں بنو ہوازن کے ماہر قدر اندازوں نے مسلمانوں پر اپنی کمین گاہوں سے ایسی شدت سے تیر برسائے کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس وقت رحمتِ عالم ﷺ گنتی کے چند جاں نثاروں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں کوہِ استقلال بن کر کھڑے تھے اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(میں نبی ہوں اس میں مطلق جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں)

جس جس مسلمان کے کان میں یہ آواز پڑی، وہ پلٹ پڑا اور پھر جب حضور ﷺ کا

اشارہ پا کر حضرت عباسؓ نے باواز بلند مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا:

”اے جماعتِ انصار! اے اصحابِ شجرہ!“ تو سب نئے جوش اور ولولے کے ساتھ

حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور کفار پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ خاکِ نامرادی چاٹنے پر

مجبور ہو گئے۔ جس وقت گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، حضرت ابوطحہؓ نہایت پامردی کے ساتھ

حضور ﷺ کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے اور حضرت امّ سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لیے شمعِ نبوت پر

قربان ہونے کے لیے کھڑی تھیں۔ لڑائی کا زور کم ہوا تو حضرت ابوطحہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ

اُمّ سلیمؓ خنجر ہاتھ میں لیے کھڑی ہیں۔

حضور ﷺ نے اُمّ سلیمؓ سے پوچھا: ”خنجر کیا کرو گی؟“

انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کوئی مشرک قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔“

حضور ﷺ یہ سن کر متبسم ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت اُمّ سلیمؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مکہ کے جو لوگ آج میدان جنگ سے بھاگے ہیں انہیں قتل کر دیں۔“

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔“
صحیح مسلم میں ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں

ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔“

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد، خیبر اور حنین کے علاوہ حضرت اُمّ سلیمؓ نے کئی دوسرے غزوات میں بھی حصہ لیا ہوگا۔

حضرت اُمّ سلیمؓ کو رحمتِ عالم ﷺ سے انتہا درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔

حضور ﷺ بھی ان کی بے حد در منزلت فرماتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق

ازواجِ مطہرات کے علاوہ عورتوں میں صرف حضرت اُمّ سلیمؓ اور ان کی بہن اُمّ حرامؓ کو

یہ شرف حاصل ہوا کہ فخرِ موجودات ﷺ وقتاً فوقتاً ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور

دوپہر کو وہاں آرام فرماتے تھے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُمّ سلیمؓ پر رحم آتا

ہے کہ اس کے بھائی حرامؓ بن ملحان نے میری حمایت میں شہادت پائی ہے۔ (حضرت

حرامؓ بن ملحان سب سے بڑے معونہ میں شہید ہوئے تھے)۔ حضور ﷺ سے حضرت اُمّ سلیمؓ کی

عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ جب ان کے گھر میں استراحت فرماتے۔ وہ آپ ﷺ

کاپینہ مبارک اور گرے ہوئے موئے مبارک ایک شیشی میں تبرک کے طور پر جمع کر لیتی تھیں۔ اگر کبھی حضور ﷺ کو امّ سلیم کے گھر نماز کا وقت آ جاتا تو آپ وہیں چٹائی پر نماز ادا کر لیتے۔ ایک بار سرورِ عالم ﷺ نے حضرت امّ سلیم کے مشکیزے سے اپنا دہن مبارک لگا کر پانی پیا۔ وہ اٹھیں اور مشکیزے کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ رحمتِ دو عالم ﷺ کے مبارک ہونٹ اس سے مس ہوئے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حج سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ میں اپنے موئے مبارک ترشوائے تو حضرت امّ سلیم نے اپنے شوہر ابو طلحہ سے کہا کہ حجّام سے ان بالوں کو مانگ لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت امّ سلیم نے موئے مبارک ایک شیشی میں خیر و برکت کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لیے۔

ابن سعد نے اسی ضمن میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ حضرت امّ سلیم پر کس قدر شفقت فرماتے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ حج کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو امّ سلیم سے فرمایا: ”تم حج کے لیے نہ جاؤ گی؟“ انھوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے شوہر کے پاس صرف دو سواریاں تھیں اور ان دونوں پر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ حج کو چلے گئے، میرے پاس اب کوئی سواری نہیں۔“ حضور ﷺ نے انہیں ازواجِ مطہرات کے ساتھ سوار کرادیا اور اپنے ساتھ حج کو لے چلے۔ اثنائے راہ میں آپ کے غلام انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی شروع کر دی جس سے اونٹ دوڑنے لگے۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ”انجشہ! آہستہ آہستہ، اونٹوں پر شیشے ہیں شیشے۔“

حضرت ابو طلحہ کی صلب سے حضرت امّ سلیم کا ایک فرزند تھا جس کا نام ابو عمیر تھا۔ وہ بڑا پیارا بچہ تھا۔ حضور ﷺ امّ سلیم کے گھر تشریف لاتے تو اس سے پیار و محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے تو ننھے ابو عمیر کا چہرہ اترا ہوا پایا۔

آپ ﷺ نے ام سلمہؓ سے پوچھا: ”کیا بات ہے آج ابوعمیر کچھ سُست ہے۔“ انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ابوعمیر کی چڑیا (غیر) جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا، آج مر گئی ہے، اسی لیے وہ غمگین ہے۔“

حضور نے ابوعمیر کو اپنے پاس بلایا اور دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا:

يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ التُّغَيْرُ

”اے ابوعمیر! تیری غیر نے کیا کیا؟“

ابوعمیرؓ جواب میں ہنس دیا اور پھر کھیل کود میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت سے حضور کا یہ جملہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

کچھ عرصہ بعد ابوعمیرؓ نے کمسنی ہی میں وفات پائی۔ ابوطلحہؓ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے اپنے لاڈلے بچے کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنایا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کر دیا کہ ابوطلحہؓ کے آتے ہی ابوعمیرؓ کی موت کی المناک خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابوطلحہؓ گھر آئے، ام سلمہؓ نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر کہا:

”اگر تم کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھڑوا پس لے لی جائے تو کیا اس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گزرے گا؟“

حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا: ”ہرگز نہیں۔“

بولیں: ”تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لیا۔ تمہیں اب اس کی

طرف سے صبر کرنا چاہیے۔“

ابو طلحہؓ نے اَنَا لِلّٰهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور ان سے کہا: ”تم نے پہلے کیوں نہ بتایا؟
بولیں: ”تا کہ تم اطمینان سے کھانا وغیرہ کھا لو۔“

صبح اٹھ کر ابو طلحہؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔
حضور ﷺ نے اُمّ سلیمؓ کے شیوہ صبر و رضا پر ان کی تحسین فرمائی اور دعا کی: ”اللہ تعالیٰ
تمہیں اور اُمّ سلیمؓ کو ابو عمیر کا نعم البدل عطا فرمائے۔“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابو طلحہؓ اور
اُمّ سلیمؓ کو ایک اور فرزند عطا کیا جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ ان کی تربیت حضور ﷺ ہی کے
زیر سایہ ہوئی اور انہیں سے حضرت ابو طلحہؓ کی نسل چلی۔

ایک مرتبہ رحمتِ عالم ﷺ حضرت اُمّ سلیمؓ کے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے
حضور ﷺ کی خدمت میں کھجوریں اور مکھن پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں روزے
سے ہوں۔“ کچھ دیر بعد حضور ﷺ نے نماز نفل پڑھی اور اُمّ سلیمؓ کے گھرانے کے لیے دعا
مانگی۔ حضرت اُمّ سلیمؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مجھے اپنے فرزند انسؓ سے جو حضورؐ کا
خدمت گزار ہے، بہت محبت ہے، اس کے لیے خاص طور پر دعا کیجیے۔“

رحمتِ نبوی ﷺ جوش پر تھی۔ آپ ﷺ نے دستِ دعا اٹھائے اور حضرت انسؓ
کے حق میں یوں دعا مانگی۔ ”اے اللہ اس کو مال دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما۔“
اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ حضرت انسؓ تمام انصار میں سب سے زیادہ متمول ہو گئے،
طویل عمر پائی اور کثیر الاولاد ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہؓ گھر تشریف لائے اور حضرت اُمّ سلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔ انہوں نے چند روٹیاں اپنے فرزند انسؓ کو دیں اور کہا کہ اسی
وقت جا کر حضور ﷺ کو کھانا کھلاؤ۔ جب حضرت انسؓ مسجد میں پہنچے تو وہاں حضور ﷺ
کے گرد بہت سے صحابہؓ کا مجمع تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت انسؓ سے پوچھا ”ابو طلحہؓ نے تمہیں
بھیجا ہے؟“ عرض کی۔ ”بے شک یا رسول اللہ! پھر پوچھا ”کھانے کے لیے؟“ انہوں نے

کہا: ”جی ہاں“

حضور ﷺ سب صحابہ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت امّ سلیم کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو طلحہ کو فکر ہوئی کہ اتنے آدمیوں کے لیے کھانا کافی نہ ہوگا۔ حضرت امّ سلیم سے کہا: ”اب کیا تدبیر کی جائے کہ یہ سارے اصحاب کھانا کھا سکیں۔“ انھوں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ”یہ بات اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بہتر سمجھتے ہیں۔“ پھر جو تھوڑا بہت کھانا موجود تھا، انھوں نے رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ۵ ہجری میں رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو حضرت امّ سلیم نے ایک بڑے برتن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس حقیر ہدیے کو قبول فرمائیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص بحال پریشان سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے طعام کا سوال کیا۔ حضور ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے پوچھ بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے۔ سب طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضور ﷺ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو اپنا مہمان بنائے۔“ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابو طلحہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ! اس کو میں اپنا مہمان بناؤں گا۔“ یہ کہہ کر فوراً گھر آئے اور حضرت امّ سلیم سے پوچھا: ”کھانے کے لیے کچھ ہے؟“ انھوں نے کہا: ”بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے، اس کے سوا خدا کی قسم گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔“ حضرت ابو طلحہ نے کہا: ”کوئی مضائقہ نہیں، بچوں کو بہلا کر سلا دو..... وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اسے بچھا دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھالے گا

اور ہم بھی یونہی منہ چلاتے رہیں گے۔“ غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچوں نے رات فاتے سے گزار دی۔ صبح کو حضرت ابو طلحہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبان رسالت پر یہ آیت جاری تھی:

وَيُؤْتِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی ہو۔)

پھر آپ ﷺ نے ابو طلحہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”رات کو مہمان کے ساتھ تم لوگوں کا

برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔“

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت انسؓ کو کسی خاص کام کے لیے کہیں بھیجا اور خود ایک دیوار کے سایے میں انتظار فرماتے رہے۔ حضرت انسؓ واپس آئے تو حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت انسؓ کو گھر بھیج دیا چونکہ کام میں مصروفیت کی وجہ سے انہیں بہت دیر ہو گئی تھی، امّ سلیمؓ نے پوچھا، آج اتنی دیر کیوں لگائی۔ انہوں نے کہا: ”حضور ﷺ کے ایک کام کے لیے گیا تھا۔“ انہوں نے پوچھا: ”کیا کام تھا؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ایک پوشیدہ بات تھی۔ حضرت امّ سلیمؓ نے ان کو تاکید کی کہ اس کو کسی سے نہ کہنا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میری ماں (امّ سلیمؓ) کے پاس ایک بکری تھی۔ انہوں نے اس کے گھی کو ایک کپی میں جمع کیا۔ جب وہ کٹی بھر گئی تو اس کو انہوں نے اپنی پرورش کردہ لڑکی کے ہاتھ یہ کہہ کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس سے سالن بنا لیا کریں۔ وہ لڑکی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اہل خانہ سے فرمایا، اس کپی کو خالی کر کے اس کو دے دو۔ چنانچہ وہ کپی خالی کی گئی اور اس لڑکی کو دے دی گئی۔ وہ واپس آئی تو حضرت امّ سلیمؓ گھر میں نہیں تھیں۔ لڑکی نے وہ کپی کھوٹی پر لٹکا دی۔ جب امّ سلیمؓ گھر آئیں تو کٹی کو بھرا ہوا دیکھا، اس میں سے گھی ٹپک رہا تھا۔ انہوں

نے لڑکی سے کہا: ”بیٹی کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اسے حضور ﷺ کے پاس لے جا۔“ اس نے کہا، میں لے گئی تھی اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود جا کر حضور ﷺ سے پوچھ لیں۔ حضرت امّ سلیمؓ کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس کے ہاتھ آپ کے پاس ایک کچی بھیجی تھی جس میں گھی تھا۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ آئی تھی اور دے گئی تھی۔“
 حضرت امّ سلیمؓ نے عرض کیا: ”قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ کچی بھری ہوئی ہے اور اس میں سے گھی ٹپک رہا ہے۔“
 حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے امّ سلیمؓ تجھے اس بات پر تعجب کیوں ہے کہ اللہ نے تجھ کو رزق دیا جیسا کہ تو نے اس کے نبی کو کھانے کو دیا ہے کھا اور کھلا۔“

حضرت امّ سلیمؓ کہتی ہیں کہ میں گھر آئی اور اس گھی کو اپنے اعزہ و اقارب میں تقسیم کیا پھر بھی اتنا بچ رہا کہ ہم ایک دو ماہ تک اس سے سالن کا کام لیتے رہے۔
 حضرت امّ سلیمؓ کے سال وفات کے بارے میں ارباب سیر نے تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ انھوں نے صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے پیچھے دو فرزند چھوڑے۔ حضرت انسؓ جو پہلے خاوند مالک سے تھے اور حضرت عبداللہؓ جو حضرت ابوطالبؓ سے تھے۔

حضرت امّ سلیمؓ سے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عمرو بن عاصمؓ نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: ”كانت من عقلاء النساء (وہ عاقل خواتین میں سے تھیں۔)“

حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے، اللہ میری ماں کو جزائے خیر دے، انھوں نے بڑی

خوبی سے میری پرورش اور تربیت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ (تمثیلی پیرایہ میں) فرمایا:

”میں جنت میں گیا تو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ میں نے پوچھا، کون ہے، تو لوگوں

نے کہا، انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔“

گویا رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت امّ سلیمؓ کو خود جنت کی بشارت دی۔

حضرت انسؓ کا قبولِ اسلام

جیسا کہ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا کے حالاتِ زندگی میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کو ہجرتِ نبوی ﷺ سے سال ڈیڑھ سال پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے نو عمر لختِ جگر حضرت انسؓ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ وہ ان کو کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائرِ اسلامی سکھاتی تھیں۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر آٹھ اور نو برس کے درمیان تھی۔ گویا ان کو عہدِ طفلی ہی میں قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہو گئی تھی۔ ان کے والد مالک بن نضر کی بد قسمتی کہ وہ اس سعادت سے محروم رہے لیکن خاندان کے دوسرے بیشتر افراد ان کی والدہ کے ساتھ ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ ان میں حضرت انسؓ کی خالہ حضرت امّ حرام رضی اللہ عنہا، ان کے چچا حضرت انس بن نضرؓ اور ماموں حضرت حرام بن ملحانؓ شامل تھے۔ ان کے سوتیلے والد حضرت ابو طلحہؓ کو نہ صرف قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا بلکہ وہ اپنی حبیبِ رسول ﷺ اور دینی خدمات کی بدولت نہایت جلیل القدر صحابہؓ میں شمار ہوئے۔

جب یشرب مدینۃ النبی ﷺ بنا

۶۲۲ عیسوی میں رسولِ اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر قباء میں رونق افروز ہوئے اور وہاں چند دن قیام فرما کر مسجدِ قباء کی تاسیس فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے

یثرب تشریف لا کر اس قدیم شہر کو مدینۃ النبی ﷺ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ جس دن رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے اس شہر کو مشرف فرمایا، یہ اس شہر کے اہل ایمان (انصار) کا سب سے بڑا یومِ مسرت تھا۔ حضور ﷺ کا پرجوش استقبال کرنے کے لیے شہر کے تمام لوگ ذکور و اناث اُٹھ آئے تھے۔ ان میں حضرت انسؓ کی والدہ اور سوتیلے والد حضرت ابو طلحہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت انسؓ کو صغیر السن تھے لیکن وفورِ مسرت میں شہر کے دوسرے کم سن لڑکوں کے ساتھ مل کر جَاء رسول اللہ، جَاء رسول اللہ (رسول اللہ ﷺ آئے، رسول اللہ ﷺ آئے) کے ترانے گارہے تھے اور نہایت جوش سے سارے شہر میں گشت کر رہے تھے۔ یہ بابرکت دن حضرت انسؓ کو عمر بھر یاد رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس دن سے زیادہ پُر مسرت دن زندگی میں کبھی نہیں دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ اس دن مدینہ منورہ کے درود یوار انوار رسالت سے جگمگاٹھے۔

خیر البشر ﷺ کے خادم خاص بن گئے

مدینہ منورہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ورودِ مسعود کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا خادمِ خاص بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ اس سلسلے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ انہیں ان کی والدہ حضرت امّ سلیمؓ اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور اپنے لختِ جگر کا ہاتھ پکڑ کر یوں عرض پیرا ہوئیں۔

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ میرا فرزند ہے اس کو

آپ کے سپرد کرتی ہوں یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا۔“

حضور ﷺ نے حضرت امّ سلیمؓ کے جذبہٴ اخلاص کی تحسین فرمائی، بچے کے

سر پر دستِ شفقت رکھا، اس کے لیے دعائے خیر و برکت کی اور حضرت امّ سلیمؓ کی خواہش

کے مطابق اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ، حضرت امّ سلیمؓ کے ایماء پر حضرت انسؓ کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”یا رسول اللہ! آپ کے پاس کوئی خادم نہیں ہے یہ میرے ساتھ انسؓ ہے جو بڑا زیرک اور ہوشیار لڑکا ہے، یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا، آپ اس کو اپنا خادم بنا لیجیے۔“

حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور اسی دن سے نو عمر حضرت انسؓ کی زندگی کے اُس دور کا آغاز ہوا جس میں ان کو مسلسل دس برس تک خیر البشر ﷺ کی نہ صرف والہانہ خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ حضور ﷺ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پا کر وہ ایک مثالی مردِ مومن بھی بن گئے اور عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ کی صف میں جگہ پائی۔

رسول کریم ﷺ کی والہانہ خدمت

نو عمر حضرت انسؓ کے لیے رسول کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی مجسمِ شفقت و رحمت تھی اس لیے اپنے شفیق و رحیم آقا ﷺ سے ان کو اس قدر عقیدت اور محبت ہو گئی تھی کہ آپ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے اور ہر وقت آپ کی ہر نوع کی خدمت پر کمر بستہ رہتے تھے۔ آنحضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیا تھا کہ روزانہ فجر کی نماز سے پہلے (منہ اندھیرے) حضور ﷺ کے درِ اقدس پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر تک آپ کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے۔ دوپہر کو اپنے گھر آ جاتے اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ کا شانہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو جاتے اور عصر تک وہیں رہتے۔ نمازِ عصر ادا کر کے گھر واپس آتے۔ بعض اوقات رات گئے تک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

حضرت انسؓ کو اکثر یہ سعادت نصیب ہوئی کہ جب وہ نمازِ فجر سے پہلے حضور ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کے لیے سامان وضو وہی مہیا کرتے۔
ایک دن حضرت انسؓ معمول کے مطابق نماز فجر سے پہلے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

”انس! آج میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں کچھ کھلا دو۔“

حضرت انسؓ فوراً اٹھے اور کچھ کھجوریں اور پانی لے کر حاضر خدمت ہوئے۔
حضور ﷺ نے سحری کھائی اور پھر نماز کے لیے تیار ہوئے۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک دن حضرت انسؓ کا شانہ نبوی کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت انسؓ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں سرور عالم ﷺ ادھر تشریف لائے۔ (ایک اور روایت کے مطابق حضور ﷺ نے انہیں کسی کام کے لیے بھیجا تھا لیکن وہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضور ﷺ ان کی تلاش میں باہر تشریف لائے۔) لڑکوں نے دور سے حضور ﷺ دیکھا تو حضرت انسؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت انسؓ گھبرا کر بھاگنے کے بجائے موڈ بانہ انداز میں وہیں کھڑے رہے۔ حضور ﷺ نے قریب تشریف لا کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کسی کام کے لیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت انسؓ جب تک یہ کام کر کے واپس نہ آئے حضور ﷺ ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ کر ان کا انتظار فرماتے رہے۔ اس خدمت کی بجا آوری میں انہیں کافی دیر ہو گئی تھی۔ گھر پہنچے تو والدہ حضرت ام سلیمؓ نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ کے ایک کام میں مصروفیت کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت ام سلیمؓ نے پوچھا، کیا کام تھا۔ حضرت انسؓ نے جواب دیا، حضور ﷺ نے کسی کو بتلانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ نے فرمایا، بیٹے یہ بات کبھی کسی کو نہ بتانا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے یہ بات تمام عمر اپنے نہاں خانہ دل میں محفوظ رکھی اور کبھی کسی کو نہ بتایا کہ

حضور ﷺ نے انہیں کس کام کے لیے بھیجا تھا۔

حضرت اُمّ سلیمؓ کو اگر حضور ﷺ کی خدمت میں کبھی کوئی چیز پیش کرنی ہوتی تو وہ بسا اوقات حضرت انسؓ ہی کے ہاتھ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہؓ گھر آئے اور حضرت اُمّ سلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فاقہ سے ہیں کچھ کھانا آپ کی خدمت میں بھیج دو۔ انہوں نے چند روٹیاں حضرت انسؓ کو دیں اور کہا کہ اسی وقت جا کر حضور ﷺ کو کھانا کھلاؤ۔ جب حضرت انسؓ مسجد نبویؐ میں پہنچے تو وہاں حضور ﷺ کے گرد بہت سے صحابہؓ کا مجمع تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت انسؓ سے پوچھا، ابو طلحہؓ نے تمہیں بھیجا ہے؟ انہوں نے عرض کیا؟ ”ہاں یا رسول اللہ“ پھر پوچھا: ”کھانے کے لیے“ انہوں نے کہا ”جی ہاں“

حضور ﷺ سب صحابہؓ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت انسؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو طلحہؓ کو فکر ہوئی کہ اتنے آدمیوں کے لیے کھانا کافی نہ ہوگا۔ حضرت اُمّ سلیمؓ سے کہا، ان سب اصحاب کے لیے کھانے کا کیسے انتظام ہوگا۔ انہوں نے اطمینان سے کہا، یہ بات اللہ اور اللہ کا رسول بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر جو تھوڑا بہت کھانا موجود تھا انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔

علامہ بلاذریؒ نے ”انساب الاشراف“ میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ کے والد مالک بن نضر کا شیریں پانی کا ایک کنواں تھا۔ رسول اکرم ﷺ اس کا پانی رغبت سے پیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ اکثر اس کنوئیں کا پانی لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ کی بے پایاں شفقت

جس طرح حضرت انسؓ کو رحمتِ عالم ﷺ سے بے حد محبت تھی اسی طرح حضور ﷺ کو بھی ان سے بے انتہا پیار تھا اور آپ ﷺ کا سحاب لطف و کرم ان پر جھوم

جھوم کر برستار ہوتا تھا۔ حضور ﷺ حضرت انسؓ کو پیار سے بیٹایا انیس کہہ کر بلایا کرتے تھے اور اکثر فرطِ محبت سے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کی تعلیم و تربیت پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے اور نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ ان کے کانوں میں نیکی کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی کبھی (لاڈ پیار سے) حضرت انسؓ سے ہنسی مذاق کی باتیں بھی کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ازراہِ مزاح ان سے فرمایا:

”يَا ذَا الْأُذْنَيْنِ“ یعنی اے دو کانوں والے

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے دس برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارے۔ (اس طویل عرصے میں) آپ ﷺ نہ تو کبھی مجھ پر ناراض ہوئے اور نہ کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی یہاں تک کہ کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا ہے یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ امام بیہقیؒ نے ”شعب الایمان“ میں حضرت انسؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جاتا تو مجھے آپ ﷺ نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی۔ اگر گھر والوں میں سے کسی نے کچھ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: رہنے دو (اسے کچھ نہ کہو) اگر مقدر میں نقصان نہ ہوتا تو نہ ہوتا۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اکثر حضرت انسؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔ کھجوریں یا کھانا جو کچھ موجود ہوتا، تناول فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو آرام فرماتے۔ نماز کا وقت آ جاتا تو وہیں چٹائی پر نماز ادا کر لیتے۔ حضرت انسؓ کی والدہ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا جو دور کے رشتے سے حضور ﷺ کی خالہ تھیں، ان کو حضور ﷺ سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپ ﷺ جب ان کے گھر میں استراحت فرماتے تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور سرِ اقدس سے گرے ہوئے موئے مبارک ایک شیشی میں تبرک کے طور پر جمع کر لیتی تھیں۔ مُسندِ ابی داؤد میں حضرت انسؓ کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ میرے سر پر زلفیں تھیں، میری والدہ ان کے بارے میں فرماتی تھیں کہ میں تمہاری زلفوں کو (کبھی) نہ

تراشوں گی (یا تراشنے دوں گی) کیونکہ رسول اللہ ﷺ ازراہِ محبت ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت امّ سلیمؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی:

”یا رسول اللہ! میرے بچے انس کے لیے دعا فرمائیں“

حضور ﷺ حضرت انسؓ کے لیے دیر تک دعا فرماتے رہے اور آخر میں بارگاہِ الہی میں یوں عرض کیا:

”اللَّهُمَّ اكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ“

یعنی اے اللہ! تو اس کے مال اور اولاد میں کثرت بخش اور اسے جنت میں داخل کر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت انسؓ کو آئندہ زندگی میں وہ سب کچھ مل گیا جس کے لیے حضور ﷺ نے دعا کی۔ وہ مال و دولت میں تمام انصار سے بڑھ گئے اور اولاد کی کثرت کی یہ کیفیت تھی کہ جس وقت وہ دنیا سے رخصت ہوئے ان کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں، نواسوں، نواسیوں کی تعداد سو سے اوپر تھی۔

حضرت انسؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تین دعائیں فرمائیں۔ دو کو تو میں نے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے (یعنی مال اور اولاد کی کثرت) ان شاء اللہ تیسری دعا (ادخله الجنة) بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم و جامع ترمذی)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازراہِ شفقت حضرت انسؓ کے ایک باغ کے لیے بھی دعا فرمائی تھی۔ اس دعا کا ثمرہ تھا کہ سالہا سال بعد جب انہوں نے یہ باغ لگایا تو سال میں اس کے درختوں پر دو بار پھل آتے تھے جب کہ دوسرے لوگوں کے باغوں میں سال میں ایک ہی بار پھل آتے تھے۔ ایک اور خاصیت اس باغ کی یہ تھی کہ اس میں

ایک ایسی جھاڑی تھی جس کی پتیوں یا پھولوں میں مشک کی خوشبو تھی۔

(اُسُدُ الغَابہ جلد ۱۔ ترجمہ حضرت انسؓ)

ایک روایت میں ہے کہ یہ باغ حضرت انسؓ نے حضور ﷺ کے وصال کے کئی

سال بعد بصرہ میں لگایا تھا۔ (سیرِ انصار ج ۱)

رسول اکرم ﷺ حضرت انسؓ کی تربیت ایسے مشفقانہ انداز میں فرماتے تھے کہ ان کو حضور ﷺ کے ارشادات ذہن نشین ہو جاتے تھے اور وہ اپنے قول و فعل میں ہمیشہ ان کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت انسؓ سے مروی پانچ احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے بیٹے جب تم گھر میں داخل ہو تو سلام کہو یہ تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا موجب ہوگا۔ (ترمذی)

۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس حال میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کی حمد (تعریف) کرے یا ایک گھونٹ پیے تو اس پر اللہ کی تعریف کرے۔ (مسلم)

۳- رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ کو پسند ہوتا تو کھا لیتے۔ اگر ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے۔ (بخاری)

۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں، جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۵- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رزق (آمدنی وغیرہ) میں ترقی اور لمبی عمر کا خواہش مند ہو اسے اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (بخاری و مسلم)

غزوات میں رسول اکرم ﷺ کی ہمرکابی

حضرت انسؓ کو عہد رسالت کے تمام غزوات میں رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، بعض میں حضور ﷺ کے خادم کی حیثیت سے اور بعض میں ایک مجاہد کے

طور پر اس کی تفصیل یہ ہے:

۲ ہجری میں حق و باطل کا معرکہ اول بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت انسؓ کی عمر بارہ برس کی تھی اور وہ لڑائی میں شریک ہونے کے مکلف نہیں تھے کیونکہ حضور ﷺ نے لڑائی میں شریک ہونے کے لیے کم از کم پندرہ برس کی عمر مقرر فرمائی تھی۔ تاہم وہ کم عمری کے باوجود میدان بدر میں پہنچ گئے اور حضور ﷺ کی خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ بعض لوگوں کو ان کی شرکت بدر میں اس بنا پر شک تھا کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ برس سے کم تھی لیکن ایک مرتبہ جب خود ان سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں بدر میں کیسے غیر حاضر رہ سکتا تھا چنانچہ غزوہ بدر کے بعض واقعات ان سے مروی ہیں۔

۳ ہجری میں غزوہ احد پیش آیا تو اس وقت بھی حضرت انسؓ کی عمر لڑائی کے قابل نہیں تھی لیکن انھوں نے اس موقع پر بھی بڑے ذوق و شوق سے حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں وہ اس غزوہ کے چشم دید واقعات لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میرے چچا جن کا نام بھی میری طرح انس (یعنی انس بن نضر) تھا، وہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس پر انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے پہلی لڑائی جو آپ مشرکوں سے لڑے، میں اس میں موجود نہ تھا لیکن اگر اب کوئی لڑائی آپ ﷺ کی مشرکوں سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ جان لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب احد کی جنگ کا موقع آیا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو میرے چچا انسؓ نے یوں دعا کی کہ اے اللہ میں ان میدان سے ہٹنے والے مسلمانوں کے لیے تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں اور ان مخالف مشرکوں کے ظلم و تعدی سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر مشرکوں کی طرف بڑھے۔ سامنے ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ ملے تو میرے چچا نے ان سے کہا کہ: ”اے سعد بن معاذ اب تو جنت حاصل کرنے کا موقع ہے، خدا کی قسم مجھے تو احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ (یہ کہہ کر تلوار چلاتے

ہوئے لشکرِ کفار میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ہم نے ان کے بدن پر کچھ اور پراسی^(۸) زخم پائے، کچھ تلوار کے، کچھ نیزہ کے اور کچھ تیروں کے۔ دشمنوں نے ان کے کان ناک ہونٹ وغیرہ کاٹ لیے تھے اس لیے ہم تو ان کو پہچان نہ سکے البتہ ان کی ہمشیرہ (حضرت رُبیع بنتِ نصر، حضرت انسؓ کی پھوپھی) نے ان کی انگلی کی ایک پور سے ان کو پہچانا۔

ایک اور روایت میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے دن جب سب مسلمان ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو حضرت ابو طلحہؓ (حضرت انسؓ کے سوتیلے والد) اپنی ڈھال سے رسول اللہ ﷺ کو محفوظ کیے ہوئے تھے۔ وہ بہت اچھے تیر اندازوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی کمان کی تانت بہت سخت تھی اور اس روز وہ دو یا تین کمائیں توڑ چکے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سر مبارک اوپر اٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے تھے تو ابو طلحہؓ عرض کرتے۔

”یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان سر اوپر نہ اٹھائیں، مبادا (دشمن

کا) کوئی تیر آ کر لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینے کے آگے ہے۔“

اس وقت میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت امّ سلیم (رضی اللہ عنہا) مشکوں میں پانی بھر بھر کر لا رہی تھیں۔ ان کے پیروں کے زور نظر آ رہے تھے۔ وہ زخموں کے منہ میں پانی ٹپکاتیں۔ پانی ختم ہو جاتا تو اور لاتیں اور زخموں کے منہ میں پانی ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھتیں۔

اُحد کے بعد حضرت انسؓ نے ۵ ہجری میں غزوہ احزاب اور اس سے متصل غزوہ بنو قریظہ میں سرورِ عالم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کا مہتمم بالشان واقعہ پیش آیا۔ اس میں جن اصحابؓ نے سرورِ عالم ﷺ کے دست مبارک پر مرنے مارنے کی بیعت کی، اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں ان کو اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ حضرت انسؓ بھی ان خوش بخت اصحابؓ میں شامل تھے۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت انسؓ غزوہ خیبر میں والہانہ ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ مُسَدِّ ابی داؤد میں ان سے روایت ہے کہ میں نے جنگِ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھی۔ اسی روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر بھی سوار ہو جاتے، صوف کا بنا ہوا کپڑا بھی پہن لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔

ذیقعدہ ۷ ہجری میں رسول اکرم ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو صحابہ کرامؓ کی ایک محدود تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب بھی۔ ان جاں نثاروں میں حضرت انسؓ بھی شامل تھے۔

حضرت انسؓ کو جس طرح بیعتِ رضوان کے موقع پر ان اصحاب میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا جن کو اصحاب الشجرہ کا خطاب پا کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت ملی تھی، اسی طرح ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر ان کو ان دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے ”کتاب استثناء“ میں یوں پیش گوئی کی گئی تھی۔

”خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکار ہوا، کوہِ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں (نورانی) شریعت تھی۔“

یاد رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابہ کرام حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ اس کے بعد حضرت انسؓ نے حنین کے معرکے میں دادِ شجاعت دی۔ طائف کے محاصرے میں بھی حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ ۹ ہجری میں حضور ﷺ کے ساتھ جھلسا دینے والی گرمی میں تبوک کے طویل سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس کے بعد ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

رسول پاک ﷺ کا وصال

الہجری میں حضرت انسؓ کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ سہنا پڑا۔ اس سال ربیع الاول میں ان کے شفیق و محبوب آقا ﷺ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا: اس صدمے نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی لیکن رضائے الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کیا چارہ تھا۔ جامع ترمذی میں ان سے روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو تمام شہر انوارِ رسالت سے جگمگا اٹھا اور جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی، تمام مدینہ تاریک تھا اور ہم سب کے قلوب کی حالت دگرگوں تھی۔

خلیفۃ الرسول صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں

اپنے شفیق آقا و مولا ﷺ کی مفارقت کے صدمہ جانکاہ کو حضرت انسؓ نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت انسؓ نے بلا تامل ان کی بیعت کر لی۔ اس وقت ان کی عمر صرف بیس برس کی تھی لیکن دانائے کونین ﷺ کے مسلسل دس سال کے فیضِ صحبت نے انہیں گونا گوں صلاحیتوں کا مالک بنا دیا تھا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے انہیں بحرین کا عامل مقرر فرمایا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے عہدِ صدیقی میں مرتدین کے خلاف بعض معرکوں میں بھی حصہ لیا۔ اس سلسلہ کی سب سے سخت لڑائی مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی۔ اس لڑائی میں حضرت انسؓ کے بھائی حضرت براء بن مالک نے محیر العقول شجاعت دکھائی۔ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ بھی اس معرکے میں موجود تھے۔ حافظ ابن حجر نے ”الاصابہ“ میں حضرت انسؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت براءؓ نے مسیلمہ کی جنگ کے دن باغ والوں پر (یعنی مرتدین پر جنہوں نے باغ کی چار دیواری کے اندر مورچہ بنا رکھا تھا) تن تہا تیر اندازی کی اور ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ باغ کا دروازہ کھول دیا۔ اس وقت ان کے جسم پر تیروں اور

تلواروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ انہیں وہاں سے علاج کے لیے اپنے خیمے میں پہنچایا گیا اور ان کی تیمارداری کے لیے حضرت خالد بن ولید کو وہاں ایک ماہ ٹھہرنا پڑا۔
حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں

۳۱ ہجری میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گئے عالم جاودانی ہوئے۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ عامۃ المسلمین نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ مسند نشین خلافت ہوئے۔ اس وقت دنیا کی دو سب سے طاقتور سلطنتوں روم اور ایران سے خلافت اسلامیہ کی جنگ ہو رہی تھی۔ (یہ جنگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے عہد خلافت ہی میں چھڑ گئی تھی) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی ماہ سے ایران اور شام میں مسلمانوں کے جہاد کی خبریں مل رہی تھیں اور وہ خود بھی اس جہاد میں حصہ لینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریراً رائے خلافت ہوئے تو وہ ان سے اجازت لے کر ایران کے میدان جہاد میں پہنچ گئے اور ایران کے مجوسی جنگجوؤں کے خلاف کئی معرکوں میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھائے۔ ان کے جانباز بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔^۱

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے ”انساب الاشراف“ میں لکھا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں بھائیوں کو بصرے میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت انسؓ کے علاقے بھائی تھے یعنی وہ مالک بن نضر کی دوسری بیوی سحاک کے بطن سے تھے۔ بعض لوگوں نے ان کو حضرت انسؓ کا حقیقی بھائی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہجرت نبویؐ سے کچھ پہلے یا بعد شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے لیکن اُحد اور اس کے بعد عہد رسالت کے تمام غزوات میں شریک تھے۔ انہما درجے کے جری اور بہادر تھے۔ ۲۰ ہجری میں شہادت پائی۔

کے بعض الزامات کی تحقیق کے لیے مقرر کیا تھا۔

اکثر مورخین نے معرکہ حریق اور فتح تستر (شوستر) کے سلسلے میں حضرت انس اور حضرت براء رضی اللہ عنہما کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ طبرانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ حضرت انس بن مالک اور ان کے بھائی براء بن مالک عراق کے ایک مقام حریق میں دشمن کے ایک قلعے کے محاصرے میں شریک تھے۔ دشمن گرم زنجیروں میں لوہے کے آنکڑے لگا کر مسلمانوں کی طرف پھینکتے اور جو مسلمان قلعے کی دیوار کے قریب ہوتا اس کو اوپر کھینچ لیتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت انس دیوار کے قریب گئے اور اس پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ بھی دشمن کے آنکڑے میں پھنس گئے، وہ انہیں اوپر کھینچ ہی رہے تھے کہ حضرت براء کی نظر پڑ گئی۔ وہ لپک کر ادھر گئے اور زنجیر کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ اوپر کی رسی ٹوٹ گئی اور انس زمین پر آ گرے۔ گرم زنجیر کھینچنے سے حضرت براء کے ہاتھ کا تمام گوشت جل گیا اور ہڈیاں نکل آئیں۔ چونکہ حضرت انس زیادہ اوپر سے نہیں گرے تھے اس لیے معمولی چوٹ آئی جو جان بچ جانے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔

معرکہ شوستر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل فوج کے افسر تھے اور حضرت براء مینہ کے۔ شوستر کا محاصرہ بہت دن تک جاری رہا۔ اس دوران میں ایرانیوں کی مسلمانوں سے کئی جھڑپیں ہوئیں جن میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت براء نے کمال شجاعت دکھائی اور ایرانیوں کو ہر بار قلعے میں دھکیل دیا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت براء کے خیمے میں گئے۔ وہ بڑی لے کے ساتھ کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا، بھائی اللہ نے آپ کو قرآن عطا فرمایا ہے جو ان اشعار سے بہتر ہے اس کو کون سے پڑھیے۔ انہوں نے کہا، انس شاید تمہیں یہ ڈر ہے کہ کہیں میں بستر پر نہ مر جاؤں لیکن خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا، میں جب

مروں کا میدان میں مروں گا۔

اللہ نے حضرت براءؓ کی قسم یوں پوری کی کہ وہ اسی معرکے میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے ایرانیوں کے سپہ سالار ہرمزان کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، تاہم حضرت براءؓ اور دوسرے مجاہدین کی سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں کو ذلت انگیز شکست ہوئی اور ہرمزان اپنے اہل و عیال سمیت مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گیا۔ اسے اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اسے حضرت انسؓ کے ساتھ بارگاہِ خلافت میں روانہ کر دیا۔ اس سفر میں ہرمزان کی حفاظت کے لیے تین سو سوار حضرت انسؓ کی ماتحتی میں تھے۔ حضرت انسؓ نے ہرمزان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا جہاں اس نے اسلام قبول کر لیا۔

بصرہ میں مستقل اقامت

جن ایام میں حضرت انسؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایران کے میدانِ جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی، انھوں نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ مدینہ منورہ سے بصرہ منتقل ہونے کا پس منظر یہ تھا کہ اس شہر (بصرہ) کے آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم کے لیے کچھ معلمین کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے فضلاء صحابہ میں سے ایک جماعت منتخب کی جس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نو یا دس اصحاب پر مشتمل اس جماعت کو ضروری ہدایات دے کر بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ

۱۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سوتیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا تاہم میں اس شرط پر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پہنچ کر وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اسی شہر سے وہ ایران کے میدانِ جہاد میں پہنچے۔ وہاں کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی اور آخر میں (معرکہ شوستر کے بعد) شکست خوردہ ایرانی سپہ سالار ہرمزان کو اپنی حفاظت میں مدینہ منورہ پہنچایا۔ چند دن مدینہ منورہ میں ٹھہر کر وہ بصرہ واپس آ گئے اور تادم آخراسی شہر میں مقیم رہے۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں

۲۳ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت انسؓ شروع سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کیا اور حضرت انسؓ کو مامور کیا کہ وہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ مدینہ میں داخل ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔ ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشاخی ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شان و شوکت دیکھ کر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں۔“ ہرمزان کئی معرکوں میں مسلمانوں کو فریب دے چکا تھا اور سوستر کے معرکہ میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ جب وہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو مترجم کے ذریعے وہ یوں گویا ہوا۔ ”عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔“ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ ”میں پانی نہیں پیتا اس لیے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔“ حضرت عمرؓ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ (حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ کیا کرتے تھے۔)

(الفاروق زیر عنوان خوزستان)

اخیر تک ان کے وفادار اور بھی خواہ رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے پہلے چھ سال تو امن و امان سے گزرے لیکن پھر طرح طرح کے فتنوں نے سر اُبھارا نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی خلافت کے بارہویں سال ان فتنوں نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی اور مصر سے باغیوں کی ایک بڑی جماعت نے مدینہ منورہ پہنچ کر کا شانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ بصرہ میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہاں پر موجود دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بے تاب ہو گئے اور انہوں نے اہل بصرہ کو امیر المؤمنین کی امداد کے لیے آمادہ کیا لیکن یہ امداد ابھی مدینہ منورہ پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ امیر المؤمنین کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔ (۳۵ ہجری)

گوشہ نشینی کی زندگی

امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی المناک شہادت کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی۔ ان کی خلافت کی ابتدا ہی میں جنگ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معادیہ کے درمیان لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس پر آشوب زمانے میں حضرت انسؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور مسلمانوں کے مابین ہونے والی کسی لڑائی یا جھگڑے میں حصہ نہیں لیا۔ خلفائے راشدین کے مثالی دور کے بعد بھی وہ طویل عرصہ تک حیات رہے لیکن بالعموم گوشہ نشین ہی رہے۔ امام ذہبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں وہ کچھ عرصہ اہل بصرہ کی امامت کرتے رہے۔



حضرت انسؓ اور حجاج بن یوسف ثقفی

اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی بصرہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے حضرت انسؓ کے ساتھ سخت ناروا سلوک کیا اور ان کے مقام و مرتبہ کا کچھ لحاظ نہ رکھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حجاج نے حضرت انسؓ پر مخالفین بنو امیہ کی حمایت کرنے کا الزام لگایا اور لوگوں کی نظروں میں گرانے کے لیے ان کی گردن پر مہر لگوا دی۔ حضرت انسؓ نے نہایت صبر و تحمل سے یہ سزا برداشت کی لیکن گھر آ کر خلیفہ عبد الملک کو ایک خط لکھا جس میں حجاج کے ظلم اور دھمکیوں کی روداد بیان کی۔ عبد الملک ”خادم رسول اللہ ﷺ“ کا خط پڑھ کر تھرا اٹھا اور اس نے حجاج کو ایک سخت عتاب آمیز خط لکھا جس میں اس کو حکم دیا کہ فوراً حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی مانگو۔ خلیفہ کا خط ملتے ہی حجاج اپنے درباریوں سمیت حضرت انسؓ کی خدمت میں گیا اور بڑی لجاجت سے معافی مانگی حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا وسیع ظرف عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ اس کی درخواست پر عبد الملک کو اپنی خوشنودی کا خط بھی لکھ دیا۔

حضرت انسؓ کا سفرِ آخرت

۹۳ ہجری میں حضرت انسؓ بیمار پڑے۔ اس وقت وہ عمر کی ۱۰۳ منزیلیں طے کر چکے تھے۔ اہل خانہ، عقیدت مندوں اور شاگردوں نے علاج معالجہ اور خبر گیری میں کوئی کسر اٹھا

نہ رکھی لیکن ضعف روز بروز بڑھتا گیا جب جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو اپنے شاگرد خاص ثابت بنائی سے فرمایا کہ میری زبان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی۔ اسی حالت میں روح مطہر عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ اس وقت سوائے ایک صحابی حضرت ابوالطفیلؓ کے کرۂ ارض پر کوئی اور صاحب رسول ﷺ موجود نہ تھے۔ حضرت انسؓ کی وفات کی خبر پھیلی تو لوگوں کا ایک جم غفیر جنازے میں شریک ہونے کے لیے اٹھ آیا۔ قطن بن مدرک کلابیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ہزاروں لوگوں نے بادیدہ گریاں اسلام کے اس بطل جلیل کو بصرہ کے قریب موضع طف میں سپرد خاک کر دیا۔

آل اولاد

حضرت انسؓ نہایت کثیر الاولاد تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی لڑکے اور تین لڑکیاں عطا کی تھیں۔ ان کے علاوہ بیس سے زیادہ پوتے بھی وفات کے وقت موجود تھے۔ حضرت انسؓ کے کئی صاحبزادے فن حدیث میں شیخ اور امام کا درجہ رکھتے تھے۔ مشہور بصری محدث ابوعمیر عبدالکبیر بن محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام (متوفی ۲۹۱ھ) بھی انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت انسؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو خود تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نہایت ماہر تیر انداز تھے اور وہ اپنے لڑکوں کو تیر اندازی بھی سکھایا کرتے تھے۔ پہلے لڑکے نشانہ لگاتے جس میں اکثر اوقات غلطی ہو جاتی تھی۔ اس پر خود حضرت انسؓ ایسا تیر جوڑ کر مارتے کہ نشانہ کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ مورخ طبریؒ کا بیان ہے کہ اہل یشرب (انصار مدینہ) کے مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے بھی یہ رواج تھا کہ وہ اپنے لڑکوں کو تیر اندازی کی مشق کرایا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ نے بھی انصار کے معمول کے مطابق یہ فریضہ انجام دیا۔

حلیہ، لباس و خوراک

حضرت انسؓ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ سیرت سے نوازا تھا، اسی طرح ان کو نہایت دلکش اور پاکیزہ صورت بھی عطا کی تھی۔ بہت خوبرو اور موزوں اندام تھے۔ چہرے پر نور برستا تھا۔ مزاج میں بڑی نفاست اور پاکیزگی تھی۔ بالوں میں مہندی لگایا کرتے تھے اور خوشبودار چیزوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ خلوق نام کی ایک خوشبو جس کی زردی سے چمک پیدا ہوتی تھی، اس قدر مرغوب تھی کہ اکثر اپنے ہاتھوں میں ملا کرتے تھے۔ بڑھاپے میں دانت ہلنے لگے تو ان کو سونے کے تاروں سے کسوا یا۔ اس معاملے میں ان کے پیش نظر یہ حدیث ہوتی تھی کہ اللہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازے تو ایسا لباس پہنو جس سے نعمت کا اظہار ہو۔ کھلی آب و ہوا بہت پسند تھی۔ اس لیے بصرہ کے نواح میں طف کے دیہاتی مقام پر ایک عالیشان وسیع مکان بنوایا تھا اور اسی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ایک باغ بڑے شوق سے لگایا جس میں پھلدار پودے اور پھول کثرت سے تھے۔ یہ باغ سال میں دو بار پھلتا تھا اور اس میں پھولوں کی ایک ایسی قسم تھی جو مشک کی طرح مہکتی تھی۔

نہایت خوش خوراک تھے۔ دسترخوان پر اکثر چپاتی اور گوشت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت میں ترکاری بھی ہوتی تھی۔ لوکی کا موسم ہوتا تو اکثر گوشت کے ساتھ یہی پکواتے کیونکہ ان کے آقا و مولا ﷺ کو لوکی بہت مرغوب تھی۔ نہایت فیاض اور کریم النفس تھے۔ کھانے کے وقت جتنے شاگرد موجود ہوتے ان کو باصرار کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔

صبح کا ناشتہ ۳ یا ۵ اور بعض اوقات اس سے کچھ زیادہ چھوہاروں پر مشتمل ہوتا۔ پانی پیتے تو اسے تین وقفوں میں ختم کرتے۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت انسؓ کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ وہ فضلاء صحابہ کی معزز جماعت کے ایک اہم رکن تھے اور ان کا شمار آسمان ہدایت کے ان درخشندہ ستاروں میں ہوتا ہے جن کے علم و فضل کی صوفشانی نے سارے عالم اسلام کو جگمگا دیا تھا۔ وہ راویان حدیث صحابہ کرامؓ کے طبقہ اول میں ہیں اور ان سے ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۸۰ صحیح بخاری میں اور ۷۰ صحیح مسلم میں منفرد ہیں۔ ۱۸۰ احادیث متفق علیہ ہیں۔ حضرت انسؓ نے سرچشمہ وحی سے براہ راست اکتساب کے علاوہ مندرجہ ذیل کبار صحابہ و صحابیات سے بھی استفادہ کیا:

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت فاطمہ الزہراءؓ بنت رسول اللہ ﷺ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامیت، حضرت ابوطحہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت ثابت بن قیس، حضرت ام سلیم (والدہ)، حضرت ام حرام (خالہ) حضرت ام الفضل (اہلیہ حضرت عباسؓ عم رسول ﷺ) حضرت انسؓ کے دریائے علم سے سیراب ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت خواجہ حسن بصریؓ، سلیمان تیمیؓ، ثابت بنانیؓ، قتادہؓ، ابو قلابہؓ، حمید الطویلؓ، ثمامہ بن عبداللہ بن انسؓ، اسحاق بن ابی طلحہؓ، ابو عثمانؓ، جعدؓ، ابوبکر بن عبداللہ مزنیؓ، یحییٰ بن سعیدؓ، محمد بن سیرینؓ، انس بن سیرینؓ، ربیعۃ الرائیؓ، سعید بن جبیرؓ، سلمہ بن دردانؓ

یہ تمام بزرگ آسمان حدیث کے مہر و ماہ ثابت ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کو امام فن تسلیم کیا گیا۔

روایتِ حدیث

مسند احمد میں ہے کہ حضرت انسؓ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے، جب حدیث روایت کر چکتے تو غایت احتیاط کی بنا پر کہا کرتے تھے۔

أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(یا جیسے رسول اللہ نے فرمایا)

جن حدیثوں کو سمجھنے میں لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی، حضرت انسؓ انہیں بیان ہی نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حدیث روایت کرتے وقت وضاحت کر دیتے تھے کہ میں نے یہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے یا فلاں صاحب رسول ﷺ سے۔

مولانا سعید انصاری مرحوم اپنی تالیف ”سیر انصار (حصہ اول)“ میں حضرت انسؓ کی روایت حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”وہ کسی علم کی سب سے بڑی خدمت اس کی اشاعت اور تعلیم ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ اس باب میں اکثر صحابہ میں پیش پیش ہیں۔ انہوں نے اس مستعدی اور اہتمام سے نشر حدیث کی خدمت ادا کی ہے جس سے زیادہ مشکل کوئی اور کام نہیں ہے۔ انہوں نے تمام عمر اس دائرہ (تعلیم حدیث) سے قدم باہر نہ نکالا۔ جس زمانہ میں تمام صحابہ میدان جنگ میں مصروف جہاں تھے، رسول اللہ ﷺ کا خاص خادم ”چامع بصرہ“ میں دنیا سے الگ ”قال رسول اللہ ﷺ“ کا نغمہ خلاق کو سنار ہا تھا۔ تو سنیج علم کا حال شاگردوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ کے حلقہ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ اور شام کے طلبہ شامل تھے۔ جس طرح ظاہری اور صلیبی اولاد کی کثرت کے لحاظ سے وہ خوش قسمت تھے، اسی طرح معنوی اولاد کی بہتات میں ان کا پلہ بہت بھاری تھا۔“

(سیر انصار۔ ج۔ ۱۔ ص ۱۳۶)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ان خادم خاص سے مروی ۱۲۸۶ میں سے احادیث کا ایک چھوٹا سا انتخاب اس کتاب میں شامل کر دیا جائے لہذا ان سے مروی چالیس احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی چالیس احادیث

ہر حدیث سے پہلے ان الفاظ کا اضافہ کر لیا جائے۔

”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ“ یا ”حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ“

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنہ گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سیدھا کرو تم اپنی صفوں کو کہ صفوں کو برابر کرنا نماز کو کامل کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۳- قائم کی گئی نماز کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف رخ کیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا، صفوں کو درست کرو اور صفوں کو پورا کرو، میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

۴- رسول اللہ ﷺ جب کسی لڑائی پر تشریف لے جاتے تو ام سلمہؓ اور انصار کی دوسری عورتوں کو ساتھ لے جاتے تاکہ لڑائی کے وقت وہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ (صحیح مسلم)

۵- ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعوت میں گیا۔ اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا (یعنی شوربا سکھائے ہوئے گوشت اور کدو کا تھا) میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ پیالہ کے اطراف میں سے کدو کو تلاش کر کے کھاتے تھے۔ اس روز سے میں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

۶- رسول اللہ ﷺ پانی پینے کے درمیان تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اس طرح پانی پینا سیراب کرتا ہے، صحت بخش ہے اور جلد ہضم ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۸- رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیج سے منع فرمایا تا آنکہ ان پر رونق نہ آجائے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ رونق آ جانے سے کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ ان پر سرخی آجائے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (یعنی پھلوں کی فصل کسی آفت سے برباد ہو جائے) تو بیچنے والا کس شے کے عوض اپنے بھائی (خریدنے والے) سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۹- رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح مسلم)

۱۰- رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی۔ اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے اور زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۱- ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر ہانے بیٹھ گئے اور

اس سے فرمایا، تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے۔ اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا، تو ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لے۔ پس اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے، حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔ (صحیح بخاری)

۱۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی مسلمان کسی درخت کا پودا لگائے یا کھیتی کرے پھر کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا چوپایہ اس درخت یا کھیتی سے کھائے تو یہ اس مسلمان کی طرف سے صدقہ (کارِ ثواب) ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۳- رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ایک کو یَرْحَمُكَ اللَّهُ کہہ کر دعا دی اور دوسرے کو آپ نے یَرْحَمُكَ اللَّهُ نہیں کہا تو اس دوسرے آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے ان (صاحب) کو یَرْحَمُكَ اللَّهُ کہہ کر دعا اور مجھے یہ دعا نہیں دی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے (چھینک کے بعد) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہا تھا اور تم نے نہیں کہا (اس لیے تم نے خود یَرْحَمُكَ اللَّهُ کا حق کھودیا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۴- رسول اللہ ﷺ نے کھڑے کھڑے (پانی وغیرہ) پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم)

۱۵- رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اِنْفِئْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(اے میرے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچا۔)

۱۶- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) مظلوم کی تو میں مدد کرتا ہوں مگر ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھ،

یہی تیرا اس کی مدد کرنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ (صحیح بخاری)

۱۸- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آجائے کہ) بالکل نہ کہا جائے اَللّٰهُ اَللّٰهُ (یعنی جب اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت کرنے والوں سے دنیا یکسر خالی ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

۱۹- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

۲۰- ہم ماہ رمضان میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ہم میں بعض روزے سے تھے اور بعض روزے قضا کرتے تھے تو ایک دن جب سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے تو روزے رکھنے والے تو (نقاہت کے باعث) گر گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے، وہ اٹھے، انھوں نے سب کے لیے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں (اونٹوں) کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج روزے قضا کرنے والوں نے (زیادہ ثواب کما لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے کی وجہ سے خبردار کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر بہت ہی تنگ ہو تو یوں کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے وفات دے جبکہ وفات میرے لیے بہتر ہو۔ (صحیح بخاری)

۲۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں، اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ ایک یہ کہ اس کو اللہ اور اس کا رسول ساری دنیا سے عزیز تر ہو، دوسری یہ کہ جس سے محبت کرے، اللہ کی خاطر کرے، تیسری یہ کہ اسلام لانے

کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا کہ آگ میں پڑ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔
(صحیح بخاری)

۲۳- رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جس کا نام عضباوتھا، وہ چلنے میں سب سے آگے رہتی تھی اور کبھی پیچھے نہیں رہی۔ ایک دفعہ ایک بدو (گاؤں کا رہنے والا) ایک اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور آپ کی اونٹنی سے آگے بڑھ گیا۔ یہ امر مسلمانوں کو بہت ناگوار گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو چیز بھی کسی بات میں بڑھنے لگتی ہے، اللہ اس کو ہٹا کر دیتا ہے۔
(صحیح بخاری)

۲۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! نرمی اختیار کرو، سختی نہ کیا کرو اور لوگوں کو خوشخبری دو اور نفرت نہ دلایا کرو۔
(صحیح بخاری)

۲۵- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقتور ہوتی رہتی ہیں، ایک دولت کی حرص اور دوسری زیادتی عمر کی حرص۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۶- رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو جبکہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک ہی کجاوے میں سوار تھے پکارا اور فرمایا: یا معاذ! انھوں نے عرض کیا:

”لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ“

آپ ﷺ نے پھر پکارا، یا معاذ! انھوں نے عرض کیا:

لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ

تین مرتبہ ایسا ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ نے ایسے شخص کو دوزخ پر حرام کر دیا ہے۔

(حضرت) معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو آپ کے اس ارشاد سے آگاہ کر دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر وہ اس پر بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے۔

پھر (حضرت) معاذ نے علم کو چھپانے کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں کو سنائی۔

اسی مضمون کی حدیث میں جو مشکوٰۃ میں مسند احمد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، رسول اکرم ﷺ کی بشارت جنت کی شرائط میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: جو شخص اللہ کے سامنے اس حال میں جائے گا کہ شرک سے اس کا دامن پاک ہو اور وہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو تو وہ بخش دیا جائیگا،

حضرت معاذ نے حضور سے یہ بشارت لوگوں کو سنانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا، جانے دو، انھیں عمل کرنے دو۔

۲۷- ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی یا دوست سے ملے تو کیا وہ (اس کی تعظیم کے لیے) اپنے سر کو جھکائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، اس شخص نے کہا، اس سے گلے ملے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ اس شخص نے پھر پوچھا، کیا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کرے؟

(جامع ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں

۲۸- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض

(ابن ماجہ)

ہے۔

۲۹- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ جب

(ترمذی و دارمی)

تک گھر واپس نہ آجائے اللہ کی راہ میں ہے۔

۳۰- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔ (بیہقی)

۳۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ناحق و ناروا جھوٹ بولنا چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے کنارے (ایک محل) بنایا جاتا ہے۔ (ترمذی)

۳۲- رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔ (سنن نسائی)

۳۳- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم دے گا کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا جو بندہ کبھی مجھ سے ڈرا، اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ (جامع ترمذی)

۳۴- رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ

اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما۔ (جامع ترمذی)

۳۵- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو

اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ستایا گیا اور

ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے

کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے

اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

۳۶- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی امتی کی حاجت پوری کی تاکہ اس

کا دل خوش ہو جائے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اللہ اس کو

جنت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۳۷- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، قبول ہی

ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۳۸- ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیفؓ لوہار کے گھر گئے۔ یہ ابوسیفؓ رسول اللہ ﷺ

کے فرزند ابراہیم کی دایہ اور مرضعہ (ام سیفؓ) کے شوہر تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم کو اٹھا لیا اور چوما اور ان کے رخسار پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے۔) اس کے بعد پھر ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم دم توڑ رہے تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمن بن عوف (جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ ایسی باتوں سے متاثر نہیں ہو سکتے۔) انھوں نے تعجب سے کہا:

”یا رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں (آپ کی بھی یہ حالت؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن عوف یہ جذبہ رحمت (رحم، دردمندی، شفقت) ہے پھر دوبارہ آپ کی آنکھیں اشک بار ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو۔

(یعنی اَنَا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۹- رسول اللہ ﷺ سے جب کبھی کسی شخص نے کوئی چیز مانگی۔ آپ ﷺ نے اسے وہ چیز دے دی۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ (اور آپ ﷺ سے بکریوں کا سوال کیا) آپ ﷺ نے ایک وادی میں چرتی ہوئی (اپنی تمام) بکریاں اسے عطا کر دیں۔ وہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) تو ایسے شخص کی طرح دیتے ہیں جس کو افلاس اور محتاجی کا ڈرنہ ہو۔ بعض دفعہ کوئی شخص محض مال حاصل کرنے کی خاطر مسلمان ہوتا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اسلام اس کو دنیا و مافیہا سے پیارا ہو جاتا۔ (یعنی مال اور دوسری چیزوں کی ہوس اس کے دل سے نکل جاتی اور اس میں صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت جاگزیں ہو جاتی۔)

۴۰- رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب آپ ﷺ اپنے بستر پر لیٹ جاتے تو یوں دعا فرماتے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا

اور ہماری ضرورتیں پوری کیوں اور ہم کو آرام کرنے کی جگہ دی۔ کئی لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نہ ضرورت پوری ہوئی، نہ ان کو آرام کرنے کی جگہ ملی۔ (صحیح مسلم)

تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ

علم حدیث کے علاوہ حضرت انسؓ علم فقہ میں بھی درجہ تبحر رکھتے تھے۔ مختلف دینی مسائل کے بارے میں ان کے بے شمار فتاویٰ اور اجتہادات کتابوں میں موجود ہیں جو ان کے تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ کا بین ثبوت ہیں۔ وہ ان چند فقہائے صحابہ میں سے تھے جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے اہل بصرہ کو فقہ کی تعلیم دینے کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ بصرہ میں حضرت انسؓ کے حلقہ درس کو اس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ تمام عالم اسلام کے شائقین علم کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچنے لگے یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بھی طلبہ بصرہ آ کر ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ نہایت باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ سالہا سال تک لوگوں کو تعلیم دیتے رہے۔ وہ بڑے بلند انداز میں درس دیا کرتے تھے۔ اگر مجلس درس میں کوئی شخص سوال کرتا تو نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے تھے۔ حضرت انسؓ کی ذات گرامی ساٹھ ستر برس تک علم کی جوئے رواں بنی رہی جس سے علم کا ہر جو یا بقدر ظرف سیراب ہوتا رہا۔

اخلاق و عادات

حضرت انسؓ کے صحیفہ اخلاق میں عشق رسول ﷺ، اتباع سنت، اشاعت علم، شجاعت و بسالت، انکسار امر بالمعروف اور حق گوئی سب سے نمایاں اور درخشاں ابواب ہیں۔ اشاعت علم کے سلسلے میں ان کی مساعی کا ذکر علم و فضل (روایت حدیث، تَفَقُّهُ فِي الدِّينِ) کے زیر عنوان آچکا ہے۔ ان کے عشق رسول ﷺ، اتباع سنت، شجاعت و بسالت، امر بالمعروف اور حق گوئی کی چند جھلکیاں آگے پیش کی جا رہی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان کے بے مثل انکسار کا ذکر کیا جائے۔

انکسار و تواضع

حضرت انسؓ اگرچہ ”خادم رسول ﷺ“ ہونے کی حیثیت سے نہایت بلند مرتبہ صحابی تھے اور ساتھ ہی اونچے درجے کے رئیس اور صاحب علم و فضل بھی تھے لیکن ان کی طبیعت میں حد درجے کا انکسار تھا۔ وہ عوام الناس سے ہر جگہ اور ہر وقت بڑی بے تکلفی سے ملتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب خندہ روئی سے دیتے تھے۔ اپنے بچوں اور دوسرے لوگوں کو بڑے لطف و انبساط سے احادیث نبوی ﷺ سنایا کرتے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں میں بھی گھل مل جاتے تھے۔ اگر کھانے کے وقت کچھ شاگرد موجود ہوتے تو ان کو بڑے اصرار سے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتے۔ شاگردوں کو اپنی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم بیٹھے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو ہم میں سے کوئی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہوتا یہ اس لیے کہ حضور ﷺ ایسے تکلفات کو ناپسند فرماتے تھے (یعنی ہمیں اپنی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے سے منع فرماتے تھے)۔ (ورنہ آپ ﷺ سے بڑھ کر ہم کو کوئی محبوب (قابل تعظیم اور معزز) نہیں تھا۔ غرض حضرت انسؓ گونا گوں اوصاف و محاسن کے پیکر جمیل تھے۔ ان کے دوسرے محاسن اخلاق کا ذکر آگے دیکھیے۔

عشق رسول ﷺ

سیدنا حضرت انسؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے گھرانے پر شروع دن ہی سے اسلام کو پر تو فلگن دیکھا۔ ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ، سوتیلے والد حضرت ابو طلحہؓ، چچا حضرت انسؓ بن نصر، بھائی حضرت براء بن مالک، خالہ حضرت ام حرامؓ اور ماموں حضرت حرامؓ بن ملحان سبھی سرورِ عالم ﷺ کے نہایت مخلص شیدائی تھے۔ خاندان میں ہر وقت ذات رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔ اسی پاکیزہ ماحول نے کس انسؓ کے دل میں حضور پر نور ﷺ کی محبت کا بیج بو دیا اس کے بعد ان کو مسلسل دس

برس تک رحمتِ دو عالم ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس دوران میں ان کو حضور ﷺ کے بے مثل اخلاقِ عالی نے اتنا متاثر کیا کہ وہ اپنے شفیق آقا و مولا ﷺ کے عاشق صادق بن گئے۔ انھوں نے خلوت و جلوت، سفر و حضر، بزم و رزم ہر حالت میں حضور ﷺ کی اس تن دہی اور ذوق و شوق سے خدمت کی کہ آپ ﷺ ہمیشہ ان سے خوش رہے۔ حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت انسؓ کی دنیا اندھیر ہو گئی لیکن اپنے آقا ﷺ ہی کے ارشاد کے مطابق انھوں نے جزع فزع کے بجائے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو حضور ﷺ کی تعلیمات اور ارشادات امت تک پہنچانے کے لیے وقف کر دیا، تاہم رحمتِ عالم ﷺ کی یاد ان کو ہر وقت تڑپاتی رہتی تھی۔ ان کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں حضور ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو۔ عہدِ رسالت ﷺ کا کوئی واقعہ کسی سے سنتے یا خود بیان کرتے تو آنکھیں نم ہو جاتیں اور شدتِ تاثر سے آواز بھرا جاتی۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ اپنے آپ پر بالکل قابو نہ رہتا اور سخت بے چینی کے عالم میں مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ جب تک گھر پہنچ کر تبرکاتِ نبویؐ کی زیارت نہ کر لیتے، کل نہ پڑتی تھی۔ ایک دن سرورِ عالم ﷺ کا حلیہ بیان کر رہے تھے۔ ”میں نے کبھی کوئی ریشم رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں چھوا اور نہ کوئی خوشبو حضور ﷺ کے بدن مبارک سے زیادہ خوشگوار سونگھی.....“

اسی طرح بیان کرتے کرتے فرطِ محبت سے اتنے بے قرار ہوئے کہ گریہ طاری ہو گیا

اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔

”قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی تو عرض کروں گا

یا رسول اللہ آپ کا ادنیٰ غلام انس حاضر ہے۔“

حضور ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا یہ اثر تھا کہ انہیں اکثر خواب میں

سیدالانام ﷺ کی زیارت نصیب ہو جاتی تھی۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ان کو دنیا کی ہر شے سے محبوب تر تھے۔ صحیح بخاری میں خود ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں جو کسی شخص میں پائی جائیں تو گویا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو ساری دنیا سے عزیز تر ہوں۔ دوسرے یہ کہ جس سے محبت کرے، اللہ کی خاطر کرے۔ تیسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا کہ آگ میں پڑ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے قیامت کے لیے کیا سامان مہیا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں تو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، بس جس سے محبت رکھتے ہو، اسی کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر ہم لوگوں کو جتنی خوشی ہوئی کبھی کسی دوسری بات سے نہیں ہوئی تھی۔ مجھے امید ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کے باعث میں ان کے ساتھ رہوں گا حالانکہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔

اتباع سنت

رحمتِ عالم ﷺ کی حیات طیبہ ہر وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر رہتی تھی۔ فی الحقیقت حضور ﷺ کے تمام اشغال و اعمال ان کے دل و دماغ پر نقش ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ اپنے ہر کام میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ عبادات ہوں یا معاملات، وہ ہر بات میں حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے تھے۔ نماز میں خشوع و خضوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا، میں

نے ابنِ امِ سلیم (انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت انسؓ کا جذبہ اتباعِ سنت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کبھی کوئی کام رسول اکرم ﷺ کو ایک دفعہ بھی کرتے دیکھا تو اس کی بھی تقلید کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے دیکھا تھا کہ حضور ﷺ نے بچوں کو سلام کرنے میں سبقت فرمائی۔ اس کے بعد وہ ساری عمر حتیٰ کہ ایامِ پیری میں بھی بچوں کو سلام کرنے میں سبقت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ سفر میں نماز کا وقت آ گیا انھوں نے اونٹ کی پیٹھ پر ہی نماز پڑھ لی۔ اونٹ قبلہ رخ نہ تھا، تلامذہ نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دفعہ اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ایک دفعہ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی کو باندھ اور اوڑھ رکھا تھا۔ ابراہیم بن ربیعہ نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ جب حضرت انسؓ نماز پڑھ چکے تو ابراہیمؓ نے پوچھا، آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا، ہاں میں نے حضورؐ کو بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے آخری نماز جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پیچھے پڑھی تھی، ایک کپڑے میں ادا فرمائی تھی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نہ صرف خود اتباعِ سنت کی سختی سے پابندی کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اگر کسی کو خلافِ سنت عمل کرتے دیکھتے تو اس کو ٹوکتے اور صحیح طرزِ عمل سے آگاہ کرتے۔

ایک مرتبہ خلیفہ عبد الملک اموی نے حضرت انسؓ کو انصار کی ایک جماعت کے ہمراہ دمشق بلایا۔ وہاں سے واپسی کے سفر میں فج الناقہ کے مقام پر عصر کا وقت آ گیا تو حضرت انسؓ دو رکعت نماز پڑھا کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھیوں نے چار رکعتیں

پوری کیس۔ حضرت انسؓ کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ نہیں اٹھاتے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جب لوگ دین میں بال کی کھال اتاریں گے لیکن وہ حقیقت میں دین کی روح سے نا آشنا ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایام شہزادگی میں اموی حکومت کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں حضرت انسؓ کا قیام بھی مدینہ منورہ میں تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شاہی خاندان میں پرورش پائی تھی اور دینی مسائل سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ لوگوں کو نماز پڑھاتے وقت کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کو ہمیشہ ٹوک دیتے تھے۔ ان کی بار بار کی روک ٹوک سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا۔ ایک دن حضرت انسؓ سے کہا کہ یہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں اور میری مخالفت پر ہر وقت کمر بستہ رہنے کا کیا سبب ہے؟

حضرت انسؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اگر آپ بھی اسی طرح نماز پڑھائیں تو مجھ سے زیادہ کوئی خوش نہ ہوگا ورنہ پھر میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا ہی ترک کر دوں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نہایت نیک نہاد اور سعید الفطرت تھے۔ حضرت انسؓ کے ارشاد سے بہت متاثر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے رموز دین کی تعلیم دیں۔ ان کو کیا عذر ہو سکتا تھا فوراً ہامی بھر لی اور تھوڑی ہی مدت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو رموز شریعت سے واقف کر دیا۔ اب وہ ایسی معتدل نماز پڑھانے لگے کہ خود حضرت انسؓ نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا کہ اب اس نوجوان کی نماز حضور نبی کریم ﷺ کی نماز کے عین مشابہ ہے۔

امر بالمعروف اور حق گوئی

امر بالمعروف اور حق گوئی کے معاملے میں حضرت انسؓ کو نہ لومتہ لائم کی پروا تھی اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی۔ نہ ان کو غلط کام سے ٹوکنے میں باک تھا اور نہ حق بات کہنے سے جھجکتے تھے۔ ایک مرتبہ مصعب بن زبیرؓ نے اپنی امارت بصرہ کے زمانے میں شہر کے ایک معزز انصاری کو سازش کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔ حضرت انسؓ کو علم ہوا تو وہ فوراً دارالامارت تشریف لے گئے۔ مصعب مسند امارت پر بیٹھے تھے۔ حضرت انسؓ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ نے امراء اور حکام کو وصیت فرمائی ہے کہ انصار سے خاص رعایت کی جائے، ان کے اچھوں سے اچھا سلوک کیا جائے اور جو برے ہیں ان کے معاملہ میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لیا جائے۔“ مصعب نے ”خادم رسول اللہ ﷺ“ سے یہ حدیث سنی تو مسند سے اتر کر اپنا رخسار فرش پر رکھ دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک سر آنکھوں پر، میں ان (زیر حراست انصاری) کو رہا کرتا ہوں۔

حضرت انسؓ ایک مرتبہ اموی حکومت کے ایک امیر حکم بن ایوب کے مکان پر تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ لوگ ایک مرغی کے پاؤں باندھ کر اس پر نشانہ لگا رہے ہیں۔ جب تیر لگتا تو وہ پھڑ پھڑانے لگتی۔ حضرت انسؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے، بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔

حجاج بن یوسف ثقفی کے بیٹے نے ایک مرتبہ قاضی بصرہ بننے کی خواہش کی۔ حجاج اس کو اس عہدہ پر فائز کرنا چاہتا تھا کہ حضرت انسؓ کو خبر ہوگئی۔ وہ حجاج کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا جو شخص قضا یا امارت کی خواہش کرے، رسول اللہ ﷺ نے اس عہدہ پر ایسے شخص کے تقرر کی ممانعت فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ عبید اللہ بن زیاد والی عراق کی مجلس میں حوض کوثر کا ذکر آیا تو اس نے اس کے وجود میں شک کا اظہار کیا۔ حضرت انسؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے۔ اٹھ کر سیدھے عبید اللہ کے دربار میں گئے اور اس کو حوض کوثر کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے

ارشادات سے آگاہ کیا اور جب تک وہ قائل نہ ہو گیا واپس تشریف نہ لائے۔
 ایک مرتبہ عصر کی نماز کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ کچھ لوگ ملاقات کے لیے آ گئے۔
 انھوں نے پوچھا، کس وقت کی نماز کی تیاری ہے؟ فرمایا عصر کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم تو ابھی
 ظہر پڑھ کر آ رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا، لوگ
 بیکار بیٹھے رہتے ہیں اور نماز کے لیے نہیں اٹھتے، جب وقت تنگ ہو جاتا ہے تو جلدی سے
 اٹھ کر مرغ کی طرح چار چونچیں مار لیتے ہیں، یہ منافق کی نماز ہوتی ہے، مومن کی نہیں۔

شجاعت و بسالت

شجاعت و بسالت میں بھی حضرت انسؓ جو انان انصار میں امتیازی حیثیت رکھتے
 تھے۔ نہایت ماہر قدر انداز اور اعلیٰ درجے کے شہسوار تھے۔ گھڑ دوڑ کے مقابلوں میں بہت
 دلچسپی لیتے تھے۔ بچپن میں اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ ایک دفعہ جنگلی خرگوش کا تعاقب کر کے
 اسے پکڑ لیا حالانکہ ان کے سب ہم عمر لڑکے ناکام لوٹے۔ حضرت انسؓ اپنے بچوں کو دینی
 تعلیم کے علاوہ تیر اندازی بھی سکھایا کرتے تھے۔ اگر ان کا نشانہ چوک جاتا تو خود ایسا تاک
 کر نشانہ لگاتے کہ تیر اپنے ہدف پر جا کر لگتا۔ جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ باوجود نو عمر ہونے
 کے عہد رسالت کے نو غزوات میں شریک ہوئے اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد عہد
 فاروقی کے بہت سے معرکوں میں بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔

گفتگو اور اجازت طلبی

حضرت انسؓ کی گفتگو بہت صاف اور چچی تلی ہوتی تھی۔ بالعموم ہر جملہ کی تین بار تکرار
 فرماتے تھے۔

مُسْنَدِ اَحْمَد میں ہے کہ حضرت انسؓ کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو تین بار اندر
 جانے کی اجازت طلب کرتے تھے۔



حضرت ربیعہ
 بن
 کعب سلمی رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
ایک دن فرمایا:

کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا
گیا، یا رسول اللہ! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح
صاحبِ دنیا (یعنی دنیا دار یا دنیا کا طالب) گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔
(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ربیعہ بن کعب سلمی رضی اللہ عنہ

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا شمار ان خوش بخت صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کو ہجرتِ نبویؐ کے بعد مسلسل کئی سال تک امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شبانہ روز خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا اور جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے کہ وہ ذات پاک آخرت میں ربیعہ کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے اور جنت میں جگہ دے۔

نام و نسب

نام ربیعہ اور کنیت ابو فراس پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ کتبِ سیر میں ان کا نسب نامہ اسی قدر بیان کیا گیا ہے کہ: ”ربیعہ بن کعب بن مالک بن یعر“ ان کا تعلق بنو اسلم سے تھا اس لیے اسلمی کہلاتے تھے۔ بنو اسلم عظیم عرب قبیلے بنو خزاعہ کا ایک بطن تھے۔ ان کی جائے سکونت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ کے نواح میں آباد تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ ان کی سکونت مرالظہر ان کے قرب و جوار میں تھی اور بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب آباد تھے۔ اصل میں بنو خزاعہ کی بہت سی شاخیں تھیں جو مختلف مقامات پر آباد تھیں۔

حضرت ربیعہ بن کعب کی آبائی جائے سکونت کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید عطا کی تھی۔

قبولِ اسلام

اگرچہ حضرت ربیعہؓ بن کعب ایک سعید الفطرت انسان تھے لیکن معلوم نہیں کیا موانع پیش آئے کہ وہ آنحضور ﷺ کے قیام مکہ کے دوران میں یعنی آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل نہ کر سکے البتہ جب حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب یعنی مدینہ تشریف لے گئے تو اس کے جلد ہی بعد حضرت ربیعہ بن کعب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔

ہجرت اور مدینہ منورہ میں مستقل قیام

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ربیعہ بن کعب نے اپنے وطن اور قبیلے کو خیر باد کہا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ یہاں ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اس لیے اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے جن کو رسولِ اکرم ﷺ کی سرپرستی حاصل تھی۔ اللہ کی شان کہ حضرت ربیعہ بن کعبؓ کے دل میں رسولِ پاک ﷺ سے ایسی عقیدت اور محبت پیدا ہوئی کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت کرنے میں گزارتے تھے۔ حضور ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھنا مخصوص خدمت تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں دن بھر نبی ﷺ کی خدمت کرتا یہاں تک کہ عشاء کی نماز ہو جاتی۔ جب حضور ﷺ نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے تو میں آپ ﷺ کے (گھر کے) دروازے پر بیٹھ جاتا کہ شاید حضور ﷺ کو کسی خدمت کی ضرورت پیش آ جائے (اور وہ میں بجالاؤں) میں دیر تک رسول اللہ ﷺ کی تسبیحات سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ (بروایت دیگر سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) کی آواز سنتا رہتا یہاں تک کہ تھک جاتا تو واپس آ جاتا یا نیند غالب آ جاتی تو وہیں سو جاتا۔



رسالتِ مآب کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا

حضرت ربیعہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اس طرح (والہانہ) خدمت کرتے دیکھا تو ایک دن مجھ سے نماز تہجد کے وقت فرمایا:

”اے ربیعہ! مجھ سے جو مانگنا چاہو، مانگو میں دوں گا۔“

میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے سوچنے کی مہلت دیجیے، میں سوچ کر عرض کروں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے میری درخواست قبول فرمائی اور مجھے سوچنے کی مہلت دے دی۔ میں نے سوچا کہ دنیا تو ختم ہونے والی چیز ہے اور مجھے دنیا میں اتنا رزق مل جائے گا جس سے میرا گزارہ ہو جائے گا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ سے اپنی آخرت کے لیے سوال کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا بہت بلند مرتبہ ہے۔

میں یہ سوچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا:

”ربیعہ! تم نے کیا سوچا (کیا فیصلہ کیا؟)“

میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری شفاعت کریں کہ میں

دوزخ کی آگ سے آزاد ہو جاؤں اور مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ربیعہ! تمہیں ایسا سوال کرنے کا مشورہ کس نے دیا؟

میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! بخدا کسی اور نے مجھے یہ مشورہ نہیں دیا، یہ بات خود میرے

دل سے اٹھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا جو بلند مقام ہے اس کے پیش نظر آپ سے اپنی آخرت کے لیے سوال کروں۔

میرا سوال سن کر رسول اللہ پر تک خاموش رہے پھر فرمایا:

”میں شفاعت کروں گا (یعنی تمہارا سوال پورا کروں گا) تم کثرت سے سجدے

کر کے اس سلسلے میں میری اعانت کرو۔“

شادی کرنے کی ہدایت

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ عرصہ تک بیوی بچوں کے جھنجٹ سے آزاد رہے۔

رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے لیے تجرد کی زندگی پسند نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک دن

آپ ﷺ نے حضرت ربیعہؓ سے پوچھا:

”اے ربیعہ! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟“

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرا ارادہ نکاح کرنے کا نہیں ہے کیونکہ میری اتنی

استطاعت ہی نہیں ہے کہ کسی عورت کا کفیل ہو سکوں اور دوسرے میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ

کو چھوڑ کر کسی اور شے کی طرف رغبت کروں۔ حضور ﷺ حضرت ربیعہؓ کا جواب سن کر کچھ دیر

خاموش رہے اور پھر اپنا پہلا سوال دہرایا۔ حضرت ربیعہؓ نے پھر ویسا ہی جواب دیا کہ جو چیز آپ

کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہو، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

حضرت ربیعہؓ نے دل میں سوچا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ میری دنیا اور آخرت کی بھلائی

کو جانتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو میرا متاہلانہ زندگی اختیار کرنا پسند ہے۔ اگر

آپ نے مجھے شادی کرنے کا حکم دیا تو میں انکار نہیں کروں گا۔ چنانچہ ایک دن جب حضور ﷺ

نے پھر ان سے پوچھا، اے ربیعہ! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ تو حضرت ربیعہؓ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے شادی کرنے کا حکم دیتے ہیں تو میں ضرور تعمیل ارشاد

کروں گا لیکن میرے افلاس اور میری بے سروسامانی کا آپ کو علم ہے۔ کون عورت مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہوگی۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اے ربیعہ! تم انصار کے فلاں قبیلے کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مجھے رسول اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم اپنے قبیلے کی فلاں عورت سے میری شادی کر دو۔“

حضرت ربیعہؓ حضور ﷺ کے بتائے ہوئے انصاری قبیلے کے پاس گئے اور ان کو حضور ﷺ کے ارشاد سے آگاہ کیا تو وہ بلا حیل و حجت ان کا اس خاتون سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

حضرت ربیعہؓ کی شادی

بارگاہ رسالت میں واپس آ کر حضرت ربیعہؓ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“

حضور ﷺ نے حضرت بربیدہ بن حصیبؓ کو حکم دیا کہ ربیعہ کے لیے ایک گٹھلی وزن کے برابر سونا جمع کر دو۔ انھوں نے اس مقدار میں سونا جمع کر دیا۔ حضور ﷺ نے یہ سونا حضرت ربیعہ کو عطا فرمایا۔ اب وہ انصاری قبیلے کے پاس گئے اور یہ سونا حق مہر کے طور پر دے کر نامزد کردہ خاتون سے نکاح کر لیا۔ اب انھوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں شادی تو کر لی ہے اب میری مدد فرمائیے کہ ولیمہ کر سکوں۔

حضور ﷺ نے ایک مینڈھے اور کچھ غلے کا انتظام فرما دیا جس سے حضرت ربیعہؓ نے

دعوت ولیمہ کی۔ حضور ﷺ بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔

شادی کے بعد

شادی کے بعد حضرت ربیعہؓ بن کعب نے مدینہ منورہ میں مستقل گھر بنا لیا اور اہل مدینہ میں شمار ہونے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے وجہ معاش کے لیے تھوڑی سی زمین بھی عطا فرمائی جس میں کھجور کے کچھ درخت بھی تھے۔ اپنی ازدواجی زندگی کو حضرت ربیعہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت گزاری میں خلل انداز نہ ہونے دیا اور وہ زیادہ سے زیادہ وقت حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتے رہے۔

غزوات میں رسول پاک ﷺ کی ہم رکابی

بعض ارباب سیر کا بیان ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں جو غزوات ہوئے، ان میں حضرت ربیعہؓ بن کعب رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ اس بیان میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے یا بعض میں۔

(سیر الصحابہ جلد ہفتم بحوالہ طبقات ابن سعد)

ایک عجیب مقدمہ

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ربیعہؓ بن کعب کو مدینہ منورہ میں جو زمین عطا فرمائی تھی۔ اس سے متصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کچھ زمین بھی تھی۔ ایک دفعہ کھجور کے ایک درخت یا تنے کے بارے میں حضرت ربیعہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا۔ اس سلسلے میں دونوں بزرگوں کے درمیان بحث و تکرار کے دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ربیعہؓ سے کوئی سخت (ناگوار یا ناملائم) بات کہہ دی۔ بعد میں جب احساس ہوا کہ مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی تو حضرت ربیعہؓ سے بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ اے ربیعہ! تم بھی مجھے ایسی ہی بات کہہ لو تا کہ آخرت میں مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔

حضرت ربیعہؓ کو علم تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بارگاہ رسالت میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔ وہ ان کو کوئی سخت بات کہنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

”اگر تم ایسا نہیں کرتے تو میں یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔“

حضرت ربیعہؓ نہیں چاہتے تھے کہ یہ معاملہ رسول اکرم ﷺ تک پہنچے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اس معاملے کو یہیں رہنے دیں، بہتر یہی ہے کہ حضور ﷺ تک یہ بات نہ پہنچے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے اتفاق نہ کیا اور آستانہ نبوی کی طرف چل پڑے۔ حضرت ربیعہؓ کے قبیلے کے کچھ لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ کہنے لگے، یہ تو عجیب معاملہ ہے کہ سخت بات بھی حضرت ابوبکرؓ نے خود کہی اور خود ہی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کرنے جا رہے ہیں۔ حضرت ربیعہؓ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور سمجھایا کہ خبردار تم میں سے کسی کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جس سے ابوبکر صدیقؓ کو صدمہ پہنچے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے یارِ غار ہیں۔ انھوں نے تم لوگوں کو میری حمایت کرتے دیکھا تو وہ ناراض ہو جائیں گے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ناراض اور خشم ناک دیکھا تو آپ ﷺ کو بھی غصہ آ جائے گا اور ان دونوں کے غصے سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھی بھڑک اٹھے گا اور ربیعہ تباہ ہو جائے گا۔

حضرت ربیعہؓ کے اہل قبیلہ تو یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت ربیعہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے پیچھے چل پڑے یہاں تک کہ دونوں بزرگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ اب دونوں نے اپنی اپنی معروضات رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیں اور جو گفتگو دونوں کے درمیان ہوئی تھی اس کا ذکر بھی کیا۔

ان کی معروضات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ”ربیعہ! تم نے اچھا کیا کہ ابوبکر کو کوئی سخت بات نہیں کہی۔ تم اب یوں کہہ دو کہ اے ابوبکر! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔“

حضرت ربیعہؓ نے تعمیل ارشاد کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ پر رقت طاری ہو گئی اور وہ زار زار رونے لگے۔

(فتح الباری، مسند احمد، البدایہ والنہایہ)

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس نزاع میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت ربیعہؓ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔

نقل سکونت اور وفات

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ربیعہ بن کعبؓ نے دل برداشتہ ہو کر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر دی اور اپنے قبیلے میں چلے گئے وہیں ۶۳ ہجری میں انھوں نے وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور فقراء (غریبوں) حاجت مندوں) کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جس نے دعوت کو (بلا عذر شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت معقّب

بن

ابی فاطمة الدوسی رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:.....
ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں..... سلام کا جواب دینا۔ بیمار کی
عیادت کرنا۔ جنازے کے ساتھ جانا۔ دعوت قبول کرنا۔ چھینک آنے پر یرحمک اللہ
کہہ کر اس کے لیے دعائے رحمت کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت معقیب بن ابی فاطمۃ الدوسیؓ خاتم بردارِ رسول اللہ ﷺ

نام و نسب

حضرت معقیب بن ابی فاطمۃ سَابِقُونَ الْأَوْلُونَ کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن تھے اور ان کا شمار عظیم المرتبت صحابہ کرام میں ہوتا ہے لیکن حیرت ہے کہ ارباب سیر میں سے کسی نے ان کا نسب نامہ نہیں بیان کیا اور صرف ان کے والد کی کنیت ”ابی فاطمۃ“ لکھنے پر اکتفا کیا ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ یہ قبیلہ مشہور عرب قبیلے ”بنوازد“ کی ایک شاخ تھا۔ بنو دوس کے مساکن تہامہ یمن کے نزدیک جبال السراة میں تھے۔ نامور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔

قبولِ اسلام اور ہجرت

جمہور ارباب سیر کے بیان کے مطابق بعثت نبوی کے وقت حضرت معقیب قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے حلیف کی حیثیت سے مکہ میں مقیم تھے۔ بقول علامہ ابن اثیر وہ بنو عبد شمس کے ایک رئیس سعید بن عاص بن امیہ کے حلیف تھے۔ معلوم نہیں وہ کب اور کیوں اپنا وطن چھوڑ کر مکہ آئے بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ تلاش روزگار کے سلسلے میں مکہ آئے اور سعید بن عاص بن امیہ کے غلام کی حیثیت سے مکہ میں مقیم ہو گئے۔

سعید بن عاص نے ان کو آزاد کر کے اپنا حلیف بنا لیا۔ حقیقت حال کچھ بھی ہو یہ بات ثابت ہے کہ معقیب نوشت و خواند میں مہارت رکھنے والے ایک سلیم الفطرت نوجوان تھے۔ ان

کے قیامِ مکہ کے کچھ عرصہ بعد رسولِ اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہ بلا تامل ان اصحاب میں شامل ہو گئے جنہوں نے بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے ہی میں دعوتِ حق پر لبیک کہنے کا شرف حاصل کیا۔ یہ اہلِ حق کے لیے بڑا پر آشوب دور تھا کیونکہ جو شخص اسلام قبول کرتا وہ مشرکینِ قریش کے قہر و غضب اور ظلم و ستم کا نشانہ بن جاتا۔ علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت معیقیب مشرکین کے رویہ کو دیکھتے ہوئے قبولِ اسلام کے بعد اپنے وطن واپس چلے گئے لیکن حافظ ابنِ عبدالبر، حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور بیشتر دوسرے اربابِ سیر کے بقول حضرت معیقیبؓ قبولِ اسلام کے بعد مکہ ہی میں مقیم رہے اور دوسرے اہلِ حق کی طرح مشرکینِ قریش کے ظلم و ستم سہتے رہے۔ ۵۔ بعد بعثت میں رسولِ اکرم ﷺ کے ایماء پر مشرکین کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے اہلِ حق کی ایک مختصر جماعت مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ (جیش) چلی گئی جہاں ایک نیک دل بادشاہ کی حکومت تھی۔ اگلے سال ۶۔ بعد بعثت میں بھی مظلوم مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ (رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں) مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا۔ اس قافلے میں حضرت معیقیبؓ بھی شامل تھے۔

حبشہ سے واپسی

حضرت معیقیبؓ راہِ حق میں کئی سال غریبِ الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد جب حبشہ سے واپس آئے تو اس وقت رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے بیشتر اصحابؓ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے چکے تھے اس لیے حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ بھی حبشہ سے واپس مدینہ پہنچے۔ وہ کس زمانے میں مدینہ واپس آئے اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر ۲ ہجری) سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور غزوہ بدر سمیت عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ مزید برآں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت معیقیبؓ غزوہ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے بعد حبشہ سے مدینہ واپس آئے۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت معیقیب حبشہ سے ان لوگوں (مہاجرین حبشہ) کے ساتھ آئے تھے جو دو کشتیوں میں سوار ہو کر مدینے پہنچے تھے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ خیبر میں تھے۔ جمہور ارباب سیر نے اسی دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔ حبشہ سے مدینہ واپس آنے والے تمام یا ان میں سے بیشتر اصحاب مدینے سے خیبر پہنچ گئے جہاں حضور ﷺ نے نہایت مسرت سے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت لڑائی ختم ہو چکی تھی اس لیے ان اصحاب کو غزوہ میں عملاً شریک ہونے کا موقع نہ ملتا تاہم حضور ﷺ نے ان کو بھی خیبر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے خیبر سے مدینہ کو مراجعت فرمائی تو تمام اصحاب بھی آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

غزوہ خیبر کے بعد

غزوہ خیبر کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات پیش آئے۔ حضرت معیقیب کو رسول اکرم ﷺ نے ایک خاص خدمت سپرد فرمائی جس کا اہل کوئی انتہائی با اعتماد آدمی ہی ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر ان کو حضور ﷺ کے خادمان خاص میں شمار ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ مذکورہ خدمت خاص یہ تھی کہ حضور ﷺ نے اپنی مہر مبارک ان کی تحویل و حفاظت میں دے دی۔ اس مہر مبارک کی یہ اہمیت تھی کہ یہ عہد رسالت میں حضور ﷺ کے تمام مراسلات (مکاتیب) فرامین، معاہدات اور پیغامات پر لگائی جاتی رہی۔ یہ مہر مبارک چاندی کی انگوٹھی کی صورت میں تھی جس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے تین الفاظ اس طرح کندہ کرائے کہ ”اللہ“ کا لفظ سب سے اوپر، اس کے نیچے ”رسول“ کا لفظ اور اس کے نیچے ”محمد“ کا لفظ تھا۔ نقش کی تحریر الٹی تھی جس کے الفاظ مہر لگانے پر سیدھے آتے تھے اور مہر کی صورت یوں بنتی تھی۔

اللہ

رسول

محمد

اس انگشتری یا مہر کو حضور ﷺ کبھی اپنے دائیں اور کبھی بائیں دست مبارک کی چھوٹی انگشت مبارک میں پہنا کرتے تھے لیکن بسا اوقات یہ حضرت معقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی۔ اس طرح وہ خاتم بردار رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ یہ ایک منفرد اور بہت بڑا اعزاز تھا اور رحمت عالم ﷺ کی طرف سے گویا اس بات کی شہادت تھا کہ معقیبؓ ایک نہایت امین اور ذمہ دار آدمی ہیں۔ حضرت معقیبؓ ان معدودے چند صحابہ میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لیے بعض اوقات مستقل کتابانِ وحی کی غیر حاضری میں ان کو یہ سعادت بھی حاصل ہو جاتی تھی کہ رسول اکرم ﷺ ان سے بھی کتابتِ وحی کی خدمت لے لیا کرتے تھے یعنی جب کبھی حضور ﷺ پر ایسے وقت وحی نازل ہوتی جب مستقل کتابانِ وحی میں سے کوئی صاحب بھی آپ ﷺ کے پاس موجود نہ ہوتے اور حسن اتفاق سے حضرت معقیبؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کو حکم دیتے کہ وحی کو معرض تحریر میں لے آئیں۔

عہدِ شیخینؓ میں

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی حضرت معقیبؓ کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا اور انہیں مالی امور (مالیات کے صیغے) کا نگران مقرر کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرت معقیبؓ کا بہت احترام اور لحاظ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں حضرت معقیبؓ کو بیت المال کا خازن مقرر کیا۔ یہ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ بروایت دیگر انہوں نے حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کو بیت المال کا افسر بنایا اور حضرت معقیبؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عبید القاری کو ان کا نائب مقرر کیا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”الفاروق“ میں جہاں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ارقمؓ نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے وہاں حضرت معقیبؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عبید القاریؓ دونوں کو لائق اصحاب قرار دیتے ہوئے حضرت معقیبؓ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

”معقیبؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے انگشتری بردار تھے اور اس

کی وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معقیبؓ کو حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کا معاون (مددگار) بھی مقرر فرمایا تھا جو عہدہ کتابت پر فائز تھے اس طرح حضرت معقیبؓ افسر خزانہ اور افسر کتابت دونوں کی نیابت کا فرض انجام دیتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت معقیبؓ سے غیر معمولی محبت تھی اور وہ ان کے بے حد قدردان تھے۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ خلافتِ فاروقی کے دوران میں حضرت معقیبؓ کو جذام کی شکایت ہو گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ملک کے کئی مشہور طبیبوں سے ان کا علاج کرایا لیکن چنداں فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں دویمینی طبیبوں کے علاج سے اتنا فائدہ ہوا کہ مرض آگے بڑھنے سے رک گیا۔ اس کے برعکس علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ علاج سے بالکل تندرست ہو گئے۔ عام طور پر لوگ جذام میں مبتلا مریضوں سے کراہت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ملنے جلنے اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں لیکن حضرت عمر فاروقؓ کو ان کا اس قدر پاس اور لحاظ تھا کہ ان کو جذام میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ طرز عمل صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔

محدث ابوداؤد کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی جائداد وقف کی تو وقف نامہ کی کتابت حضرت معقیبؓ ہی سے کرائی۔

عہدِ عثمانی میں

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے بھی حضرت معقیبؓ کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا۔ ان کے دورِ خلافت میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی مہر مبارک (انگشتری) حضرت معقیبؓ کے ہاتھ سے اریس کے کنوئیں میں گر گئی اور باوجود تلاشِ بسیار پھر نہ ملی۔

وفات

حضرت معقیبؓ کے زمانہ وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت کے آخر میں وفات پائی۔ (۳۵ ہجری) اور دوسری روایت یہ ہے کہ انھوں نے ۴۰ ہجری میں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں سفر آخرت اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ان کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے محمد بن معقیبؓ کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے اپنے والد گرامی سے روایت بھی کی ہے۔

علمی مقام و مرتبہ

حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ کا شمار اگرچہ اونچے درجے کے (یعنی طبقہ اول کے) فضلاء صحابہ میں نہیں ہوتا لیکن ان نفوس قدسی میں ضرور ہوتا ہے جو نوشت و خواند (پڑھنے لکھنے) میں مہارت رکھتے تھے اور جن کی دیانت و امانت قطعی طور پر مسلم الثبوت تھی۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں جن میں دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔

حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسری سے مروی دو احادیث

- ۱- حضرت معقیب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص کی نسبت جو سجدہ میں مٹی صاف کیا کرتا تھا، فرمایا اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو صرف ایک مرتبہ کر لیا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
- ۲- حضرت معقیبؓ کے بیٹے محمدؓ ان سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ جہنم کی آگ کس پر حرام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متواضع، منکسر المزاج، شریف اور خوش اخلاق آدمی پر۔ (اسد الغابہ، ابن اثیر)



حضرت ذومرہ جلیلی رضی اللہ عنہ

حدیثِ نبویؐ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی وہ بات اس کے پس پشت بیان کرے جس سے وہ ناخوش ہو۔ کسی نے عرض کیا، اگر میرے بھائی میں وہ (بری) بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں تو پھر کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں واقعی وہ بات موجود ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔

(صحیح مسلم)

حضرت ذومخر حبشی رضی اللہ عنہ

نام و نسب

ان کا شمار ان خوش بخت اصحاب میں ہوتا ہے جو مکہ یا کسی اور عرب بستی یا علاقے کے رہنے والے نہیں تھے مگر ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سینکڑوں میل دور ایک غیر ملک سے مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہوئے۔ نام ذومخر اور بروایت دیگر ذومخر تھا۔ حبشہ (ایتھوپیا) کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔

علامہ ابن اثیر اور بعض دوسرے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ وہ شاہ حبشہ (نجاشی) کے بھتیجے تھے گویا ان کی رگوں میں شاہی خون دوڑتا تھا۔ حضرت ذومخر کو دولت ایمان حاصل کرنے کے علاوہ جو خاص شرف حاصل ہوا، وہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور یوں حضور ﷺ کے خادمان خاص میں شامل ہو گئے۔

قبول اسلام اور بارگاہ رسالت میں حاضری

حضرت ذومخر رضی اللہ عنہ نے کب اسلام قبول کیا، مدینہ پہنچنے سے پہلے یا بعد، اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض ارباب سیر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ مدینہ آنے سے پہلے حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے کیونکہ ان کے چچا شاہ حبشہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ ان کے تتبع میں ذومخر اور بہت سے دوسرے اہل حبشہ نے

علامہ ابن سعد کاتب الواقدی اور امام اوزاعی نے ان کا نام ذومخر بیان کیا ہے۔ (ایک روایت میں صرف ذومخر بھی آیا ہے) مگر امام ترمذی نے ان کا نام ذومخر لکھا ہے۔

بھی اسلام قبول کر لیا تھا یوں ذو حمرہؓ ایک مسلمان ہی کی حیثیت سے مدینہ پہنچے۔
 نجاشی (شاہ حبشہ اصحمہؓ کے قبولِ اسلام پر سب اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ وہ خود تو بعض
 مجبوریوں کی بنا پر بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے البتہ انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت
 ذو حمرہؓ کو اس وفد میں شامل کر دیا جو حبشہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ یہ وفد جو
 حبشہ کے بہترین فطرت انسانوں پر مشتمل تھا، ۶ ہجری کے آخر میں حبشہ سے مدینہ منورہ
 کے لیے روانہ ہوا۔ وفد میں شامل اصحاب کا مقصد رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وفد سے پہلے دو اور وفدوں نے مکہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ہجرت
 نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ان میں سے ایک وفد جس کشتی یا جہاز میں سوار تھا وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر
 سمندر میں ڈوب گئی اور اس میں سوار تمام اصحاب بھی غرق آب ہو گئے البتہ دوسرا وفد مکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔
 یہ وفد بیس آدمیوں پر مشتمل تھا جو سب عیسائی تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ منورہ آئے تھے کہ رسولِ اکرم کی
 خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں
 حاضر ہو کر حضور سے کچھ سوالات پوچھے۔ آپ نے ان کے سوالوں کا جواب دیا پھر ان کو اسلام کی دعوت دی
 ساتھ ہی قرآن حکیم کی چند آیات ان کے سامنے پڑھیں۔ (قیاس غالب ہے کہ وہ لوگ عربی زبان سے آشنا
 تھے) وہ یہ آیات سن کر اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ بے اختیار پکاراٹھے
 کہ بے شک یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ کہہ کر سب اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس موقع پر چند مشرکین بھی
 وہاں موجود تھے۔ جب اہل حبشہ وہاں سے جانے لگے تو ابو جہل اور اس کے چند ساتھی ان کے پیچھے ہو لیے
 اور کچھ دور جا کر ان کو ملامت کرنے لگے کہ تم بڑے بد بخت لوگ ہو تم تو اس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے
 کہ نبی ہونے کا دعویٰ کرنے والے شخص کے بارے میں تمام حالات معلوم کر کے واپس جاؤ گے اور اپنے ہم
 وطنوں کو بتاؤ گے کہ خود مکہ کے رہنے والے اس کو نبی نہیں مانتے لیکن تم تو اس سے پہلی ہی ملاقات میں اپنا
 مذہب چھوڑ کر اس کے دین میں داخل ہو گئے۔ آخر ایسی حماقت کی کیا ضرورت تھی؟
 انہوں نے جواب دیا:

”بھائیو! تم کو سلام ہم تم سے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے تم اپنے طریقے پر چلتے رہو اور ہمیں اپنی پسند
 کے طریقے پر چلنے دو۔“ یہ سن کر مشرکین مکہ خاموش ہو گئے۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ
 کیا گیا ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلِّمْ عَلَيْكُمْ لَا
 تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ۔ (القصص: آیت ۵۵)

اور جب انہوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے
 ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے تم کو سلام ہو ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

حاصل کرنا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آ رہے تھے۔ یہ اصحاب بارہ تیرہ سال پہلے (۵ اور ۶ بعد بعثت میں) مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے اہل حبشہ کا وفد اسی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ رسول کریم ﷺ اس وقت غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھ آنے والے اصحاب تو خیبر جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اہل حبشہ کا وفد مدینہ منورہ ہی میں ٹھہر گیا۔ رسول اکرم ﷺ فتح خیبر کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل حبشہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت ذونجرؓ کے علاوہ جن دوسرے اصحاب کو اس موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل ہوا، ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت ذومناحبؓ، حضرت ذومہدمؓ، حضرت ذودجنؓ، حضرت دریدالراہبؓ، حضرت ابرہہؓ، حضرت ادریسؓ، حضرت اشرف حبشیؓ، حضرت بحیر الحبشیؓ، حضرت تمیم الحبشیؓ، حضرت تمامؓ ان سب اصحاب کے بارے میں بیشتر ارباب سیر نے یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے مدینہ آنے سے پہلے ہی نجاشی کے تتبع میں اسلام قبول کر لیا تھا اور نجاشی حضرت اصحمہؓ ہی نے ان کو (ایک وفد کی صورت میں) بارگاہ رسالت میں حاضری کے لیے مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وفد میں شامل تمام اصحاب کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس وفد میں شامل اہل کتاب اصحاب کے بارے میں قرآن حکیم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا

وَيَذَرُهُمْ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ .

(سورۃ القصص آیات: ۵۲ تا ۵۳)

ترجمہ :- جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی، وہ اس (قرآن)

پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا۔ اس صبر (ثابت قدمی) کے بدلے جو انہوں نے دکھائی۔ وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

قرآن حکیم کے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ المائدہ کی یہ آیات بھی ان اصحاب

(جسہ سے آنے والے وفد کے ارکان) کے بارے میں نازل ہوئیں :-

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ
 أَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا
 نَصْرِيُّ ط ذَلِكِ بَانَ مِنْهُمْ قَسِيْسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا
 يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ
 تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا
 فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

(المائدہ آیات ۸۲، ۸۳)

ترجمہ :- تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے

اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب ترین ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا

کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے

جاتے ہیں اور ان میں غرورِ نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

اس وفد کے بعض ارکان نے دیارِ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور مدینہ منورہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان اصحاب میں حضرت ذو حمر بھی شامل تھے۔

یہ نصیب، اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یوں تو حبشہ سے آنے والے وفد کے سبھی اراکین کو خوش بخت کہا جاسکتا ہے کہ ان کو ایمان کی دولت اور خاتم الانبیاء والمرسلین کی صحبت حاصل ہو گئی لیکن حضرت ذو حمر خوش بختی میں اپنے تمام ساتھیوں پر بازی لے گئے۔ وہ یوں کہ ان کو خادم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے خدام میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت ہی کو اپنی زندگی کا مقصد و حید بنا لیا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

جن آیام میں رسول اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ میں قیام ہوتا، حضرت ذو حمر آپ ﷺ کی خدمت میں گوش برآواز رہتے اور جس کام یا خدمت کے لیے حضور ﷺ ارشاد فرماتے وہ تعمیل ارشاد کرتے۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت ذو حمر کو حضور ﷺ کے موالی (آزاد کردہ غلاموں میں شمار کیا ہے۔)

سفر میں رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کو کوئی سفر پیش آ جاتا تو آپ حضرت ذو حمر کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اس طرح ان کو سفر میں بھی حضور ﷺ کی ہم رکابی اور خدمت کا موقع مل جاتا تھا۔ ارباب سیر نے حضرت ذو حمر کے کسی غزوہ یا سرتیہ میں

شریک ہونے یا نہ شریک ہونے کے بارے میں تصریح نہیں کی لیکن سفر میں حضور ﷺ کے ہم رکاب ہونے کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کو غزوات میں شریک ہونے کی سعادت ضرور حاصل ہوئی ہوگی کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے اکثر اسفار غزوات کے سلسلے میں ہوئے۔ مسند احمد بن حنبل میں خود حضرت ذوالحجہ سے مروی ایک حدیث میں حضور ﷺ کے ایک سفر کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے۔ ایسا آپ سامان سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے تا کہ منزل مقصود تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگے اور جو سامان موجود ہے سارے سفر میں وہی کفایت کرے (چنانچہ اس سفر میں بھی آپ ﷺ آگے نکل گئے تو ایک صاحب نے عرض کیا: “

”یا رسول اللہ (ﷺ)! بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔“

یہ سن کر آپ ﷺ وہیں رک گئے اور پیچھے رہ جانے والے لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ سب آگئے تو آپ ﷺ نے تمام ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اگر تم لوگ چاہو تو یہاں آرام کر لو۔“

پھر فرمایا:

”رات کو نگرانی کون کرے گا؟“

”میں“ (حضرت ذوالحجہ) نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔“

آپ ﷺ نے اونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا:

(نیند کی وجہ سے) غافل نہ ہو جانا (نگرانی کا فریضہ ہوشیاری سے انجام دینا)

میں حضور ﷺ کی اور اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور لے گیا اور دونوں اونٹنیوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں دونوں کو دیر تک برابر دیکھتا رہا پھر مجھے نیند آ گئی۔ میں ایسی گہری نیند سویا کہ سورج طلوع ہونے تک غافل پڑا رہا۔ جب سورج کی کرنیں مجھ پر پڑنے لگیں تو بیدار ہوا۔ اٹھتے ہی اونٹنیوں کا خیال آیا، دیکھا تو دونوں چر رہی تھیں۔ میں دونوں کی نکیل پکڑ کر اس طرف گیا جہاں سب لوگ سو رہے تھے۔ میں نے کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور اس سے پوچھا:

”کیا آپ لوگوں نے نماز پڑھ لی؟“

اس نے کہا، نہیں

پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا، رسول اللہ ﷺ بھی اٹھے۔ آپ ﷺ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر (قضا) پڑھی۔“ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۳۳)

ارباب سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ کسی ایسے سفر میں پیش آیا جو کسی غزوہ کے لیے پیش آیا۔ اسی روایت کی بنا پر حضرت ذوالحجۃ کا کسی غزوہ (یا بعض غزوات) میں شریک ہونا بعید از قیاس نہیں۔

وفات

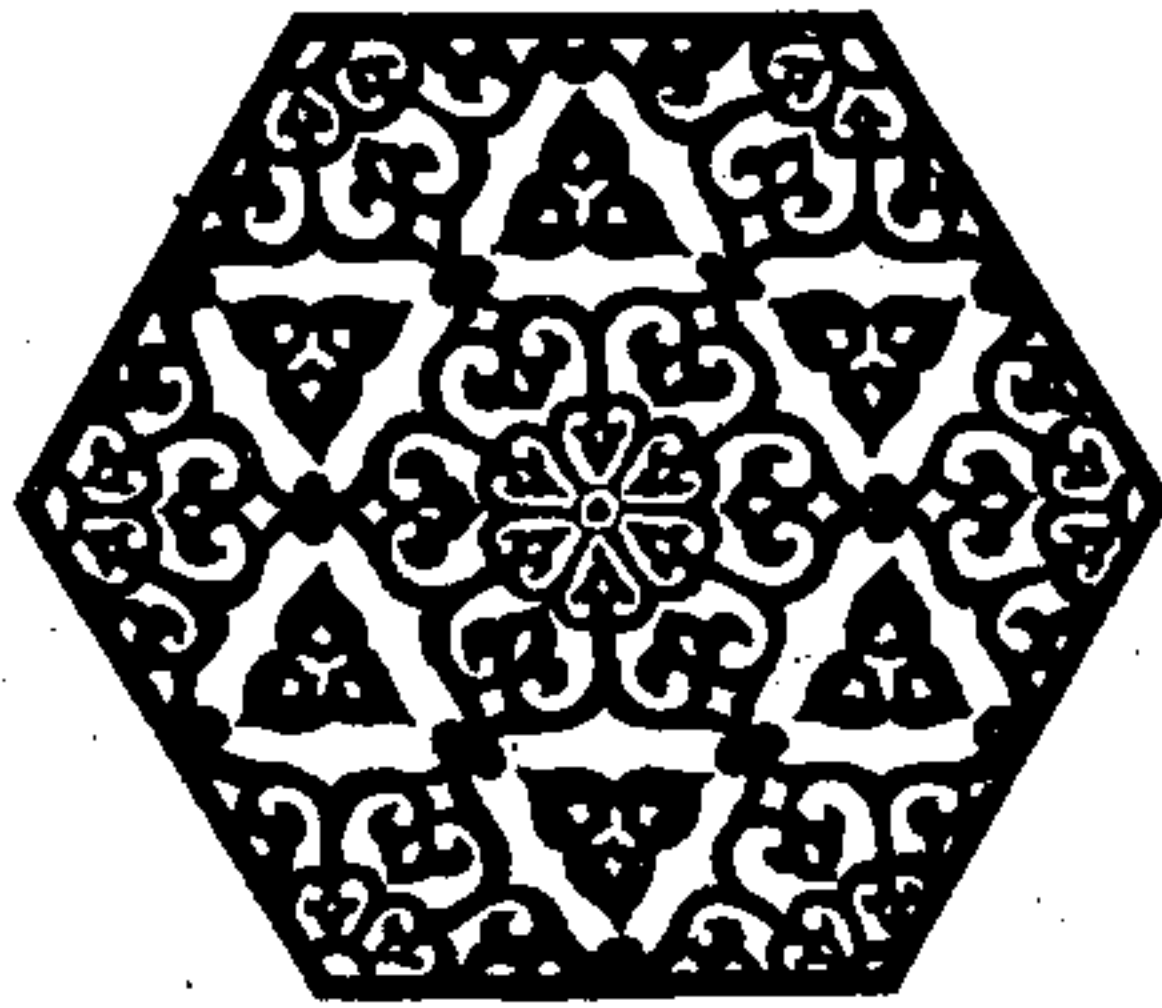
حضرت ذوالحجۃ رسول اکرم ﷺ کی وفات (۱۱ ہجری) اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو مدینہ منورہ سے شام چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی اسی لیے ارباب سیر نے ان کو شامین صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حضرت ذوالحجۃ کتنا عرصہ شام میں رہے اور انہوں نے کب وفات پائی، کتب سیر میں ان سوالوں کا جواب نہیں ملتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت ذوالحجۃ شام گئے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت ذوحجرؓ سے مروی چند احادیث مُسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ ان سے مروی ایک حدیث ”سفر میں رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی“ کے زیر عنوان آچکی ہے، دو مزید یہ ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ معاملہ (خلافت کا) قبیلہ حَمِیر میں تھا مگر اب اللہ نے اس کو قریش میں قائم کر دیا ہے۔

۲- نبی ﷺ نے (ہلکا سا) وضو کیا جس سے مٹی بھی نہیں بھیگی (یعنی کیچڑ نہیں ہوئی) پھر آپ ﷺ نے بلال کو حکم دیا (کہ اذان دو) انھوں نے اذان دی۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اطمینان کے ساتھ پڑھی (پھر) آپ ﷺ نے بلال سے فرمایا، نماز کو قائم کرو (یعنی اقامت کہو) انھوں نے اقامت کہی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، کسی قسم کی عجلت آپ ﷺ کو نہ تھی۔ (اُسُدُ الغابہ)



حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

حضرت ابورافعؓ کا شمار ان خوش بخت صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جن کو خیر البشر ﷺ کا غلام بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ ان کا حسن کردار تھا یا حضور ﷺ کا رحم و کرم اور آپ ﷺ کی بندہ نوازی کہ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا مگر انھوں نے عمر بھر حضور ﷺ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔

نام و نسب

حضرت ابورافعؓ کے نام کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی روایت میں اسلم، کسی میں ابراہیم، کسی میں ثابت اور کسی میں ہرمز بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ”اسلم“ پر جزم کیا ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ بعض روایتوں میں ان کو حبشی بتایا گیا ہے اور بعض میں قبلی۔ ان کا سلسلہ نسب کسی نے بیان نہیں کیا۔ ان کی کنیت ”ابورافع“ پر سب کا اتفاق ہے۔

غلامی اور آزادی

ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ ابورافعؓ مکہ کب اور کیسے پہنچے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ابتدا میں عم رسول حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے غلام تھے، انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی نذر کر دیا (بطور ہبہ یا ہدیہ)۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابورافع کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشی میں آزاد کیا لیکن اس روایت میں ابہام ہے کیونکہ حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام کا اظہار کئی سال بعد کیا تھا۔ (غزوہ بدر میں وہ قریش کے لشکر میں شامل تھے۔) جبکہ حضرت ابورافعؓ ہجرت نبویؐ سے پہلے اس وقت مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے جب وہ حضرت عباس کی غلامی میں تھے لیکن انہوں نے اپنا اسلام غزوہ بدر تک مخفی رکھا تھا۔ بعد میں وہ ہجرت کرنے کے مدینہ پہنچے اور اُحد اتراب اور خیبر وغیرہ تمام غزوات نبویؐ میں شریک ہوئے۔

قبولِ اسلام

حضرت ابورافع نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ خود اس طرح بیان کیا ہے:

”ایک دفعہ مشرکینِ قریش نے مجھے کسی کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ حضور ﷺ کے روئے انور پر نگاہ پڑتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! میں اب قریش کے پاس واپس نہ جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا، اب تو تم واپس جاؤ۔ اگر پھر بھی تم اسلام کی طرف میلان کا جذبہ اپنے اندر پاؤ تو واپس آ جانا۔“ چنانچہ اس وقت تو میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں قریش کے پاس واپس آ گیا لیکن جلد ہی ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸)

یہ واقعہ یقیناً ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے پیش آیا۔ اس کا ثبوت طبقات ابن سعد میں موجود حضرت ابورافع کے اس بیان سے ملتا ہے:

”میں حضرت عباسؓ کا غلام تھا اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ، ان کی اہلیہ ام الفضلؓ اور میں سب مسلمان ہو چکے تھے مگر حضرت عباسؓ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ غزوہ بدر کے بعد جب مشرکینِ قریش کے گھر گھر میں ماتم برپا تھا، ہمارے ہاں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ جس وقت مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست کی خبر مکہ پہنچی، میں اس وقت چاہِ زمزم کے قریب ایک حجرے میں تیر بنا رہا تھا اور میری مالکہ ام الفضلؓ بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابوہب پاؤں گھسیٹتا ہوا ہماری طرف آیا اور حجرے کے قریب میری پشت کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔) ادھر سے گزرے ابوہب نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور ان سے بدر کے حالات پوچھنے لگا۔ انہوں نے کہا۔ ”واللہ مسلمانوں نے ہماری قوت تباہ کر دی، قریش کی حالت مسلمانوں کے

سامنے ایسی تھی جیسے مردہ غسل کے ہاتھوں میں بے بس ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے جس کو چاہا قتل کر دیا اور جس کو چاہا قید کر لیا، ایک عجیب بات ہم نے یہ دیکھی کہ بہت سے سفید پوش سوار مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے۔“ میں نے ابوسفیان بن حارث کی بات سن کر کہا ”وہ فرشتے تھے اس پر ابولہب بھڑک اٹھا اور میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ میں بھی اس سے گتھم گتھا ہو گیا لیکن وہ طاقتور تھا، مجھے گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور مجھے بے تحاشا مارنے لگا۔ اُمّ الفضل پہلے تو خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں (شاید اس لیے کہ ابولہب ان کے شوہر کا بڑا بھائی تھا) پھر وہ انھیں اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ لہولہبان ہو گیا۔ پھر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔

”اس کا آقا یہاں نہیں ہے اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے؟“

ابولہب کو بھادج پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ بکتا جھکتا وہاں سے چلا گیا۔
(طبقات ابن سعد، تاریخ طبری)

آزاد ہونے پر حضور ﷺ کے خادم بن گئے

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت ابورافعؓ کو رسول اکرم ﷺ کی نذر کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ (اس وقت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے)۔ حضرت ابورافعؓ نے آزاد ہونے کا سن کر رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے کہا، یہ رونے کا کون سا موقع ہے، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ آزادی مل گئی۔

انہوں نے فرمایا: ”نہیں نہیں، میں آج ایک اجر سے محروم ہو گیا ہوں، میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی غلامی سے بڑھ کر کون سی سعادت ہو سکتی ہے، میں تو عمر بھر آپ ﷺ کا غلام (خادم) بن کر رہوں گا۔“

اور پھر وہ زندگی کے آخری سانس تک اپنے آپ کو حضور ﷺ کا غلام ہی کہتے اور سمجھتے رہے تو لا بھی اور فعلاً بھی۔ یعنی اپنے آپ کو یکسر سرکار ﷺ کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دیا۔

ہجرت

غزوہ بدر کے بعد حضرت ابورافعؓ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر آپ ﷺ ہی کے پاس مقیم ہو گئے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد وحیداً حضور ﷺ کی خدمت گزاری اور جاں نثاری قرار دیا تھا۔ اس طرح وہ حضور ﷺ کی محبت اور شفقت کا مورد بن گئے اور آپ ﷺ نے اپنی ایک آزاد کردہ کنیز (حضرت) سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا۔ یہ سلمیٰ خادمہ رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابورافعؓ اور ان کی اہلیہ حضرت سلمیٰؓ کو عالیہ میں ایک مکان بھی لے دیا۔ عالیہ مدینہ منورہ کی اس آبادی کو کہتے تھے جو بلندی پر تھی باقی آبادی نشیب میں تھی۔

ذی الحجہ ۸ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے رسول اکرم ﷺ کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تو دایہ کی خدمت حضرت سلمیٰؓ ہی نے انجام دی۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ابراہیم عالیہ میں (یعنی حضرت ابورافعؓ اور حضرت سلمیٰؓ کے گھر میں) پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؓ کی ولادت سے کچھ دیر پہلے حضرت ماریہ قبطیہؓ کو حضرت سلمیٰؓ کے پاس عالیہ پہنچا دیا گیا تھا۔ ابراہیمؓ کی ولادت پر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابورافعؓ نے جب حضور ﷺ کو حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا مشرہ سنایا تو آپ ﷺ نے اس کے صلہ میں ان کو ایک غلام عطا فرمایا:

نھے ابراہیمؓ کو بعد میں حضور ﷺ نے اپنے دو جاں نثاروں حضرت ابوسیفؓ اور ان کی اہلیہ ام سیفؓ کے سپرد کر دیا تا کہ وہ ان کو دودھ پلانے، کھلانے اور ان کی نگہداشت کی خدمات انجام دیں۔

افسوس کہ نھے ابراہیمؓ نے بہت تھوڑی عمر پائی، وفات کے وقت وہ باختلاف روایت اٹھارہ مہینے یا سولہ مہینے اور آٹھ دن کے تھے۔ (اسد الغابہ)

غزوات میں شرکت

حضرت ابورافعؓ چونکہ غزوہ بدر کے بعد مدینہ پہنچے تھے اس لیے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد وہ احد، خندق، خیبر اور عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسول اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ہر معرکے میں سربکف ہو کر لڑے۔ وہ ایک سریہ میں بھی شریک ہوئے جو رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کی قیادت میں یمن کی طرف بھیجا تھا۔ خود حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ مدینہ سے روانہ ہوئے (اور کچھ دور گئے) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”اے ابورافع! تم بھی علی کے ساتھ جا کر مل جاؤ اور ان کو پیچھے سے آواز نہ دینا (بلکہ قریب پہنچ کر ان سے کہنا کہ) سر دست وہ وہیں رک جائیں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں یہاں تک کہ میں ان کے پاس آ جاؤں۔“

(میں نے تعمیل ارشاد کی) پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حضرت علیؓ کو چند ہدایات دیں اور ان سے فرمایا:

”اے علی! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت کے راستے پر گامزن کر دے تو وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر آفتاب طلوع کرتا ہے۔“

ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے اپنی عدم موجودگی میں سریہ کی نگرانی حضرت ابورافعؓ کے سپرد کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ یمن سے حجۃ الوداع میں شریک ہونے کے لیے یمن سے مکہ معظمہ آئے تو حضرت ابورافعؓ کو یمن میں اپنی جگہ مسلمانوں کا امیر مقرر کیا۔

(مستدرک حاکم)

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں مصر پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابورافعؓ بھی لشکر اسلام میں شامل ہو گئے اور مصر فتح ہونے تک برابر جہاد میں

مصروف رہے۔

رسول اکرم ﷺ کی خدمت

حضرت ابورافعؓ کو سفر و حضر میں اکثر رسول اکرم ﷺ کی ہم رکابی اور خدمت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ سفر میں بسا اوقات حضور ﷺ کا خیمہ وہی نصیب کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ ان کو حضور ﷺ کے لیے کھانا تیار کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوتی تھی اور آپ ﷺ ان کی پکائی ہوئی چیزیں بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

وفات

حضرت ابورافعؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور چار بیٹے چھوڑے۔ بیٹوں کے نام حسن، رافع، معتمر اور مغیرہ اور بیٹی کا نام سلمیٰ تھا۔

رسول اکرم ﷺ کی غلامی پر فخر و ناز

حضرت ابورافعؓ ہمیشہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا غلام کہا کرتے تھے اور اس نسبت کو اپنے لیے نہایت فخر و ناز اور عزت و شرف کا باعث سمجھتے تھے۔ آنحضور ﷺ بھی ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کو اپنے ہی خاندان بنو ہاشم کا ایک فرد قرار دیا اور زکوٰۃ لینے سے منع فرما دیا۔ مزید براں اپنی آزاد کردہ جاریہ حضرت سلمیٰؓ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تو قابلہ کی خدمت حضرت ابورافعؓ کی اہلیہ حضرت سلمیٰؓ ہی نے انجام دی اور ان کی ولادت کی خوشخبری حضرت ابورافعؓ ہی نے حضور ﷺ کو دی۔

ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن سعید بن عاص نے اپنی امارت مدینہ کے زمانے میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو اپنا غلام کہلانا چاہا لیکن وہ برابر انکار کرتے رہے۔ اس پر عمرو نے ان کو ۵۰۰ کوڑے لگوائے لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے خود ہی بیان کی ہے اور خود ہی اس کی تردید کر دی ہے۔ (تہذیب التہذیب و غلامان اسلام)

فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت ابورافعؓ نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آزادی کے بعد بھی وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گزارتے تھے اس لیے حضور ﷺ کے معمولات کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے اور اپنی معلومات کو (دریافت کیے جانے پر) بڑے لطف و انبساط سے بیان کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں اکابر صحابہ بھی ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ”الإصابة“ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے ابن عم حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے پاس ایک کاتب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے کہ فلاں فلاں دن رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا۔ وہ بیان کرتے جاتے اور کاتب قلم بند کرتا جاتا۔ حضرت ابورافعؓ سے اڑسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں چار بیٹوں، حسنؓ، رافعؓ، معتمرؓ، مغیرہؓ اور دو پوتوں حسنؓ و صالحؓ کے علاوہ عطاء بن یسارؓ، سلیمان بن یسارؓ، ابوسعید مقبریؓ اور ابو عطفان بن طریفؓ شامل ہیں۔ حضرت ابورافعؓ کی مرویات میں سے چند یہاں بطور تبرک درج کی جاتی ہیں۔

حضرت رافعؓ بیان کرتے ہیں:

۱- میرے پاس کسی نے بکری کا گوشت ہدیہ (بطور تحفہ) بھیجا۔ میں نے اس کو پکانے کے لیے ہانڈی میں ڈال دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ابورافع! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ بکری کا گوشت ہے جو کسی نے میرے پاس ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا، میں نے اس کو ہانڈی میں پکا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابورافع! ایک دست (دستی) مجھ کو بھی دو، پس میں نے آپ ﷺ کو ایک دست دے دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ایک دست اور دو اور میں نے دوسری دست دے دی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا، ایک دست اور دو۔ میں

نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! بکری کی تو دو ہی دست ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ابورافع اگر تو خاموش رہتا تو مجھ کو دست پہ دست دیتے چلا جاتا۔ (اور یہ ختم ہونے میں نہ آتیں) پھر آپ نے پانی منگوا یا، اپنا منہ دھویا، کلی کی اور انگلیوں کے پورے دھوئے پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پھر میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس ٹھنڈا گوشت رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور پانی کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

(مشکوٰۃ شریف ج ۱ بحوالہ احمد و دارمی)

۲- میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں بکری کے پیٹ کی چیزیں (دل اور کلیجی وغیرہ) بھونتا تھا۔ آپ ان کو تناول فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور وضو نہ کرتے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)

بعض شارحین حدیث نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ پہلے ہی وضو کیا ہوتا (یعنی آپ با وضو حالت میں بھنی ہوئی چیزیں تناول فرماتے) اس لیے دوبارہ وضو نہ کرتے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے بنو مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا: اس نے مجھ (ابورافع) سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تا کہ تم کو بھی زکوٰۃ میں سے کچھ مل جائے۔ میں نے کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کر لوں، تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس شخص کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، زکوٰۃ ہم لوگوں یعنی بنو ہاشم کے لیے حلال نہیں ہے اور بنو ہاشم کا (آزاد کردہ) غلام بھی بنو ہاشم ہی کے حکم میں ہے۔ (یعنی اس کے لیے بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔)

(مشکوٰۃ ج ۱۔ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۴- رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے) (سنن دارقطنی، سنن ابن ماجہ)

۵- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا طرز عمل یا رویہ اس طرح کا ہو) کہ وہ اپنی (شاندار) مسند (یا اپنے شاندار تخت) پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے جس میں میں نے کسی چیز کے کرنے سے منع کیا ہو یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو اور وہ سن کر کہے کہ ہم نہیں جانتے ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو کتاب اللہ (قرآن مجید) میں ملے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابی ماجہ، دلائل النبوة بیہقی)

۶- میں (ابورافع) نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نواسے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۷- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے پہلے کسی اُمت میں جو نبی بھی مبعوث فرمایا، اسے اپنی اُمت میں ایسے حواری اور اصحاب ملے جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے پھر ان کے جانشین ایسے لوگ بنتے رہے جو ایسی باتیں کرتے تھے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور جو کچھ عمل کرتے، اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا تو ایسے لوگوں سے جو شخص اپنے زور بازو سے جہاد کرے گا، وہ مومن ہے جو اپنی زبان کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور جو دل میں ان کے خلاف نفرت رکھنے سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے۔ رہا وہ شخص جس کے دل میں ان کے خلاف نفرت پیدا نہیں ہوتی وہ رائی کے دانے کے برابر ایمان کا بھی حامل نہیں۔

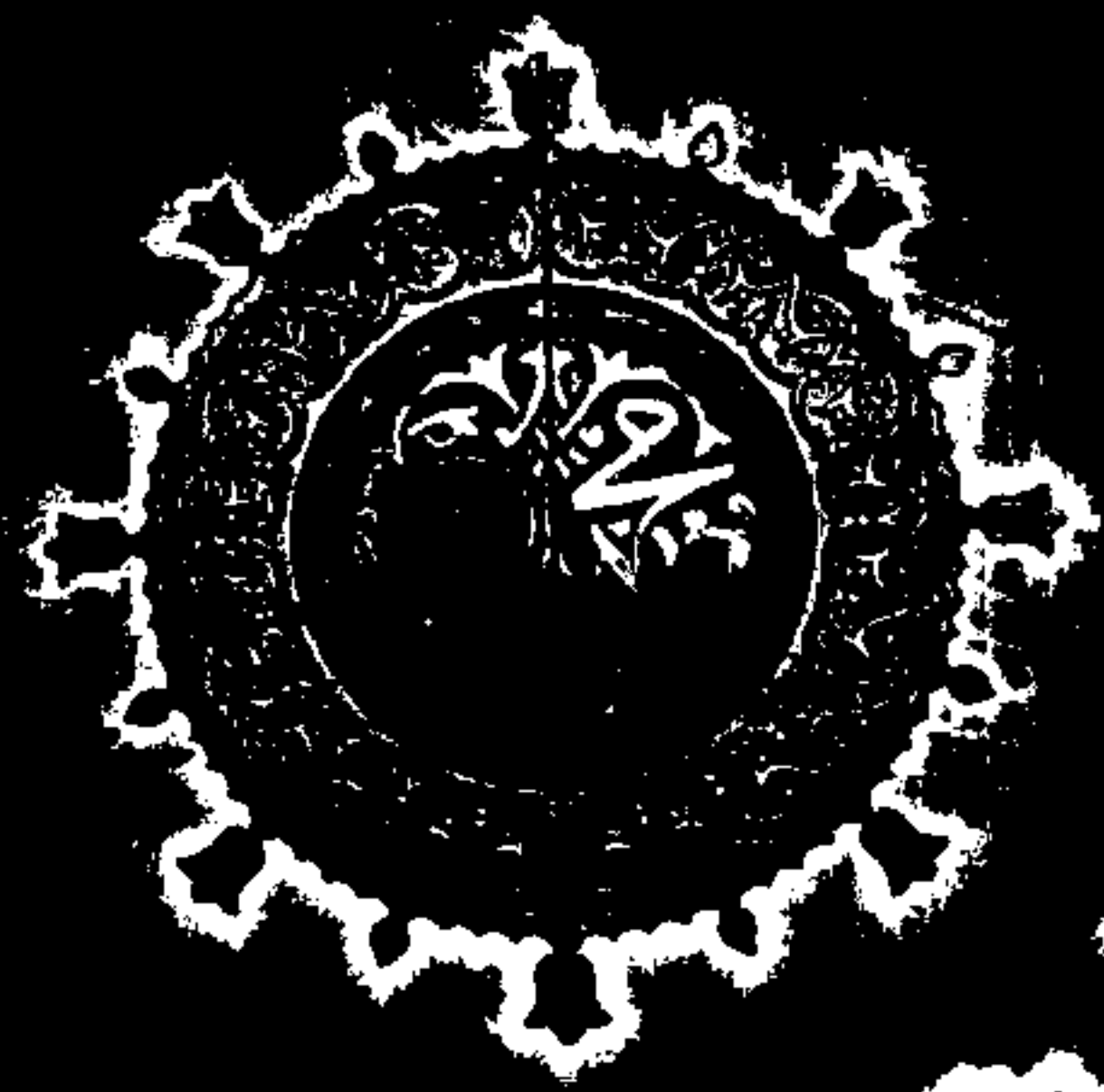
(صحیح مسلم)



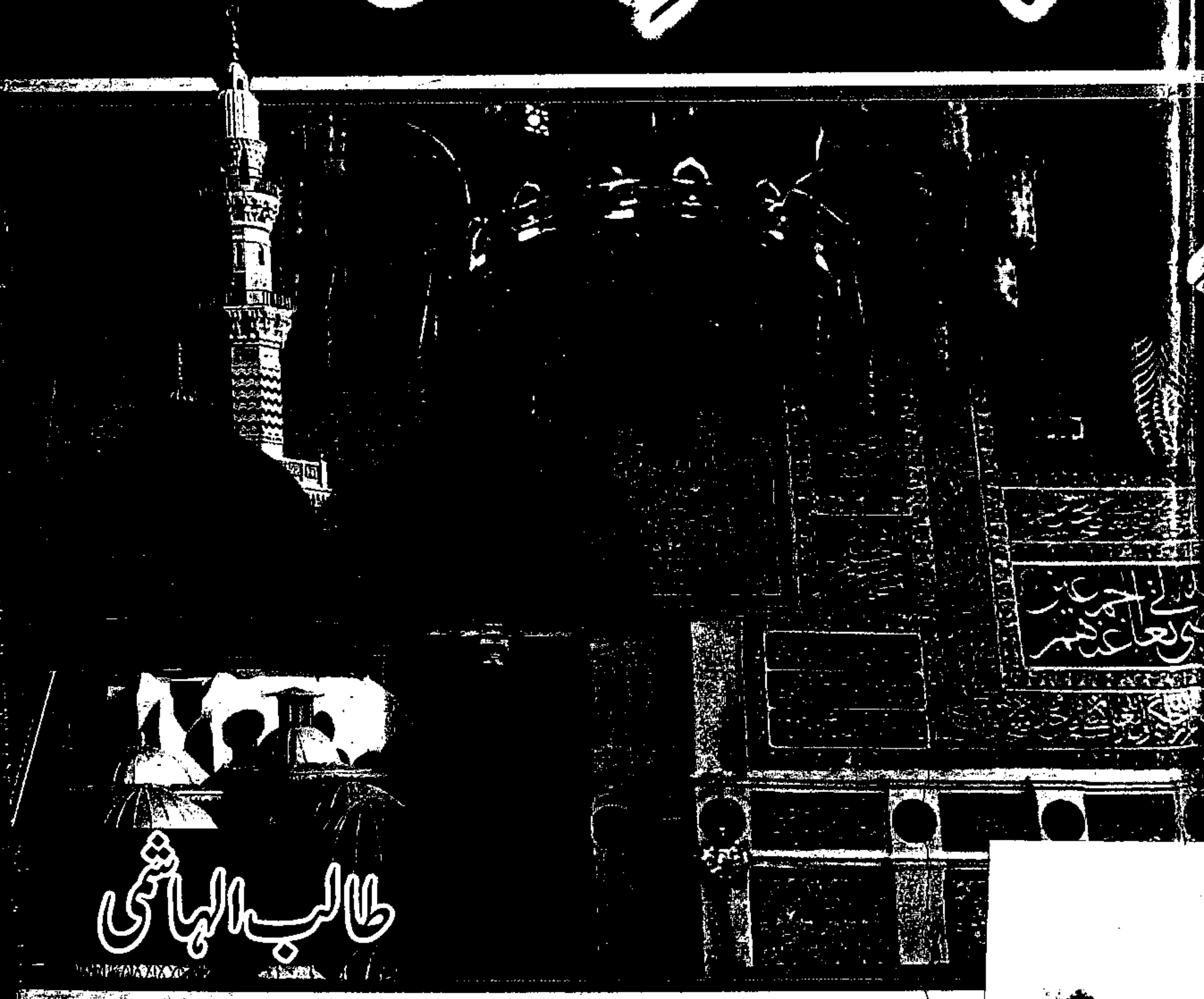
کتابیات

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے براہ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے، ان میں سے بیشتر کے نام یہ ہیں:

- | | | |
|---|---------------------------------|-----|
| امام بخاریؒ | صحیح بخاری | ۱- |
| امام مسلمؒ | صحیح مسلم | ۲- |
| امام احمدؒ | مُسْنَدِ اِحْمَدِ بْنِ حَنْبَلٍ | ۳- |
| امام ترمذیؒ | جامع ترمذی | ۴- |
| شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب عمری | مشکوٰۃ المصابیح | ۵- |
| علامہ ابن اثیرؒ | أسد الغابہ | ۶- |
| امام ابوداؤدؒ | مُسْنَدِ ابی داؤد | ۷- |
| علامہ بلاذریؒ | انساب الاشراف | ۸- |
| ابن سعدؒ | طبقات الکبریٰ | ۹- |
| مولانا شاہ معین الدین ندویؒ | مہاجرین حصہ اول و دوم | ۱۰- |
| مولانا سعید انصاری | سیر انصار جلد اول | ۱۱- |
| حافظ مجیب اللہ ندوی | اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ | ۱۲- |
| علامہ شبلی نعمانیؒ | الفاروق | ۱۳- |
| مولانا محمد منظور نعمانیؒ | معارف الحدیث (جلد اول تا ہشتم) | ۱۴- |
| مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ | غلامان اسلام | ۱۵- |
| جناب وجاہت حسین جھنجھانوی | سیرۃ بلالؓ | ۱۶- |
| ڈاکٹر محمد رواں قلعہ جی ظہران یونیورسٹی
(سعودی عرب) اردو ترجمہ: مولانا عبدالقیوم | فقہ عبداللہ بن مسعودؓ | ۱۷- |
| ابن جوزیؒ | تلقیح | ۱۸- |



خیر البشر کے پہلے خاندانِ خاص



طالب الہامی

